سوال و جواب

کتاب و سنّت کی روشنی میں

بین الاقوامی اردو روزنامہ 'اردو نیوز' جدہ (سعودی عرب) میں اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جوابات، مختصر لیکن جامع، حوالہ جات کا اہتمام، زبان سہل و عام فہم، عوام و خواص کیلئے یکساں مفید اور زندگی کیلئے بہترین رہنما

تالیف
صاحبزادہ مولانا قاری عبدالباسط صاحب
مقیم جدہ۔ سعودی عرب



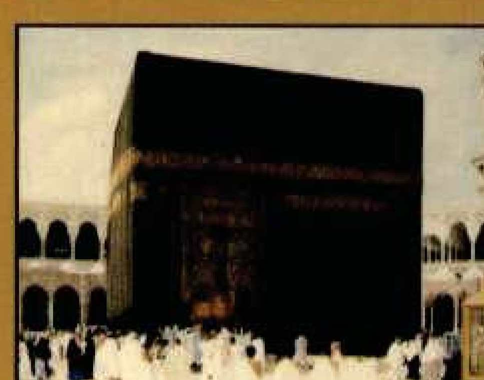
تقاریظ

مفتی جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری مدظلہم
شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
مفتی دارالعلوم و صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

مولانا محمد سالم صاحب مدظلہم
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند



دارالاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

سوال وجواب

کتاب وسنّت کی روشنی میں

جلد چہارم

بین الاقوامی اردو روزنامہ 'اردو نیوز' جدہ (سعودی عرب) میں اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جوابات، مختصر لیکن جامع، حوالہ جات کا اہتمام، زبان سہل وعام فہم، عوام وخواص کیلئے یکساں مفید اور زندگی کیلئے بہترین رہنما

تالیف

صاحبزادہ مولانا قاری عبدالباسط صاحب

مقیم جدہ۔سعودی عرب

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : اگست ۲۰۰۶ء علمی گرافکس

ضخامت : 328 صفحات

.... ملنے کے پتے ....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

جدّہ میں ملنے کا پتہ

مرکز عبداللہ بن مسعود لتحفیظ القرآن الکریم۔ العزیزیۃ، جدّۃ
فون نمبر: 009662 2871522

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
London
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com,
Website : www.azharacademy.com

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

فہرست مضامین

دوسرا باب طلاق وتفریق

تیسرا باب معاملات

پیش لفظ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم .

علماء اُمت کے لئے ہدایت کا چراغ ہیں، اور انہوں نے ہر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی اور نازک ترین اوقات میں اسلام کی حفاظت وصیانت کا فریضہ انجام دیا ہے، رہنمائی کا ایک شعبہ افتاء اور پیش آنے والے مسائل میں احکام شرعیہ کی رہنمائی بھی ہے، علماء ہند نے خاص کر اس سلسلہ میں بڑی محنت کی ہے، اور اپنے فتاویٰ اور تحقیقات کے ذریعہ بہت سے مشکل مسائل کی عقدہ کشائی فرمائی ہے. خاص کر دارالعلوم دیوبند کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے بہت پہلے سے افتاء کا نظام قائم کیا اور ہر دور میں اپنے عہد کے محقق اور صاحب نظر علماء یہاں فتوی نویسی کا کام انجام دیتے رہے، اور غالباً سب سے پہلے دارالعلوم ہی میں فتوی نویسی کی تدریب و تربیت کا بھی آغاز ہوا، چنانچہ ہر سال ممتاز فضلاء اور نوجوان علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد اس شعبہ سے تربیت پاکر نکلتی ہے اور ان کے واسطہ سے دارالعلوم کا فیض پورے ہندوستان میں پہنچا ہوا ہے۔

علماء دیوبند ہی کے فیض یافتہ اور ان کے پرداختہ ایک اہم فاضل شیخ صاحبزادہ قاری عبدالباسط حفظہ اللہ (نائب امام مسجد الشعیبی، جدہ) ہیں، راقم الحروف ان سے غائبانہ واقف ہے، موصوف جدہ سے نکلنے والے اخبار "اردو نیوز" (جو خلیج سے نکلنے والا واحد اردو اخبار ہے) میں " سوال وجواب " کا کالم لکھتے ہیں، یہ کالم بہت مقبول ہے، اور خلیج میں بسنے والے اردو داں حضرات اس سے بہت استفادہ کرتے ہیں. موصوف کے جواب میں نصوص بھی پیش نظر ہوتی ہیں، اور فقہاء کی عبارتیں بھی. ان دونوں کے امتزاج کی وجہ سے جوابات کے بارے میں قاری کو اطمینان حاصل

ہو تا ہے، ان سوالات و جوابات کے دو مجموعے جو عبادات سے متعلق ہیں، اور لوگوں نے اسے پسند کیا ہے۔

اب یہ تیسری اور چوتھی جلد اس حقیر کے سامنے ہے، جس پر مصنف نے پیش لفظ لکھنے کی خواہش کی ہے، راقم سطور نے متعدد مقامات سے اس مجموعہ کو دیکھا، ماشاء اللہ عبارت جچی تلی ہے، جواب میں اعتدال و توازن ہے، کہیں کہیں تذکیری پہلو سے بھی گفتگو کی گئی ہے، جس سے عوام کو نفع ہو تا ہے، کتب فقہیہ کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کے دلائل بھی پیش نظر رکھے گئے ہیں، زبان بھی آسان و عام فہم ہے، میں اپنی کبر سنی کی وجہ سے پورا مسودہ نہیں دیکھ پایا، لیکن میرے لئے یہ امر قابل اطمینان ہے کہ فاضل گرامی جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد و جنرل سکریڑی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے اس پورے مسودہ پر نظر ثانی کی ہے، اس لئے امید ہے کہ اس میں فقہی استناد و اعتبار بھی پوری طرح موجود ہو گا۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی مصنف کی اس محنت کو قبول فرمائے، ذخیرۂ آخرت بنائے اور ان سے زیادہ سے زیادہ دین اور علم دین کا کام لے۔

محمد ظفیر الدین مفتاحی
(مفتی دار العلوم دیوبند و صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

مولانا بدرالحسن القاسمی
صدر المعهد العالی للقضاء والافتاء، پٹنہ
نائب صدر اسلامک فقہ اکیڈمی، دھلی
مشیر وزارۃ الشؤون الاسلامیہ والاوقاف، الکویت

''مفتی'' کا کام احکامِ الٰہی کی توضیح وتبیین اور شرعی مسائل میں اللہ کی مخلوق کی رہنمائی وہدایت ہے، دوسرے لفظوں میں ''فتویٰ نویسی'' کا کام انجام دینے والا کسی چیز کے ناجائز یا جائز ہونے یا حلال وحرام ہونے کا فیصلہ کرنے اور حکم بتانے کے بعد ربِّ کائنات کی طرف سے نیابۃً دستخط کرتا ہے کہ اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کا لیکن اپنے علم وفہم کی حد تک وہ اس کے بیان کرنے کا مجاز ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' کے نام سے، مفتیوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے اور ان کے کام کی نزاکت کو بتلانے کے لئے ایک بے مثال اور ضخیم کتاب تصنیف فرمائی ہے اور اس کے نام میں ہی یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ مفتی کی حیثیت سے دستخط کرنے والا شخص درحقیقت ربِّ کائنات کے احکام کو اپنی ذمہ داری پر نقل کرنے والا اور ایک انتہائی نازک فریضہ کو انجام دینے والا شخص ہوتا ہے اور اسی حیثیت سے ''فتووں'' پر وہ اپنے دستخط ثبت کرتا ہے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے فتووں کی مثالوں کے ذکر اور آپ ﷺ کے طرزِ افتاء کو سمجھانے کے ساتھ صحابۂ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے نامور اربابِ افتاء کے طریقِ فتویٰ کو بھی واضح کیا ہے۔

اس کے علاوہ جہاں فقہ واصول کی بیشتر کتابوں میں افتاء کے منصب اور ''مفتی'' کے اوصاف وشرائط ذکر کئے گئے ہیں وہیں بہت سے علماء نے ''فتویٰ نویسی'' کے آداب واصول پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں حافظ ابن الصلاح کی ''آداب المفتی والمستفتی'' اور حنفی فقیہ علامہ ابنِ عابدین شامی کی ''شرح عقود رسم المفتی'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سلف اُمت کا طریقہ عام طور پر ''فتویٰ نویسی'' میں بڑی احتیاط اور احساسِ ذمہ داری کا تھا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ناگزیر حالات کے بغیر فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے اور اس کی کوشش کرتے تھے کہ ان کے بجائے کوئی دوسرا زیادہ علم وفقہ رکھنے والا شخص یہ ذمہ داری قبول کرلے۔

تابعین اور تبع تابعین کا بھی یہی حال تھا، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کئے جانے والے چالیس میں سے چھتیس مسئلوں میں ''لا ادری'' یعنی اس مسئلہ کا حکم مجھے نہیں معلوم، منقول ہے جو ان کے کمالِ علم کے ساتھ انتہائی اخلاص اور تقویٰ کی بھی علامت ہے۔

اس کے باوجود ہر زمانہ میں بلند پایہ علماء وفقہاء کو مفتی کے فرائض انجام دینے ہی پڑتے ہیں اور تاریخ اسلام میں ''مفتیانِ کرام'' کا خاص مقام واحترام رہا ہے، اور ان میں بہت سے مفتیوں کے تدوین شدہ فتوے آج تک امت کی رہنمائی کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔

برصغیر میں قریب کے زمانہ میں بھی ایک سے ایک نامور مفتی پیدا ہوئے ہیں جن کو ''فتویٰ نویسی'' میں مہارت کی وجہ سے امت میں خاص قبولیت اور مرجعیت حاصل رہی ہے، جن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا عزیز الرحمان عثمانی، مفتی اعظم مولانا محمد شفیع

دیوبندی، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری، مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری اور استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن کے فتووں کو امت میں بڑا قبول و استناد حاصل رہا ہے، اور ان میں سے بیشتر کے فتووں کے مجموعے شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں جس طرح انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب آتا جا رہا ہے اسی طرح مسائل بھی روز افزوں ہیں اور خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز کی یہ پیش گوئی ہر طرف سے پوری ہوتی نظر آتی ہے کہ ''جس قدر انسانی زندگی میں فسق و فجور بڑھے گا شرعی مسائل و احکام میں بھی اسی طرح اضافہ ہوتا رہے گا۔

بدلتے ہوئے حالات اور ہر دم رواں پیہم دواں زندگی میں فتویٰ نویسی کا کام اور بھی نازک ہو گیا ہے اور ''افتاء'' کے منصب پر فائز رہنے والوں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں، اب نہ فتویٰ معلوم کرنا سوال لکھ کر دینے پر موقوف رہا اور نہ فتویٰ دینا صرف قلم و کاغذ پر منحصر بلکہ ٹیلی فون اور فیکس سے لے کر انٹرنیٹ اور عالمی فضائی چینل سب کا استعمال ''فتوے'' کے لئے ہونے لگا ہے، البتہ بعض غیر تربیت یافتہ اور ناپختہ لوگوں کی طرف سے اس میدان میں آنے کی کوشش ایک خطرناک علامت ہے اور اس کی وجہ سے نوخیز، خودرو اور غیر محتاط لوگوں کے فتوے امت کی گمراہی کا باعث بن رہے ہیں، جس پر نظر رکھنا مستند علماءِ کرام کا فریضہ ہے۔

جدہ میں مقیم، مسجد الشعیبی کے نائب امام، مرکز عبداللہ بن مسعود لتحفیظ القرآن الکریم، العزیزیہ جدہ کے پرنسپل اور سرزمینِ حجاز میں دینی و دعوتی سرگرمیوں میں پیش پیش اور برصغیر کے نامور علماء کے فیض یافتہ برادر مخلص و مکرم جناب مولانا قاری صاحبزادہ عبدالباسط صاحب، اللہ رب العزت کی خصوصی توفیق سے بہرور لوگوں میں سے ہیں، جو حرم سے قریب رہ کر خلقِ الٰہی کی ہمہ جہت خدمت کر رہے ہیں اور تعلیم و تدریس، وعظ و خطابت، تصنیف و تالیف کی سرگرمیوں کے علاوہ روزنامہ ''اردو نیوز'' کے ذریعہ شرعی احکام کے بیان اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی سالہا سال سے انجام دے رہے ہیں، اور خاص و عام میں اللہ نے مقبولیت بھی دے رکھی ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ برصغیر میں رہ کر ''فتویٰ نویسی'' کے آداب الگ ہیں اور عالمِ عرب میں رہ کر اور مختلف مسلک و مذہب سے وابستہ لوگوں کے درمیان بیٹھ کر شرعی احکام بیان کرنے کے اصول الگ، بعض مسائل میں مقامی علماء کی آراء سے استناد اور عالمِ عرب اور خاص طور پر سعودی عرب کے اربابِ افتاء کی کتابوں سے استفادہ ایک طبعی بات ہے اور محترم قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس نزاکت سے عہدہ برآ ہونے کا سلیقہ عطا کر رکھا ہے۔

زیرِ نظر کتاب محترم قاری عبدالباسط صاحب کے انہیں فتووں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ''اردو نیوز'' کے ذریعہ لوگوں کے سوالات کے جواب میں لکھے ہیں، جو مختصر ہونے کے ساتھ مدلل ہیں۔

محترم قاری صاحب نے اخلاص کے ساتھ مجھ سے ''تقریظ'' کی فرمائش کی اور میں نے محض اپنی سعادت سمجھ کر یہ چند سطریں لکھ دی ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان کے ترتیب دادہ سوال و جواب کے اس مجموعہ کو اللہ کی مخلوق کے لئے ہدایت اور محترم قاری صاحب کی نجات و مغفرت کا وسیلہ بنا دے۔ آمین وما ذلک علی اللہ بعزیز

بدر الحسن القاسمی

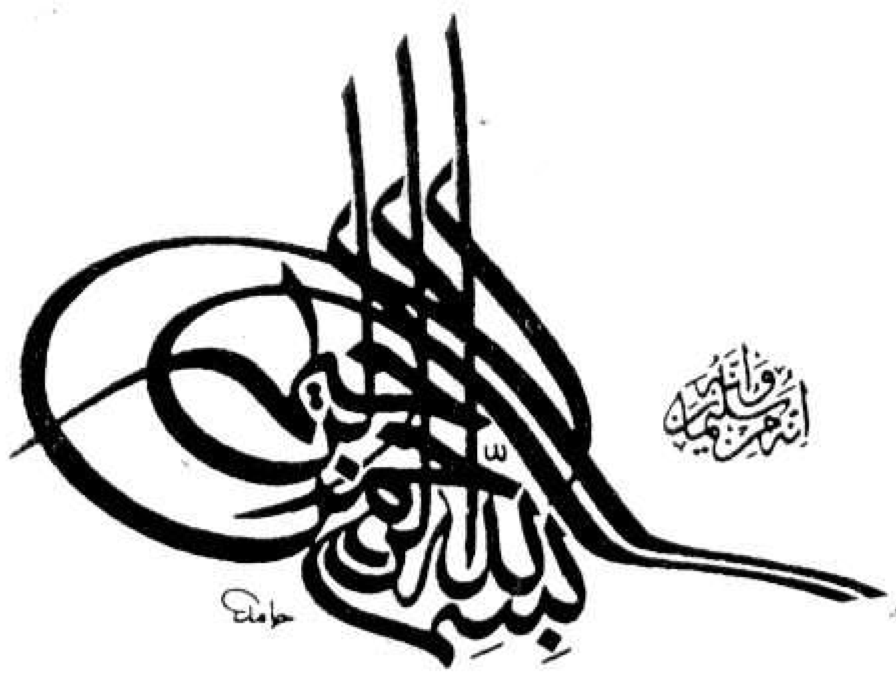
20/ دسمبر 2002ء مطابق 16/ شوال المکرم 1423ھ

سوال وجواب

حصہ : چہارم

پہلا باب

نکاح ــ احکام ومسائل


بسم الله الرحمن الرحیم
إنه من سليمان وإنه

شادی کی عمر

سوال: کتنی عمر میں لڑکی کی شادی کر دینی چاہیے؟

جواب: اسلام میں لڑکی یا لڑکے کی شادی کے لیے کسی عمر کی تحدید تو نہیں کی گئی، البتہ یہ بہتر قرار دیا گیا کہ بالغ ہوتے ہی جتنا جلد ہو ان کی شادی کر دی جائے، تاکہ وہ نفس و شیطان کے دھوکہ میں آ کر غلط راستے پر نہ پڑ جائیں۔ عورت اور مرد کے بلوغ کی علامتیں فقہاء نے ذکر کر دی ہیں، وہ علامتیں پائی جائیں تو سمجھئے کہ شادی کی عمر ہو گئی ہے۔ لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ احتلام، انزال اور عورت کو حاملہ کرنے کی صلاحیت کا ہونا ہے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ احتلام ہو جائے، حیض کا آنا شروع ہو جائے، یا حاملہ ہو جائے۔ اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو جب پندرہ سال کی عمر پوری ہو جائے، لڑکے اور لڑکیاں بالغ سمجھے جائیں گے، لڑکی کی عمر نو سال سے کم ہو تو اس کو بالغ نہیں کہہ سکتے۔ درّ مختار میں ہے:

" بلوغ الغلام بالاحتلام ، والاحبال و الانزال و الجارية بالاحتلام ، و الحيض ، و الحبل ، فإن لم يوجد فيهما شئ حتى يتم لكل منهما خمس عشرة به يفتىٰ .(۱)

درّ مختار میں ہے:

" بنت سنها دون تسع ليست بمشتهاة و به يفتىٰ . " (۲)

---

(۱) درّمختار : ۱۳۲/۱ ، كتاب الحج (۲) درّمختار : ۲۸۳/۲ باب المحرمات

شادی میں لڑکے لڑکی کی پسند

سوال :اگر کسی لڑکی یا لڑکے کے والدین شادی اس گھر میں کرنا چاہیں جہاں شرک و بدعت بہت ہوتا ہو اور لڑکی یا لڑکا اس شادی پر راضی نہ ہو؛ تو کیا شادی کرنا اس طرح جائز ہوگا؟

(انعم خان، جدہ)

جواب : لڑکا یا لڑکی بالغ ہوں تو انہیں اپنی پسند اور مرضی سے رشتہ منتخب کرنے کا اختیار ہے (۱) اس معاملے میں شرعاً والدین اپنی اولاد پر زبردستی نہیں کر سکتے ، یہ زبردستی اگرچہ ناجائز ہے، لیکن اگر شرعی طور ایجاب و قبول اور اس کی شرائط پائی جائیں تو نکاح ہو جائے گا، ورنہ نہیں ، تاہم شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مرد اور عورتیں اپنے نکاح کے معاملے میں اس درجہ خود مختار ہو جائیں کہ اپنے اولیاء کی مرضی اور خاندانی مصلحتوں کے خلاف جس سے چاہیں رشتۂ ازدواج میں بندھ جائیں، اس لیے شریعت نے مناسب حدود میں ان کو خاندانی مداخلت کا بھی حق دیا ہے اور غیروں میں نکاح کر لینے یا کم مہر باندھنے پر اعتراض کا حق دیا ہے، اس کے تحت ولی قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ نکاح فسخ کر سکتا ہے، إذا تزوّجت المرأة و نقصت عن مهر مثلها فللاولياء الاعتراض عليها "اگر عورت بذاتِ خود نکاح کر لے اور مہر مثل سے کم مہر متعین کرائے تو اولیاء کو اعتراض کا حق ہے۔" (۲) یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے اور اسی کو تمام فقہاءِ احناف نے اختیار کیا ہے، دوسرے ائمہ کے یہاں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔ نیز والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے دینی لحاظ سے بہتر رشتہ تلاش کریں، غیر دیندار ماحول یا گھرانوں میں بالخصوص جہاں مشرکانہ رسوم اور بدعات پائی جاتی ہوں، ایسے گھر میں رشتہ کرنا اپنی اولاد کو بھی اور ان سے ہونے والی نسل کو بھی گمراہی کے راستہ پر ڈالنے کے مترادف ہے، کیوں کہ بچوں کی تربیت، ان کی ذہنی و فکری نشو و نما میں والدین اور گھر کے ماحول کا بہت اثر

---

(۱) مسلم : ۱/۴۵۵ (۲) هدایه : ۲/۳۰۱

ہوتا ہے، اس لیے رشتہ طے کرنے سے قبل اس پہلو پر اچھی طرح غور کرلینا چاہیے۔ اپنی اولاد کے نکاح کے لیے دیندار لڑکا یا لڑکی کو ترجیح دینے کی احادیثِ رسول ﷺ میں کافی تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر تمہیں کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو تو اسے قبول کرلو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ وفساد پھیلے گا(۱) اسی طرح لڑکیوں کے معیارِ انتخاب کے سلسلے میں رسولِ کریم ﷺ نے نوجوانوں کی یہ رہنمائی فرمائی، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں سے نکاح چار بنیادوں پر کیا جاتا ہے، ان کی خوبصورتی اور حسن وجمال کی وجہ سے، دولت ومالداری کی وجہ سے، حسب ونسب اور خاندانی شرافت کی بنیاد پر یا ان کی دینداری کی وجہ سے، تم دینداری کو ترجیح دو، کامیاب ہو جاؤ گے۔(۲)

نکاح میں رضامندی

سوال: ہمارے دفترِ نکاح میں لڑکی کا دستخط ہی رضامندی ہوتی ہے، مگر میری بیوی کو اس کی ایک سہیلی نے ہاتھ پکڑ کر دستخط کروایا تھا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کی وجہ شرم وحیاء تھی؛ کیا میرا نکاح صحیح ہو گیا؟ جواب عنایت فرما کر دل کا وسوسہ دور فرمائیں۔

(امجد پاشا، ریاض)

جواب: آپ کا نکاح درست ہے، شوہر نادیدہ لڑکی کی خاموشی بھی شرعاً رضامندی سمجھی جاتی ہے، یعنی وہ لڑکی جس کا نکاح پہلی مرتبہ ہو رہا ہے، جب اس کے سامنے اس کا باپ یا ولی وسرپرست اس کے نکاح کی خبر کرے کہ میں نے فلاں مرد سے تمہارا نکاح کردیا، کیا تمہیں قبول ہے؟ اور وہ لڑکی اس پر خاموش رہے تب بھی نکاح ہو جائے گا، فطری طور پر شرم کی وجہ سے شریعت نے خاموشی کو ہی قبول ورضامندی کے طور پر معتبر مانا ہے، جیسا کہ حدیثِ رسول ﷺ بھی اس کی صراحت موجود ہے، ہاں اگر

---

(۱) نسائی عن جابر، باب علی ما تنکح (۲) ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ، کتاب النکاح، باب یؤمر به من تزویج ذات الدین

عورت مطلقہ ہے تو ایسی صورت میں خاموشی رضامندی نہیں، بلکہ زبان سے قبولیت کا اظہار ضروری ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: و الثیب تعرب عن نفسها و البکر رضاها صمتها .(۱)

وکیل کی ذریعے نکاح

سوال: کبھی لڑکا باہر یعنی وطن سے دور سعودی عرب وغیرہ میں ہوتا ہے اور اس کا نکاح کسی لڑکی سے کر دیا جاتا ہے، پھر جب وہ چھٹی پر جاتا ہے تو اسی لڑکی سے دوبارہ اس کا نکاح کر دیتے ہیں؛ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟
(ذاکر حسین تنور الرس)

جواب: اگر کوئی شخص اپنے نکاح کے سلسلے میں والد بھائی یا کسی بھی شخص کو (ٹیلی فون اور خط وغیرہ کے ذریعے) وکیل بنادے اور وہ شخص (وکیل) کسی لڑکی سے اس کا نکاح کردے تو بحیثیتِ وکیل اس کا کیا ہوا نکاح درست ہے، (۲) دوبارہ تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں اگر اس شخص کی اجازت و وکالت یا مرضی کے بغیر کوئی اپنی طرف سے اس کا نکاح کسی سے کردے اور پھر خبر کردے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں لڑکی سے کر دیا ہے، اور وہ شخص اس نکاح پر رضامندی کا اظہار کردے، تو بھی یہ نکاح شرعاً درست ہوگا (تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں) اور اگر یہ اس نکاح پر رضامندی کا اظہار نہ کرے تو شرعاً یہ نکاح درست نہیں، بلکہ اس نکاح کو اصلاً منعقد ہی نہیں سمجھا جائے گا، یعنی اس نکاح کی وجہ سے اس شخص پر کوئی ذمہ داری یا حقوق واجب نہیں ہوں گے اور نہ اس کو ختم کرنے کے لیے اسے طلاق دینے کی ضرورت رہے گی، بلکہ عدمِ رضامندی کے اظہار سے ہی سارا معاملہ ختم ہو جائے گا۔(۳)

مخطوبہ کو دیکھنا

سوال: نکاح یا منگنی سے قبل لڑکی والوں کا لڑکے کو دیکھنا یا لڑکے

---

(۱) بیهقی عن عرس بن عمیرة الکندی، باب إذن البکر الصمات و إذن الثیب بالکلام
(۲) هدایه: ۳۲۲/۲، ط: دیوبند، الهند (۳) هدایه: ۲۹٤/۲

والوں کا لڑکی کو دیکھنا یا لڑکا کا لڑکی کو دیکھنا کیسا ہے؟

(ولی محمد خاکسار، جدہ)

جواب: نکاح یا منگنی سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے کے بارے میں علماء نے بعض شرطوں کے ساتھ اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاسِ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں انصار کی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور جا کر اسے دیکھ لو۔(۱) ایک دوسری حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جب تم میں سے کوئی نکاح یا منگنی کرنا چاہے اور لڑکی کو دیکھ سکے تو دیکھ لے۔"(۲)

لیکن علماء و فقہاء نے اسے دیکھنے کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) نکاح یا منگنی سے قبل لڑکے والوں کا لڑکی کو دیکھنا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی فرض یا واجب، لہٰذا اسے ضروری نہ سمجھا جائے اور نہ ہی نکاح یا منگنی میں یہ شرائط لائی جائے کہ ہم تو اسے ضرور دیکھیں گے۔

(۲) لڑکی کو یا لڑکے کو اس وقت دیکھا جائے جب نکاح یا منگنی کا پختہ ارادہ کرلیا جائے، یہ نہ ہو کہ ہر جگہ اور خاندان میں لڑکیوں اور لڑکوں کو دیکھا جائے اور دوسروں کی توہین کی جائے۔ کئی جگہوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک ایک لڑکی کو دیکھنے کے لیے دس دس اور بیس بیس خواتین آئیں اور دیکھ کر واپس چلی گئیں، یہ اس بچی کی توہین ہے اور اسے احساسِ کمتری میں مبتلا کرنا ہے۔ بچی کے والدین ہر ایک کو اپنی بچی نہ دکھاتے پھریں۔

(۳) اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس دیکھنے میں کوئی غیر شرعی حرکت نہ ہو، بلکہ تمام شرعی آداب اور مکمل حیا و سنجیدگی سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔

(۴) لڑکی کے جسم میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی رکھی جائیں اور صرف چہرہ اور

---

(۱) بیهقی عن عُرس بن عمیرة الکندی ، باب إذن البکر الصمات و إذن الثیب بالکلام

(۲) ابو داود عن جابر ، باب الرجل ینظر الی المرأة و هو یرید تزویجها

ہتھیلیاں دیکھی جائیں اور ویسے بھی جب لڑکی یا لڑکا چل کر کمرے میں آتے ہیں اور بیٹھ کر کچھ دیر گفتگو کرتے ہیں تو ہر ایک بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، لڑکی کو دیکھنے یا لڑکے کو دیکھنے کا معاملہ نہایت ہی اہم حساس اور سنجیدہ معاملہ ہے، یہ کوئی منڈی نہیں ہے اور نہ ہی بکاؤ مال ہے، جسے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا اور پرکھا جائے، لہٰذا اس دوران کوئی بھی ایسی بات یا ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے کسی کو تکلیف واذیت پہنچتی ہو، چنانچہ ابن قدامہ رقمطراز ہیں: لاخلاف بين أهل العلم في إباحة النظر إلى وجهها، و ذلك لأنه ليس بعورة، و هو مجمع المحاسن و موضع النظر، و لايباح له النظر إلى مالا يظهر عادة .(۱)

چہرہ دیکھنے کے جواز پر کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ ستر نہیں ہے اور یہی چہرہ تو مجمعِ محاسن ہے اور دیکھے جانے کی جگہ ہے، اس لئے چہرے کے علاوہ جسم کے دوسرے ایسے حصہ کو "جو کہ عادۃً ظاہر رکھے نہیں جاتے" دیکھنا جائز نہیں۔

ہمیشہ یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اصل چیز سیرت واخلاق کی پاکیزگی دینداری اور تقویٰ وپرہیزگاری ہے نہ کہ خوبصورتی، مال ودولت اور خاندانی شرافت وغیرہ، ہاں اگر دینداری کے ساتھ یہ خصوصیتیں بھی پائی جائیں تو یقیناً یہ بہتر بات ہے، لیکن اصل قابلِ ترجیح وصف عورت کی دینداری ہے۔ صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ عورت سے نکاح یا تو دین واخلاق کی خوبی کی بناء پر کیا جاتا ہے، یا حسب ونسب یا اس کے مالدار ہونے یا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے، لیکن تم دین دار عورت کو نکاح کے لیے منتخب کرو۔(۲) ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ ارشاد گرامی ہے کہ: "عورتوں سے رشتہ ان کے حسن وجمال کی وجہ سے نہ کرو، ممکن ہے ان کا حسن ان کو کسی برائی اور خرابی کی راہ پر ڈال دے اور ان کی مالداری کی بناء پر رشتہ نہ کرو، ہو سکتا ہے ان کا مال ان کو سرکشی اور غرور میں مبتلا کر دے، بلکہ دین واخلاق کی بنیاد پر رشتہ کرو، یقیناً ایک دیندار باندی جو اگرچہ کالی اور بدصورت ہو، بے

---

(۱) المغنی ۷/۷۴ (۲) بخاری حدیث نمبر ۵۰۹۰، مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۶۶

دین خوبصورت اور مالدار لڑکی سے بہتر و افضل ہے۔ (۱) اس مفہوم کی روایتیں کتب حدیث میں اور بھی ہیں۔

یہی معیار لڑکے کے انتخاب میں بھی لڑکی اور اس کے سرپرستوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس کے دین وایمان سے مطمئن ہو تو پھر اس کا نکاح تم اپنی لڑکی سے کردو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد رونما ہوگا، اس ارشادِ نبوی کو سن کر صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! اگر اس شخص میں کوئی بات ہو (یعنی اس کی ظاہری شکل وصورت بہت اچھی نہ ہو یا اس کی مالی حالت زیادہ قابل اطمینان نہ ہو) تب بھی ہم ایسا کریں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جب بھی تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغامِ نکاح بھیجے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کردو۔ (۲)

شادی میں دادا، دادی کا اختیار

سوال: ہم اپنی بہن کی شادی جہاں کرنا چاہتے ہیں، ہمارے دادا، دادی اس رشتے کے مخالف ہیں؛ کیا شرعاً دادا اور دادی کی اجازت لینا ضروری ہے؟

(عمر زماں، دمام)

جواب: آپ اپنی بہن کی شادی جہاں کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ کے والدین کی مرضی بھی یہی ہے تو اس سلسلے میں دادا، دادی کی اجازت لینا شرط نہیں ہے اور نہ ضروری ہے، لیکن اگر باپ موجود نہ ہوں تو دادا کی رضامندی ضروری ہوگی (۳) بشرطیکہ آپ کی بہن ابھی بالغ نہ ہوئی ہوں، اگر بالغ ہو چکی ہوں اور وہ خود اس رشتہ کو قبول کرتی ہوں تو دادا دادی کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

---

(۱) ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب تزویج ذوات الدین حدیث نمبر: ۱۸۵۹ (۲) ابن ماجہ باب ما جاء من ترضون دینہ من تزویج ذات الدین، کتاب النکاح (۳) البحر الرائق: ۱۰۹/۳

منگیتر سے بات چیت

سوال: کیا منگنی کے بعد لڑکا اپنی منگیتر کی تصویر اپنے لیے منگوا سکتا ہے؟ کیا وہ اپنی منگیتر سے فون پر بات چیت کر سکتا ہے اور دونوں میں خط و کتابت ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ بعض لوگ ان باتوں کے خلاف ہیں اور انہیں خلافِ اسلام قرار دیتے ہیں۔

(اکبر خاں، جدہ)

جواب: شرعاً یہ بات جائز ہے کہ لڑکی اپنے منگیتر کو دیکھ لے، البتہ خلوت میں ملاقات اور منگنی کے بعد دونوں کا آزادانہ گھومنا پھرنا شرعاً ناجائز ہے، جیسا کہ مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگوں کے یہاں اس کا عام رواج ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں ملاقات نہ کرے کہ ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے (۱)، منگنی صرف ایک رسمی عمل ہے اور چوں کہ اکثر منگنیوں میں نکاح نہیں ہوتا، لہٰذا جب تک نکاح نہ ہو، منگنی کے باوجود لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے محرم ہیں، لہٰذا اس دوران تصویر مانگنا، ٹیلی فون پر بات کرنا وغیرہ مناسب نہیں ہے۔

والدین کی مرضی کے بغیر شادی

سوال: بعض ناخلف اپنے ماں باپ کی مرضی کے بغیر شادی کر لیتے ہیں، اس کے لیے یا تو عدالت سے رجوع کرتے ہیں یا بناوٹی رشتہ دار بنا کر رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں، شرعاً ایسی شادی کی کیا حیثیت ہے؟ کیا عدالت کو یہ اختیار ہے کہ وہ شادی کا اجازت نامہ جاری کرے؟

(امتیاز الحق، ریاض)

جواب: سول عدالت، فوجی عدالت یا دوسری کوئی عدالت شرعی امور اور مسلم خانگی امور، مسلم پبلک لا یا عائلی قوانین میں مداخلت کا حق نہیں رکھتیں، شرعی عدالتیں ان امور کے فیصلے کی مجاز ہیں، اگر والدین اپنی اولاد کی شادی کی مخالفت جس وجہ سے کر

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی کراهية الدخول على المغيبات أبواب الرضاع

رہے ہیں، وہ معقول اور جائز ہے تو یہ والدین کا حق ہے، لیکن والدین اپنی اولاد کو اپنی پسند کا رشتہ پر مجبور نہ کریں بہتر اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ اولاد کے رشتے اولاد کی مرضی اور پسند سے طے کیے جائیں، بیٹی کا معاملہ یہ ہے کہ لڑکی اپنے وارث کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی، جب کہ لڑکے پر کوئی ایسی پابندی نہیں ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفو میں بالغہ لڑکی خود اپنا نکاح کر سکتی ہے، گو بہتر ان کے نزدیک بھی یہی ہی کہ ولی کی اجازت سے نکاح ہو۔

اپنی پسند سے شادی کی اجازت

سوال: والدین میری شادی اپنے خاندان میں کرنا چاہتے ہیں، جبکہ میرا ارادہ اپنی پسند سے شادی کرنے کا ہے؛ شرعاً میرے لیے کیا حکم ہے؟

(شاہد ریاض، دمام)

جواب: آپ کے والدین کے لیے شرعاً یہ مناسب اور جائز نہیں کہ وہ زبردستی جبراً آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف دوسری جگہ شادی کرنے پر مجبور کریں، لیکن والدین کی تمنا وخواہش بھی بہتر رشتہ کرنے کی ہوتی ہے، اس لیے آپ کے لیے بھی زیادہ بہتر یہی ہے کہ والدین کی مرضی اور فیصلہ کو قبول کر لیں۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

سوال: اسلام میں کن عورتوں سے نکاح حرام ہے؟

(محمد معروف خاں، بریدہ)

جواب: سورۂ نساء میں محرماتِ نکاح کی کچھ وضاحت اور تفصیل موجود ہے اس سلسلہ میں مکمل تفصیل سورۂ نساء کی اس آیت میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْأَخِ وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ وَ أُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ

(۱) نساء: ۲۳

مِّنْ نِّسَائِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا O " (۱)

اس کی مزید تشریح و توضیح رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات سے ہوتی ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہاء نے حرمتِ نکاح کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی ہیں: حرمتِ مؤبدہ اور حرمتِ مؤقتہ۔ حرمتِ مؤبدہ کا مطلب ایسی عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنا ہمیشہ کی لیے حرام ہے اور حرمتِ مؤقتہ کا مطلب وہ عورتیں جن سے نکاح کسی سببِ حرمت کی وجہ سے عارضی اور وقتی طور پر حرام ہیں، جب وہ سبب دور ہو جائے تو ایسی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہو جاتا ہے۔

حرمتِ مؤبدہ کے تین اسباب ہیں: نسبی رشتہ، سسرالی رشتہ اور رضاعی (یعنی دودھ کا) رشتہ ان تین رشتوں کی بناء پر جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ دائمی ہے، عارضی اور وقتی نہیں۔

(۱) نسبی رشتہ کی وجہ سے جن عورتوں سے نکاح حرام ہے، وہ یہ ہیں:

ماں، بیٹی، بہن، پھوپی، خالہ، بھانجی، بھتیجی (واضح رہے کہ پھوپھی، خالہ ماموں اور چچا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے، حرام نہیں۔

سسرالی رشتہ کی بناء پر جن عورتوں سے نکاح حرام ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) ساس، کسی عورت سے نکاح ہوتے ہی مرد (شوہر) کے لیے اپنی بیوی کی ماں سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو جاتا ہے، چاہے بیوی سے صحبت و تعلق نہ ہوا ہو اور اس سے پہلے جدائی کی نوبت آگئی ہو۔

(۲) بیوی کی بیٹی، کوئی عورت مطلقہ یا بیوہ تھی اور اسے سابق شوہر سے لڑکی بھی تھی، اب اگر کوئی شخص ایسی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح کرلے تو ایسے شخص پر اس بیوی کی بیٹی سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے، بشرطیکہ اس شخص نے نکاح کے بعد بیوی سے صحبت بھی کی ہو، اگر نکاح کے بعد بیوی سے صحبت و تعلق نہ ہوا ہو اور اس سے پہلے ہی

جدائی ہو گئی ہو تو اس شخص کے لیے اس عورت کی بیٹی سے نکاح شرعاً حرام نہیں ہے۔

(۳) سوتیلی مائیں، جن عورتوں سے والد کا نکاح ایک مرتبہ ہو گیا ہو، ایسی عورتوں سے اولاد کے لیے دائمی طور پر نکاح حرام ہے۔

رضاعت (دودھ پینے) کی وجہ سے جن عورتوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں کتبِ حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ اصولی ارشاد مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔" یعنی جس طرح نسبی اور حقیقی ماں، بیٹی، بہن وغیرہ سے نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی ماں، بہن اور بیٹی وغیرہ سے بھی نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

مذکورہ بالا تمام عورتوں سے نکاح کی حرمت دائمی ہے، یعنی کبھی بھی ان سے نکاح حلال نہیں، جن عورتوں سے نکاح عارضی طور پر حرام ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) جمع بین الاختین، یعنی بیک وقت دو بہنوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں، اگر بیوی کا انتقال ہو جائے یا اس کو طلاق دے دی جائے تو اس کی عدت گزرنے کے بعد اس کی بہن سے نکاح درست اور جائز ہے، دو بہنوں ہی کی طرح کسی عورت سے نکاح کے بعد (جب تک وہ نکاح میں رہے) اس عورت کے پھوپھی یا خالہ سے بھی نکاح جائز نہیں، بیوی کے انتقال یا طلاق اور عدت کے گزرنے کے بعد جائز ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ ایسی عورتوں کو بہ یک وقت نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا کہ اگر ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو مرد تصور کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو جاتا ہو، ہندیہ میں ہے: الأصل أن كل امرأتين لو صورتا احداهما من أى جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع بينهما(۱) اصل میں یہ ضابطہ بھی حدیثِ نبوی سے مستفاد ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے: لايجمع بين امرأة و عمتها و لا بين المرأة و خالتها۔(۲)

(۲) کسی بھی مسلمان مرد کے لیے غیر مسلم کافر و مشرک عورت سے نکاح جائز

---

(۱) هندية: ۱/۲۷۷ (۲) بخاری عن جابر، باب لاتنكح المرأة على عمتها (۳) البقرة: ۲۲۱

نہیں، جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرلے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ. (۳)

اگر کسی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو وہ اس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کہ عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح نہ ہو جائے، پھر صحبت و تعلق کے بعد کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے اور عدت بھی گزر جائے تب وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہوتی ہے، یعنی اب اس صورت میں اس سے نکاح درست ہے۔

(۴) جو عورت شادی شدہ ہے اور کسی مرد کے نکاح میں قائم ہے، یا مطلقہ ہے، لیکن ابھی عدت گزار رہی ہے، تو نکاح کے قائم رہنے اور عدت کے باقی رہنے تک اس سے کسی کے لیے نکاح درست نہیں۔

(۵) اگر کوئی شخص چار عورتوں سے شادی کرلے، تو اب اس کے لیے پانچویں عورت سے شادی کرنا حرام ہے، جب تک کہ چار عورتیں اس کے نکاح میں رہیں گی، ہاں اگر کسی کو طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی گزر جائے تو عدت کے گزرنے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح جائز ہے۔

عورتوں کی یہ وہ پانچ قسمیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت عارضی ہے، دائمی نہیں۔ اختصار کے ساتھ ہم نے ان عورتوں کا بیان کردیا جن سے نکاح دائمی یا وقتی طور پر حرام ہے، مزید تفصیل و توضیح کے لیے کتاب و سنت اور کتبِ فقہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ محرماتِ نکاح کے سلسلے میں بعض فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود مذکورہ بالا اصولی تقسیم اور مسائل میں تقریباً تمام ہی ائمہ کا اتفاق ہے۔

رضاعی رشتہ کی ایک صورت

سوال: میری خالہ کا تقریباً پندرہ سال قبل انتقال ہو گیا، مرنے سے قبل وہ ہمیشہ ایک بچی کو اپنا دودھ پلاتی تھیں، بعد میں لڑکی کا نکاح ان کے بیٹے سے ہوا، شادی تو ہو گئی، لیکن اس کے بعد بھی یہ رشتہ متنازعہ

رہا، بعض عورتیں کہتی ہیں کہ میری خالہ کے سینے میں دودھ تھا اور بعض کہتی ہیں کہ صرف پانی تھا، لڑکی کی ماں، دادی اور ایک عورت یہ کہتی رہی کہ دودھ تھا، لیکن خاندان کے دوسرے افراد نے یہ بات تسلیم نہیں کی اور مسلسل شادی کا مطالبہ کرتے رہے، بالآخر ان کی شادی ہوگئی اور وہ اب ساتھ رہ رہے ہیں، اور شادی کو بھی ایک عرصہ گذر چکا ہے تو کیا ان کا یہ رشتہ شرعاً جائز ہوا؟

(ذیشان حیدر، مدینہ منورہ)

جواب: مذکورہ لڑکا اور لڑکی آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں، اس لیے ان کا نکاح درست نہیں، ضروری ہے کہ علاحدگی اختیار کر کے دونوں دوسری جگہ شادی کر لیں، خاندان کی بعض عورتیں جب یہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی خالہ کے سینے میں دودھ تھا اور لڑکی نے ان کا دودھ پیا تو اس سے رضاعت ثابت ہو گئی، اب بعض عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ سینے میں پانی تھا، دودھ نہیں تھا، اس سے اس مسئلے پر کوئی فرق نہیں پڑتا، ان دونوں کے درمیان حرمتِ رضاعت بدستور قائم رہے گی، پھر نکاح کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اس میں حرمت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو اس سے بچنا ہی بہتر ہے، جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے: "عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ابواہاب بن عزیز کی لڑکی سے شادی کی، پھر ایک عورت سے کہا مجھے یہ نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور تم نے مجھے اس سے پہلے اس بارے میں بتلایا، پھر عقبہؓ نے ایک آدمی کو ابواہاب کے خاندان والوں کے پاس یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ کیا اس عورت نے تمہاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو، اس کے بعد عقبہؓ سوار ہو کر مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنے نکاح کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس لڑکی کو کس طرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جس کے بارے میں کہا جا چکا ہے کہ وہ تمہاری دودھ شریک بہن ہے؟ چنانچہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کو

علاحدہ کردیا اور اس لڑکی نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔"(۱)

اس روایت کی بناء پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تو یہ کہتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی، (۲) جب کہ بعض ائمہ اس کے لیے ایک عورت کی گواہی کو اگرچہ کافی نہیں سمجھتے، لیکن ان کے یہاں بھی ایسی صورت میں بہتر و افضل بات اور احتیاط و تقویٰ کا تقاضہ یہی ہے کہ کسی لڑکی کے بارے میں حرمتِ رضاعت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے اور اگر کر چکا ہو تو اس کو الگ کردیں۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: إذا شهدت امرأة على الرضاع فالافضل للزوج أن يفارقها .(۳)

رضاعی بھانجی سے رشتہ

سوال: ایک عورت نے اپنی بیٹی کی شادی کی، سال بھر کے بعد اسے لڑکا ہوا، (اسی دوران خود اس عورت کے یہاں بھی ولادت ہوئی اور لڑکی پیدا ہوئی) لیکن بیماری کی وجہ سے چند دنوں تک ماں اپنے بچے کو دودھ نہیں پلا سکی، مجبوراً اس بچہ کی نانی نے دودھ پلایا، پھر کچھ عرصہ بعد اس عورت کی دوسری لڑکی کی بھی شادی ہوئی اور اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی، اس طرح اس عورت کی دونوں لڑکیوں کی اولاد یعنی ایک لڑکی کا لڑکا اور دوسری لڑکی کی لڑکی، جب جوان ہوئے تو آپس میں ان کی شادی کردی گئی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ رشتہ ناجائز ہے؛ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے؟

(طالب حسین، جیزان)

جواب: اگر یہ لڑکا وہی ہے جس نے ولادت کے بعد اپنی نانی کا دودھ پیا تھا تو پھر شرعاً یہ نکاح درست نہیں، کیوں کہ یہ لڑکی (یعنی بیوی جس سے اس کا نکاح ہوا ہے) اس

---

(۱) بخاری، عن عقبة بن الحارث، باب شهادة المرضعة، ابو داؤد، باب الشهادة فى الرضا كتاب الاقضية (۲) بدائع الصنائع: ۱۴/۴، ط: كراچی پاكستان (۳) حوالہ سابق نیز دیکھئے

اسی طرح رضاعی بھانجی سے بھی نکاح درست نہیں،(۱) ہاں اگر یہ لڑکا دوسرا ہے اور اس نے اپنی نانی کا دودھ نہیں پیا تو پھر یہ رشتہ جائز ہے، کیوں کہ حرمتِ رضاعت میں حرمت کا تعلق دودھ پینے والے سے ہوتا ہے، نہ کہ اس کے بھائی بہنوں سے (بشرطیکہ انہوں نے اس عورت کا دودھ نہ پیا ہو) ان کا نکاح دودھ پینے والے لڑکے کی رضاعی بھائی بہنوں سے ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ان کے درمیان کوئی اور حرمتِ نکاح کا سبب نہ پایا جائے، اس کو بلکہ سوال میں مذکور صورت ہی کو آپ اس مثال سے سمجھئے کہ ہندہ کی دو بیٹیاں ہیں خالدہ اور عاتکہ، اب ہندہ نے جس طرح خالدہ اور عاتکہ کو دودھ پلایا، اسی طرح کسی ضرورت کے تحت خالدہ کے بیٹے طارق کو بھی اس نے دودھ پلایا، تو اب ہندہ سے طارق کا رشتہ رضاعی ماں کا بھی ہو گیا اور عاتکہ اس کی رضاعی بہن ہو گئی اور اس کی تمام لڑکیاں رضاعی بھانجی، لہٰذا طارق کا نکاح عاتکہ کی کسی لڑکی سے بھی شرعاً درست نہیں، ہاں اگر خالدہ کا کوئی اور لڑکا مثلاً ناصر بھی ہو اور اس نے اپنی نانی ہندہ کا دودھ نہ پیا ہو تو ظاہر ہے نہ ہندہ اس کے حق میں ماں ہو گی اور نہ عاتکہ رضاعی بہن، لہٰذا ناصر کا نکاح عاتکہ کی کسی بھی لڑکی سے ہو سکتا ہے، کیوں کہ وہ اس کی صرف خالہ زاد بہن ہو گی، جب کہ طارق کے حق میں خالہ زاد بہن کے علاوہ رضاعی بھانجی کا بھی رشتہ ہے۔

حقیقی بھائی کی رضاعی بہن سے رشتہ

سوال: میرے بڑے بھائی نے بڑی مامی کا دودھ پیا ہے اور چھوٹی مامی کی لڑکی سے میری شادی ہوئی، جس سے مجھے دو بچے بھی ہیں؛ کیا یہ شادی میرے لیے جائز ہے؟

(محمد معزالدین، ناصر)

جواب: آپ کے لیے رشتۂ نکاح جائز ہے، صرف بڑے بھائی کے حق میں آپ کی

---

(۱) ترمذی عن عائشة، باب ماجاء يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب

بڑی مامی رضاعی ماں ہیں، آپ کے حق میں نہیں، لہٰذا آپ کا نکاح تو بڑی مامی کی لڑکی سے بھی جائز تھا، چھوٹی مامی سے تو آپ کے بڑے بھائی سے رضاعت کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان کی اولاد نہ آپ کے لیے رضاعی بہن بھائی کا درجہ رکھتی ہیں اور نہ آپ کے بڑے بھائی کے لیے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: "و تحل أخت أخيه رضاعا يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية." (۱) ہاں اگر ان کی اولاد میں سے کسی نے آپ کی بڑی مامی کا دودھ پیا ہو تو پھر وہ آپ کے بڑے بھائی کے رضاعی بہن بھائی ہوں گے۔

پھوپھی زاد بھانجی سے رشتہ

سوال: پھوپھی زاد بہن کی لڑکی جو میرے رشتہ میں بھانجی کہلاتی ہے، اس سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح میری بھانجی کی میرے خالہ زاد بھائی سے شادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(محمد عبدالرحیم، ریاض)

جواب: پھوپھی زاد بہن سے بھی شادی جائز ہے اور پھوپھی زاد بھانجی سے بھی (بشرطیکہ حرمتِ رضاعت کا رشتہ نہ ہو) اسی طرح خالہ زاد ماموں یا خالہ زاد بھائی سے بھی شادی ہو سکتی ہے، ہاں حقیقی ماموں بھانجی کے درمیان شرعاً نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔

جائز شادی

سوال: ایک مسلمان شخص نے ناجائز طور پر غیر مسلم عورت کو گھر میں رکھا، زندگی گذاری، اس سے اولاد بھی ہوئی، عورت کے لوگوں کو پتہ چلنے پر لڑائی جھگڑے سے اس عورت کو اپنے گھر لے جاتے ہیں، کچھ دن بعد وہ عورت مر جاتی ہے اور اس کے خاندان والے اسے جلا دیتے ہیں، مسلمان باپ بچوں کی پرورش کرتا ہے، پھر لوگوں سے یہ کہہ کر اپنی لڑکی کی شادی کر دیتا ہے کہ لڑکی کی ماں مسلمان تھی، کیا یہ

---

(۱) درمختار مع الرد: ۲/۴۰۸، ط: بیروت

شرعی اور جائز شادی ہو سکتی ہے؟

جواب: اس شخص نے غیر مسلم عورت کو مسلمان کیے بغیر اور اس سے نکاح کے بغیر ناجائز تعلقات رکھے تو یقیناً اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا، اسے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر نادم ہو کر سچے دل سے معافی مانگنی چاہیے، لیکن لڑکی اگر مسلمان ہے اور باپ کے دین یعنی اسلام پر قائم ہے اور اس کا باپ کسی مسلمان لڑکے سے شادی کر دیتا ہے تو اس کی شادی شرعاً جائز ہے، ہاں لڑکی کی ماں مسلمان نہ ہونے کے باوجود باپ نے اسے مسلمان کیا ہو تو جھوٹ کا گناہ اس کے اوپر رہے گا، جب تک توبہ نہ کرے، ماں کے غیر مسلم ہونے یا لڑکی کا رشتہ کرنے کے لیے باپ کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے لڑکی کی شادی ناجائز نہیں ہو جاتی۔

اپنی بیٹی کا ماموں زاد بھائی سے رشتہ

سوال: کیا میرے ماموں زاد بھائی یا میری بیوی کے چچازاد بھائی سے میری بیٹی کی شادی ہو سکتی ہے؟

(سلیم، جیزان)

جواب: ہو سکتی ہے (بشرطیکہ ان دونوں میں رضاعت (دودھ) کا رشتہ نہ ہو۔

سوتیلی ماں کے لڑکے لڑکیوں سے نکاح

سوال: ایک صاحب کا ایک خاتون سے عقدِ ثانی ہوا اور دونوں پہلے سے صاحبِ اولاد ہیں، ان کی شادی کے بعد کیا ان کی اولاد آپس میں شادی کر سکتی ہیں؟ بعض اصحاب سے میں نے معلوم کیا تو کسی نے کہا کہ کر سکتے ہیں اور کسی نے کہا کہ نہیں کر سکتے، صحیح اور شرعی جواب سے آگاہ فرمائیں۔

(محمد ظہیر الدین، دمام)

جواب: جن بھائی بہن کے ماں باپ ایک ہی ہوں، انہیں حقیقی بھائی بہن کہا جاتا ہے

جن کے باپ ایک ہی ہوں اور ماں الگ الگ تو ایسے بھائی بہن کو "علاتی" کہتے ہیں اور جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ تو ایسے بھائی بہن کو "اخیافی" کہتے ہیں، جس طرح حقیقی بھائی بہن کا نکاح آپس میں نہیں ہو سکتا، اسی طرح اخیافی (ماں شریک) یا علاتی (باپ شریک) بھائی بہن کا نکاح آپس میں شرعاً جائز نہیں۔ اب اگر مثال کے طور پر زید نے ہندہ سے شادی کی اور ان دونوں کی یہ دوسری شادی ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ زید کی پہلی بیوی سے بھی اولاد ہے اور ہندہ بھی سابقہ شوہر سے صاحبِ اولاد ہے، تو زید کی پہلی بیوی کی اولاد اور ہندہ کے سابقہ شوہر کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے، نہ وہ آپس میں حقیقی بھائی بہن ہیں، نہ علاتی اور نہ اخیافی، لہٰذا ان کا آپس میں نکاح جائز اور درست ہے اور ان کا آپس میں نکاح زید اور ہندہ کے نکاح سے پہلے بھی جائز ہے اور ان کی نکاح کر لینے کے بعد بھی، کیوں کہ ان کے نکاح کر لینے سے ان کی سابقہ اولاد کے درمیان کوئی نسبی رشتہ (شرعاً) پیدا نہیں ہو جاتا، اگرچہ عرفِ عام میں وہ ایک دوسرے کے بھائی بہن اور زید و ہندہ ان کے سوتیلے ماں باپ سمجھے جاتے ہوں، کیوں کہ یہ أحِلَّ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ میں داخل ہے، اسی لیے علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: أما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال .(۱) کہ باپ کی بیوی کی بیٹی یا بیٹا حلال ہے۔

یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اب زید اور ہندہ سے جو اولاد ہو گی، ان کا نکاح نہ زید کی سابقہ بیوی کی اولاد سے ہو سکتا ہے اور نہ ہندہ کے سابقہ شوہر کی اولاد سے، اس لیے کہ ان کے درمیان آپس میں اخیافی (ماں شریک) یا علاتی (باپ شریک) بھائی بہن ہونے کا رشتہ پایا جائے گا اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اخیافی یا علاتی بھائی بہن کا نکاح آپس میں جائز نہیں، جس طرح سے کہ حقیقی بھائی بہن کا نکاح جائز نہیں۔

کیا یہ نکاح درست ہے؟

سوال: اگر ایک لڑکی کسی لڑکے کو چاہتی ہو اور وہ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہوں، لیکن ان کے والدین اس شادی

(۱) درمختار: ۱/۱۸۷، ط: دیوبند انڈیا

پر راضی نہ ہوں اور پھر لڑکی کے والدین لڑکی کی مرضی کے خلاف کسی دوسری جگہ اس کا نکاح کردیں جہاں وہ دل سے راضی نہ ہو، لیکن مجبوری میں یا کسی قسم کے دَباؤ میں آکر ہاں کردے، تو کیا یہ شادی جائز ہے؟ کہیں پڑھا ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں، جتنی مدت بھی وہ میاں بیوی کی طرح رہیں، ان کا عمل زنا میں شمار ہوگا، کیا یہ بات درست ہے؟

(الحاج میاں محمد سلیم، جدہ)

جواب: بالغ لڑکے اور لڑکی کو اپنی مرضی اور پسند سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اس معاملے میں والدین کو زبردستی نہیں کرنی چاہیے، دوسری طرف اولاد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے شریکِ زندگی کے انتخاب میں والدین کی مرضی اور خوشنودی کو ملحوظ رکھیں، نیز ان کے طویل تجرباتِ زندگی سے فائدہ اٹھائیں، کون والدین ایسے ہوں گے کہ جو اپنی اولاد کا برا چاہتے ہوئے ان کے لیے غلط رشتہ کریں گے، جب کہ اس معاملہ میں لڑکے اور لڑکیوں کے ذاتی فیصلے ناتجربہ کاری اور جذباتیت کی بنیاد پر ہونے کی وجہ سے مستقبل میں اکثر ناکامیوں کا شکار ہوتے ہیں، بہر حال بالغ لڑکے اور لڑکیوں کو یہ شرعی حق حاصل ہے کہ وہ نکاح کے سلسلہ میں رشتہ کا انتخاب خود اپنی پسند سے کریں، نیز عقدِ نکاح کے وقت ایجاب و قبول میں جب وہ قبولیت کا اظہار کریں تب ہی نکاح درست ہوگا، اگر لڑکا یا لڑکی قبول نہ کریں تو پھر نکاح ہی درست نہیں، لیکن واضح رہے کہ لڑکا یا لڑکی عقدِ نکاح میں اپنی زبان سے قبولیت کا اظہار کردیں تو چاہے وہ اس رشتہ پر دل سے راضی اور مطمئن نہ ہوں، یا کسی قسم کے اخلاقی یا خاندانی دباؤ میں قبول کرلیں، بہر حال اس صورت میں نکاح درست اور صحیح ہوگا، کیوں کہ نکاح کی صحت و عدمِ صحت کا تعلق زبان سے قبول کرنے یا نہ کرنے پر ہے، نہ کہ دل سے راضی و مطمئن ہونے پر، اس لیے آپ کا رشتہ شرعاً درست ہے، آپ نے جو باتیں اس سلسلہ میں سن رکھی ہیں، وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔

سالی سے شادی جائز نہیں

سوال : کیا ایک شخص بیک وقت دو سگی بہنوں سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے پھر کچھ عرصہ بعد بیوی کی اجازت سے اس کی سگی بہن (یعنی اپنی سالی) سے شادی کرنا چاہے، تو کیا یہ اس شخص کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

(نصیر احمد، محمد اسلم، القنفذہ)

جواب : جب تک بیوی نکاح میں یا طلاق دینے کے بعد عدت میں رہے سالی سے نکاح جائز نہیں، کہ قرآن میں اس کو منع فرمایا گیا: وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ (۱) ہاں اگر بیوی کو طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت گزر جائے یا بیوی کا انتقال ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کی بہن یعنی سالی سے نکاح شرعاً جائز ہے، سالی سے نکاح کی حرمت شرعی ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے، بیوی کے اجازت دے دینے سے سالی سے نکاح جائز نہیں، اگر کوئی شخص سالی سے نکاح کر ہی لے تو یہ نکاح حرام ہی رہے گا اور اس نکاح کی وجہ سے صحبت و تعلق حلال نہیں ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص بیک وقت دو سگی بہنوں سے نکاح کرتا ہے، یعنی ایک ہی ایجاب و قبول میں دونوں بہنوں سے نکاح کرتا ہے، تو یہ نکاح بھی باطل ہوگا اور دونوں بہنوں میں سے کوئی بھی اس شخص کے لیے شرعاً حلال نہ ہوگی، ہاں اگر ایجاب و قبول دونوں کے لیے الگ الگ ہو تو پہلے جس بہن سے نکاح کے لیے ایجاب و قبول ہوگا، وہ نکاح تو صحیح ہوگا اور اس کے بعد والا نکاح اور ایجاب و قبول باطل ہوگا۔ حصکفیؒ لکھتے ہیں: حرم الجمع بین المحارم نکاحا ای عقدا صحیحا وعدة و لو من طلاق بائن (۲) علامہ شامیؒ نے اس پر جو تشریحی نوٹ قلم بند کیا ہے، وہ ملاحظہ کے قابل ہے: إذا تزوجهما علی التعاقب کان نکاح الاولی صحیحا فإن نکاح الثانیة والحالة هذه باطل قطعا .(۳)

---

(۱) نساء : ۲۳ (۲) درمختار : ۲/ ۲۸٤

(۳) رد المحتار : ۲/ ۲۸٤

عورت کے لیے سسر محرم ہے

سوال: کیا عورت کے لیے اس کا سسر (شوہر کا والد) محرم ہے یا غیر محرم؟ بہو اپنے سسر کے ساتھ حج و عمرہ ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟ بیٹے کے انتقال کے بعد کیا باپ اپنی بہو سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب: بیٹے کے انتقال کے بعد بھی باپ کے لئے بہو سے شادی کرنا جائز نہیں، بہو سے نکاح کی حرمت دائمی ہے، یعنی ہمیشہ کے لیے، چنانچہ سسر اپنی بہو کے لیے رشتہ دار محرم کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کے ساتھ سفر اور حج و عمرہ کی ادائیگی بھی درست ہے۔(۱)

کیا بہنوئی محرم ہے؟

سوال: اگر سالی شادی شدہ ہو تو کیا اس کا بہنوئی محرم بن سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: سالی چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اس کے لیے بہنوئی محرم نہیں ہے۔

کیا یہ رشتہ ناجائز ہے؟

سوال: دو بہنوں کے ساتھ باپ اور بیٹا شادی کر سکتے ہیں یا نہیں، یہ دونوں ہی رشتے عملاً واقع ہوئے ہیں جن پر مجھے شک ہے؛ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(فضل خالق، ریاض)

جواب: باپ نے جس عورت سے شادی کی ہے، وہ بیٹے کی یا تو حقیقی ماں ہوگی یا سوتیلی، بیٹے کے لیے ان دونوں ہی سے نکاح حرام ہے، اب رہی یہ بات کہ منکوحۂ اَب (یعنی باپ کی بیوی) کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر منکوحۃ الاب بیٹے کی حقیقی ماں ہے تب تو یہ رشتہ جائز نہیں، کیوں کہ اس صورت میں وہ اس شخص کے حق میں سگی خالہ ہوگی، لیکن منکوحۂ اَب بیٹے کی حقیقی ماں نہیں بلکہ سوتیلی ماں ہے تو سوتیلی ماں سے تو نکاح حرام ہے، لیکن سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے، لہٰذا اگر صورتِ مسئلہ یہ ہو

---

(۱) و حلائل أبنائکم (النساء: ۲۳)

کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو یا اس کا انتقال ہو گیا ہو یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کرنا چاہے اور وہ کسی (اجنبی) عورت سے شادی کرے اور ساتھ ہی اپنی پہلی بیوی سے ہونے والے بیٹے کا رشتہ بھی اس عورت کی بہن سے کردے تو شرعاً یہ رشتہ جائز ہے، بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی دوسرا نسبی یا رضاعی رشتۂ حرمت نہ پایا جائے۔

اپنے ناجائز لڑکے سے حقیقی بیٹی کی شادی

سوال: زید کے اپنی سالی سے تعلق کی وجہ سے ایک لڑکا ہوا ہے، تو کیا زید اپنی حقیقی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے کر سکتا ہے؟ دوسرے رشتہ داروں کو چوں کہ یہ معلوم نہیں کہ لڑکا اور لڑکی ایک مرد کے نطفے سے ہیں، اس لیے ان کو اسی رشتے پر اصرار ہے، جب کہ زید اور اس کی سالی حقیقت سے واقف ہیں، اس لیے وہ اس شادی سے راضی نہیں، لیکن رشتہ داروں اور بڑوں کے دباؤ سے اس رشتہ پر مجبور ہیں؛ کیا شرعاً یہ رشتہ درست ہے؟ (ایک قاری، جدہ)

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ زنا سے ہونے والی اولاد کا نسب زانی سے نہیں بلکہ مزنیہ جس کے حرمِ زوجیت میں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **الولد للفراش و للعاهر الحجر** لڑکا صاحبِ فراش کا ہوتا ہے اور زانی اس سے محروم رہتا ہے، (۱) لہٰذا جب اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں تو زانی کی لڑکی کا نکاح مزنیہ کے لڑکے سے درست ہے، ردّالمحتار میں ہے: **و يحل لاصول الزاني و فروعه أصول المزني بها و فروعها** .(۲) اس لیے دریافت کردہ صورت میں یہ رشتہ درست ہے،

حرام وناجائز لڑکی سے شادی

سوال: اگر کوئی عورت زنا کی وجہ سے حاملہ ہو جائے تو اس کی اولاد (اس حمل سے پیدا ہونے والی) حرام ہوئی، کیا مسلمان (مرد وعورت)

(۱) بخاری عن عائشة، باب قول الموصى الخ کتاب الوصایا (۲) ردّالمحتار: ۲/ ۲۷۶ ط: بیروت

کے لیے اس عورت کی لڑکی یا لڑکے سے شادی کرنا جائز ہے؟

(اسد علی، ابہاء)

جواب: زنا کی وجہ سے پیدا ہونے والے لڑکے یا لڑکی سے نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا، اگر کوئی مسلمان مرد و عورت ایسے لڑکے یا لڑکی سے نکاح کرنا چاہیں جو زنا کے سبب سے پیدا ہوں، تو شرعاً اجازت ہے، بشرطیکہ ان کے درمیان کوئی حرمتِ نکاح کا رشتہ نہ پایا جاتا ہو، کیوں یہ اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ میں داخل ہے۔(۱)

اپنی ناجائز بیٹی سے رشتہ

سوال: ہمارے ساتھ ایک آدمی کام کرتا ہے، اس نے ایک عورت سے زنا کیا، اس سے وہ حاملہ ہو گئی، اس عورت نے ایک بچی کو جنم دیا، اب وہ بچی جوان ہو چکی ہے، وہ آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس بچی سے نکاح کرے، حالانکہ وہ اسی کے نطفے سے ہے اور وہ جواز کی دلیل میں ماضی قریب کے ایک عالم کی فارسی کتاب کا حوالہ پیش کرتا ہے کہ اس میں ایسا نکاح کرنے کی اجازت ذکر کی گئی ہے؛ کیا یہ نکاح درست ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

(محمد سرور، بحرین)

جواب: آپ نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے، وہ ہمارے پاس موجود نہیں کہ ہم براہِ راست اس کو دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے، بہر حال یہ مسئلہ نیا نہیں، بلکہ فقہاءِ متقدمین کے درمیان بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، اکثر ائمہ اور فقہاء کے یہاں ایسی لڑکی سے نکاح ناجائز اور حرام ہے، ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: و یحرم علی الرجل نکاح بنته من الزنا و هو قول عامة الفقهاء.(۲) اس لیے محرمات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سورۂ نساء آیت ۲۳ میں ارشادِ باری ہے: ”تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں حرام کی گئی ہیں۔“(۳) زنا کے سبب پیدا ہونے والی لڑکی اگرچہ احکامات کے لحاظ سے

---

(۱) سورۂ نساء: ٤ (۲) المغنی: ۷/۹۱ (۳) نساء: ۲۳

شرعاً زانی کے حق میں بیٹی نہیں ہوتی، مثلاً زانی سے اس لڑکی کا نسب ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ اس کی پرورش اور اخراجات کا ذمہ دار ہے اور نہ ہی شرعاً ان کے درمیان وراثت کے احکامات جاری ہوتے ہیں، لیکن غور کرنے کے بات ہے کہ حقیقی اور ثابت النسب بیٹی سے نکاح جس بنیاد پر حرام ہے، وہ یہی تو ہے کہ لڑکی حقیقت میں باپ کا ایک جزو اور اسی کے نطفہ سے وجود میں آئی ہوئی ہے، یہ سبب اور علت زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ زانی کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے، لہٰذا حرمتِ نکاح کے بارے میں وہ حقیقی بیٹی کی طرح ہی تصور کی جائے گی۔ اس کی ایک نظیر یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اجنبی عورت سے شبہ کی وجہ سے (یعنی یہ سمجھ کر کہ یہ اس کی بیوی ہے) جماع کرلے اور اس سے حمل قرار پاکر لڑکی تولد ہو تو تمام ہی فقہاء یہ کہتے ہیں کہ وہ اس (صحبت و جماع کرنے والے شخص) پر حرام ہے۔

زنا کے سبب پیدا ہونے والی لڑکی سے زانی کا نکاح حرام ہونے کا مسلک امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر فقہاء وائمہ کا ہے، صرف امام شافعیؒ سے اس کا جواز منقول ہے، امام مالکؒ کے بارے میں فقہِ حنبلی کی مستند کتاب "المغنی" میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ: "امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ ایسی لڑکی سے (زانی کے لیے) نکاح کرنا درست ہے (۱) لیکن علامہ عبد الرحمان الجزیریؒ نے اپنی مشہور کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" میں مالکیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کے (علماء کے) درمیان اختلاف ہے، لیکن زیادہ راجح اور قابل اعتماد بات یہی ہے کہ ان کے یہاں بھی زانی کے لیے ایسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، اگرچہ ان میں بعض علماء شوافع کی طرح یہی کہتے ہیں کہ ایسی لڑکی سے نکاح حرام نہیں اور شوافع کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے ہاں جائز تو ہے، لیکن کراہت کے ساتھ۔

---

(۱) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعة : ٤/٦٣ (٢) ملاحظه هو : المغنی : ٧/ فصل یحرم علی الرجل وطی بنته من الزنا ، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة : ٤/٦٦ ، مبحث حرمة المصاهرة

خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ احناف و حنابلہ کے یہاں بالاتفاق زانی کے لیے زنا کے سبب پیدا ہونے والی لڑکی سے نکاح حرام ہے، مالکیہ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے، لیکن راجح قول اور اکثر علماءِ مالکی کا مسلک حرمت ہی کا ہے اور شوافع کے ہاں اگرچہ بالاتفاق جائز ہے، لیکن کراہت کے ساتھ۔

خادمہ سے بغیر نکاح کے تعلق

سوال: ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ سورۂ نساء کی آیت نمبر: ۳ کے الفاظ "اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ان عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق جائز ہے، جو جنگ کے بعد ان کے قبضے میں آئی ہیں، یا جن کو ایک مخصوص رقم کے عوض گھریلو کام کاج کے لیے حاصل کیا گیا ہے؛ کیا یہ صحیح ہے اور کیا اس کا اطلاق آج کے دور میں بھی ہو سکتا ہے؟

(مظہر علی، ینبع الصناعیۃ)

جواب: اسلام میں باندی سے بغیر نکاح کے بھی تعلق کو جائز رکھا گیا ہے، یعنی ان عورتوں سے جو غیر مسلموں سے جہاد میں فتح و نصرت کے بعد قیدی بنالی گئی ہوں، لیکن یہ صرف مسئلہ کا ایک پہلو ہے، کتاب و سنت میں اس سلسلے میں تفصیلی احکام موجود ہیں، اس کا ایک بہت بڑا حصہ انہی غلام و باندی کے احکام پر مشتمل ہے، اس سے وہ خادمائیں ہرگز مراد نہیں جنہیں گھریلو کام کاج کے لیے رکھا جائے، آج کے دور میں اس کا اطلاق اس لیے نہیں ہو سکتا کہ آج کہیں بھی شرعی طور پر غلام و باندی کا وجود نہیں، یہ اسلام کا انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ اس نے اسے غلامی کے دور سے نجات عطا کی۔

چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال: چچازاد بہن کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ میں رشتہ میں اس کا ماموں لگتا ہوں؟ نیز پھوپھی زاد بہن کی بیٹی سے بھی

شادی جائز ہے یا نہیں؟

(احمد علی، حائل)

جواب : سگی بہن کی بیٹی یعنی حقیقی بھانجی سے شادی اسلام میں جائز نہیں، لیکن چچازاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہنوں سے اور ان کی لڑکیوں سے (یعنی رشتہ کی بھانجیوں سے) نکاح شرعاً جائز ہے، جب کہ رضاعت یا نسب کا دوسرا کوئی سببِ حرمتِ نکاح نہ پایا جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ .(۱)

بھائی کی بیوی سے نکاح

سوال : اگر ایک چھوٹے بھائی کی بیوی بیوہ ہو جائے، یا کسی وجہ سے بھائی نے طلاق دے دی ہو تو کیا عدت کے بعد بڑا بھائی اس عورت سے شادی کر سکتا ہے؟

(محمد معروف خاں بریدہ)

جواب : اگر کوئی عورت بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو عدت گزرنے کے بعد اس کا نکاح اس کے (سابق) شوہر کے کسی دوسرے بھائی سے ہو سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

ممانی اور چچی سے نکاح

سوال : ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے یا نہیں، چاہے وہ مطلقہ ہوں یا بیوہ؟

(محمد افراز، رحیمہ)

جواب : ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ ان کے اور نکاح کرنے والے شخص کے درمیان کوئی اور حرمتِ نکاح کا سبب نہ پایا جائے، جیسے کہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہوں (بچپن میں ایک عورت کا دودھ پیا ہو) یا جیسے کسی نے ممانی اور چچی کی لڑکی سے نکاح کیا ہو تو چوں کہ ساس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے، لہٰذا ایسی صورتوں میں

---

(۱) نساء : ۲٤

ان سے نکاح نہیں ہو سکتا، اس طرح کی حرمتِ نکاح سبب نہ پایا جائے تو صرف ماموں اور چچا کی منکوحہ حرمتِ نکاح کا سبب نہیں، اگر وہ طلاق پا جائیں یا بیوہ ہو جائیں تو عدت گزرنے کے بعد اِن سے نکاح ہو سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں، اس لیے کہ یہ اللہ کے اشاد "اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ." کے تحت حلال ہے۔

خالہ زاد بہن سے نکاح

سوال: میں اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور خالہ جان کی بھی خواہش ہے کہ یہ شادی ہو جائے، لیکن جب میں چھوٹا تھا، تو میں نے اپنی اسی خالہ کا دودھ پیا تھا؛ اب کیا اس صورت میں یہ شادی شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(مجاہد، بیشہ)

جواب: خالہ کی لڑکی سے شادی جائز ہے، لیکن چوں کہ آپ نے اپنی خالہ کا بچپن میں دودھ پیا ہے، لہٰذا وہ آپ کی رضاعی ماں اور ان کی لڑکی آپ کے لیے رضاعی بہن ہوئی اور رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں، لہٰذا شرعاً آپ کے لیے یہ رشتہ صحیح نہیں۔

سالے کی بیوی سے نکاح

سوال: میں شادی شدہ ہوں، بچے بھی ہیں، اِدھر ڈھائی سال قبل میرے چھوٹے سالے کا انتقال ہو گیا، اس کے تین چھوٹے بچے بھی ہیں، میرا خالہ زاد بھائی بھی لگتا تھا، میں اس کی بیوی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا میرے لیے یہ رشتہ جائز ہے؟

جواب: اگر آپکے اور سالے کی بیوی کے درمیان حرمتِ نکاح کا کوئی رشتہ نہیں ہے، تو پھر یہ شادی جائز ہے، خالہ زاد بھائی یا سالے کی بیوی ہونا حرمتِ نکاح کا سبب نہیں۔

پھوپھی بھتیجی سے ایک ساتھ شادی

سوال: میری شادی کو عرصہ ہو چکا، مگر اولاد نہیں، میں دوسری

شادی اپنے سالے کی بیٹی سے کرنا چاہتا ہوں، کیا ایک وقت میں پھوپھی بھتیجی سے شادی جائز ہے؟ (ظفر علی جیز ان)

جواب: ایک وقت میں پھوپھی بھتیجی کو رشتۂ نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر بیوی کو طلاق دے دی جائے تو اس کی عدت گزرنے کے بعد یہ رشتہ شرعاً جائز ہو سکتا ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ دوسرا رشتہ تلاش کریں۔

پھوپھی زاد بہن سے شادی

سوال: میری بیوی کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا، میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں، جس سے شادی کا ارادہ ہے، وہ میری پھوپھی کی بیٹی ہے اور میں نے بچپن میں پھوپھی کا دودھ پیا ہے، کیا یہ رشتہ میرے لیے جائز ہے؟

(محمد الیاس، جدہ)

جواب: پھوپھی کی لڑکی سے شادی جائز ہے، مگر چوں کہ آپ نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے، اس لیے اب یہ آپ کی رضاعی بہن بھی ہے اور رضاعی بہن سے شادی کرنا حرام ہے، لہٰذا آپ کے لیے یہ رشتہ کسی صورت میں جائز نہیں۔

سالی کی لڑکی سے شادی

سوال: میں اپنی سالی کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب: اگر آپ کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہو، یا آپ نے طلاق دے دی ہو اور مطلقہ کی عدت بھی گزر چکی ہو، تو سالی کی لڑکی سے، بلکہ خود سالی سے بھی شادی ہو سکتی ہے بشرطیکہ کوئی اور رشتہ اس سے نکاح کی حرمت کا پایا نہ جائے۔

ممی سے شادی

سوال: کیا سگی چچی اور سگے ماموں کی بیوی (ممی) سے شادی ہو سکتی ہے؟

(نور حسین، ابہاء)

جواب: جی ہاں! چچی اور ممانی سے اگر کوئی اور ایسا رشتہ نہیں جس سے کہ نکاح حرام ہوتا ہے تو پھر ان سے شرعاً نکاح جائز ہے، یہ الگ بات ہے کہ عرف میں اس کا رواج نہیں، لیکن شرعی طور پر ان سے نکاح میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

سید لڑکی سے نکاح

سوال: کیا کسی غیر سید مرد کا نکاح سید لڑکی سے جائز ہے؟

(حاجی اختر حسین خاں، طائف)

جواب: اللہ کی نگاہ میں حسب نسب کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ وہاں تو تقویٰ دیکھا جاتا ہے، تقویٰ کی بنیاد پر کوئی بھی مسلمان مرد کسی بھی مسلمان عورت سے نکاح کر سکتا ہے، نکاح کے معاملہ میں سید و غیر سید کی کوئی قید نہیں ہے۔

صرف اپنی برادری میں شادی

سوال: بعض لوگ شادی بیاہ کے معاملے میں صرف اپنے خاندان میں رشتہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، بعض لوگ اپنے خاندان کو سب سے اونچا سمجھتے ہیں، کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

(محمد اشرف ابراہیم، بحرین)

جواب: اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت و بلندی کا معیار صرف تقویٰ ہے، خاندانی جاہ و حشمت نہیں، سورۂ الحجرات (آیت: ۱۳) میں یہی بات کہی گئی ہے کہ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو تقویٰ کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ ہو، سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: "تم لوگوں کی شکل و صورت اور جسم و جان کو اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے، (۱) جب کہ ایک دوسری حدیث میں کہا گیا ہے کہ تقویٰ کا مرکز دل ہے، لہٰذا اس حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے، یعنی تقویٰ دیکھا جاتا ہے، اس لیے خاندان اونچا ہونے کی وجہ سے کوئی فضیلت و برتری

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم وخذله ...... حدیث نمبر: ۲٥٦٤

حاصل نہیں، دوسرے رشتے کے معاملے میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی عورت سے رشتہ چار باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، مال، خاندان، حسن و جمال اور دینداری تو تم دین والی کو ترجیح دو اس کی دینداری کی وجہ سے۔"(۱) یعنی رشتہ طے کرتے وقت صرف حسب و نسب (خاندان) مال و جائیداد اور خوبصورتی دیکھی نہ جائے، بلکہ اصلاً دینداری دیکھی جائے۔ یہی سب سے اہم اور قابل ترجیح امر ہے، لڑکا ہو یا لڑکی اگر چہ، خاندان، مال اور خوبصورتی کے لحاظ سے اعلیٰ و بہتر نہ ہو، لیکن سیرت و دینداری میں بہتر ہو تو فوراً رشتہ کردیا جائے، خواہ اس کا تعلق دوسرے خاندان ہی سے کیوں نہ ہو۔

جو شادیاں دینداری، سیرت واخلاق اور کردار کو سامنے رکھ کر طے کی جاتی ہیں، تجربہ ہے کہ ان میں برکت ہوتی ہے اور ایسے لوگ معاشرے میں خیر و بھلائی کے پھیلانے کا سبب بنتے ہیں، جب کہ وہ رشتے جو بڑے خاندان، مالداری یا دنیوی اثر و رسوخ کی بنیاد پر طے ہوتے ہیں ان کا انجام علاحدگی اور رسوائی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، پھر خود سرکارِ دو عالم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اسوہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ ان کی اکثر شادیاں خاندان سے باہر ہوئیں اور امتِ مسلمہ کے مختلف خاندان و قبیلے ان رشتوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے قریب ہوئے، اس لیے یہ تصور کہ خوشحال لوگوں کے لیے اونچے خاندان ہی میں نکاح صحیح ہے، درست نہیں، ہاں اگر کوئی اپنے خاندان ہی میں نکاح کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ صرف اپنے خاندان کو اونچا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا، غیر اسلامی عمل ہے۔

وٹہ سٹہ کی شادی

سوال: وٹہ سٹہ کی شادی اسلام میں جائز ہے کہ نہیں؟

(شیخ عبدالقدیر، بنی سعد)

جواب: اگر آپس میں حرمتِ نکاح کا رشتہ نہ ہو تو اس طرح شادی کرنا جائز ہے،

---

(۱) مسلم عن أبي هريرة باب استحباب نكاح ذات الدين ، كتاب النكاح ، بخاري باب الاكفاء في الدين ، كتاب النكاح

دوسری اہم شرط یہ ہے کہ دونوں طرف سے مہر مستقل ہو، اسی رشتہ کو آپس میں ایک دوسرے کے لیے مہر نہ قرار دیا جائے، اگر ایسا کیا جائے تو نکاح ہو جائے گا، لیکن دونوں عورتوں کے لیے ان کے شوہروں پر مہر مثل واجب ہوگا، لیکن اس جائز نکاح سے آج کل جو معاشرتی نقصان اور مرض پھیل رہا ہے، اس کے تدارک کے لیے اس طرح کے رشتوں سے گریز بہتر ہے۔

لے پالک سے شادی

سوال: میرے ماموں کی کوئی اولاد نہ تھی، انہوں نے محلے کی ایک غریب بچی کو گود لیا اور اسے پالا، اب اس بچی کی عمر ۱۶ سال ہے، جب کہ ماموں جان ۵۵ / سال سے بھی اوپر کے ہیں اور اب ماموں جان اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: شرعاً یہ نکاح جائز ہے اور اس نکاح میں کوئی شرعی ممانعت موجود نہیں، کیوں کہ اسلام میں کسی کو لے پالک بنانے سے وہ حقیقی اولاد کے درجہ میں نہیں ہو جاتا، حضور ﷺ نے زید بن حارث کو متبنیٰ بنایا تھا، پھر آپ ﷺ نے ان کی مطلقہ بیوی سے اللہ کے حکم سے نکاح کر لیا تھا، (۱) حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اسے برا سمجھتے تھے۔ البتہ زوجین کی عمر میں توازن ہو، تو ذہنی ہم آہنگی کے نقطۂ نظر سے یہ بات بہت بہتر ہے۔

شیعہ مرد سے نکاح

سوال: میرے شوہر شیعہ ہیں اور وہ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ ان کے مسلک کے مطابق نماز پڑھوں اور وہ مجھے یہ بھی کہتے ہیں کہ شیعہ مسلک قبول کرلو؛ میں کیا کروں؟

جواب: آپ کے شیعہ شوہر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آپ کو شیعہ مسلک قبول کرنے پر مجبور کرے، علماء و فقہاء نے شیعہ مرد اور سنی عورت کے نکاح کے بارے

---

(۱) احزاب: ۵

میں بھی کتبِ فقہ میں یہ تصریح کر دی ہے کہ اگر شیعہ قرآن میں تحریف کا قائل ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھتا ہے، امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہے، تو ایسا شخص کافر ہے اور اس سے نکاح جائز نہیں، وہ شیعہ جو کافرانہ عقائد نہ رکھتے ہوں، صرف تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ (یعنی صحابہ کرام میں سیدنا علیؓ کے سب سے افضل ہونے) کے قائل ہوں اور ان کے باقی عقائد اہل سنت والجماعت کی طرح ہوں تو ایسے شیعہ سے نکاح جائز ہے، لیکن پھر بھی علماء نے ایسے نکاح سے منع کیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ رقمطراز ہیں: "إن الرافضي إن كان ممن يعتقد الالوهية في علي أوان جبرئيل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفتة القواطع المعلومة. (۱)

قرآن سے شادی

سوال: عمرہ سے واپسی پر مسقط میں اردو نیوز کا ایک شمارہ نظر سے گزرا، جس میں ایک مسئلہ بعنوان "قرآن سے شادی غیر اسلامی ہے" اس کا مطلب میرے لیے واضح نہیں ہو سکا، امید ہے کہ اس کی وضاحت فرمائیں گے اور اسلام میں اس کی حیثیت پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

(محمد وحید الدین، مسقط)

جواب: اسلام نے انسانوں کے طبقات میں عدل واعتدال قائم کر کے ہر رشتہ دار اور ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کے لیے حقوق و مراتب مقرر کیے، انسانی اور خاندانی رشتوں میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ان سب کے لیے مستقل حقوق مقرر کیے گئے، جو قرآن و سنت میں موجود ہیں، اگرچہ عموماً شرعی عدالتوں میں تمام رشتے داروں کے حقوق، حصے اور فیصلے اسی دینی نظام کے تحت ہوتے ہیں، لیکن بعض ملکوں میں انسانی شیطانوں نے دین کو کھیل اور مذاق سمجھا، اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسولِ کریم ﷺ کے

---

(۱) ردّالمحتار: ۳۸۹/۲

ناکافی سمجھا اور دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالے۔ انہی جرائم میں ایک بڑا جرم یہ ہے کہ پاکستان کے بعض علاقوں میں جب بیٹی کو یا بہن کو جائداد سے محروم کرنا چاہا تو اسے عیسائیت کی راہبہ کی طرح ایک دینی عورت اس طرح بنایا کہ اسے ساری زندگی کنواری رکھا، اس کنوارے پن کے لیے شیطان نے انہیں جو راستہ دکھایا وہ یہ تھا کہ اس بچی کی قرآن سے شادی کردی جائے، اس کا معنی یہ ہوگا کہ اب کوئی بھی شخص اس کے قریب نہ آسکے گا، کوئی مرد اس سے نکاح نہ کرسکے گا اور نہ ہی اس کا اپنے والد، بھائی کی جائداد میں کوئی حصہ ہوگا، یہ تارک الدنیا عورت بنی رہے گی بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو شوہر کے والدین اور بہن بھائیوں نے جائداد ہڑپ کرنے کی خاطر اس عورت کی قرآن سے شادی کہہ کر مشہور کردیا۔

اس طرح بعض دوسرے پاکستانی علاقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ والد کے مرنے کے بعد بیٹی کا اپنے والد کی جائداد اور وراثت میں کچھ حصہ نہیں، حالانکہ اسلام نے بیٹوں کے ساتھ ساتھ بیٹیوں کا بھی حصہ مقرر کیا ہے، یہ تمام حربے اس لیے استعمال کیے جاتے ہیں، تاکہ بیٹی کو اور عورت کو اس کے جائز حقوق نہ ملیں، حالانکہ یہ ظلم عظیم اور گناہِ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی ہوئی اور نافذ کی ہوئی کسی بات کا انکار کرنا اور اسے تبدیل کرنا اگر کفر نہیں ہے تو پھر کفر کسے کہتے ہیں؟

حرمتِ رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال: دادی اپنے دونوں بیٹوں کی اولاد کو دودھ پلاتی رہی، جب لڑکا اور لڑکی جوان ہوئے تو ان کی آپس میں شادی کا پروگرام ہوا، کسی نے بتایا کہ یہ نکاح جائز نہیں، کیوں کہ ان دونوں نے دادی کا دودھ پیا ہے، جب دادی سے معلومات کی گئیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میری چھاتی میں دودھ نہیں تھا، صرف بچوں کو بہلانے کے لیے انہیں چھاتی لگادیتی تھی، اب ان بچوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

(شاہد علی شاہ، بریدہ)

جواب : اگر دادی کی چھاتی میں دودھ حقیقتاً نہ رہا ہو اور یہ بات وہ خود کہتی ہو تو پھر بچوں کو چھاتی سے لگانے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی، یہی بات علامہ حصکفی نے لکھی ہے: امرأة كانت تعطي ثديها صبية و اشتهرت ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين ألقمتها ثديي و لم يعلم ذلك الا من جهتها جاز(۱) لیکن دودھ کے پائے جانے کا امکان یا قرینہ ہو تو پھر دادی کی بات نہیں مانی جائیگی، نیز "شبہِ حرمت" سے بچنے کے لیے احتیاط کا بھی تقاضا یہ ہے کہ اب آپس میں ان کی شادی نہ کی جائے، بلکہ دوسری جگہ اور دوسرا رشتہ تلاش کیا جائے جہاں حرمت کا شبہ بھی نہ ہو۔

بیٹے کی رضاعی بہن سے شادی

سوال : کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کی رضاعی بھائی کی کسی بہن (چھوٹی یا بڑی) یا ماں سے شرعاً شادی کر سکتا ہے؟

(محمد فیاض الدین، جدہ)

جواب : بیٹے کے کسی عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے صرف بیٹے سے حرمت کے احکام وابستہ ہوں گے، نہ کہ بیٹے کے باپ سے، لہٰذا اس باپ اور بیٹے کی رضاعی ماں یا بہن کے درمیان کوئی نسبی یا رضاعی رشتہ نہ ہو تو شرعاً یہ نکاح درست ہے،(۲) بیٹے کے دودھ پینے کی وجہ سے اس کی رضاعی ماں یا بہن سے باپ کے لیے نکاح حرام نہیں ہوتا۔

سگی بہن کی رضاعی بہن سے شادی

سوال : چھوٹی بہن کی رضاعی ماں کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(محمد بشیر، مدینہ منورہ)

جواب : جائز ہے (۳) کیونکہ حرمتِ رضاعت اسی کے حق میں ہوگی جس نے کسی خاتون کا دودھ پیا، مثال کے طور پر زید نے اگر زینت کا دودھ پیا تو زید کے حق میں زینب رضاعی

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/ ۴۰۵ (۲) ويجوز تزوج اخت ابنه من الرضاع ، هداية: ۲/ ۲۳۱ ،ط: رشيديه دهلی(۳) و يجوز أن يتزوج الرجل بأخت أخيه من الرضاع ، هدايه : ۲/ ۲۳۱ ط : دهلی

ماں ہوگی اور اس کی اولاد رضاعی بہن بھائی، لہٰذا زید کے اور ان کے درمیان رشتۂ نکاح شرعاً درست نہیں، لیکن زید کے دوسرے حقیقی بھائی بہنوں کا زینب سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اگر انہوں نے دودھ نہ پیا ہو، لہٰذا زینب کی اولاد اور زید کے بہن بھائیوں میں (زید کے زینب کا دودھ پینے کی وجہ سے) حرمتِ رضاعت نہیں پائی جائے گی اور ان کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے، بشرطیکہ کوئی اور سببِ حرمتِ نکاح نہ پایا جائے۔

رضاعی بہن سے شادی

سوال: ایک بچے کی ماں دودھ نہ آنے کی وجہ سے وہ اپنے ایک رشتہ دار خاتون سے دودھ پلانے کی خواہش ظاہر کرتی ہیں اور دو سال تک دودھ پلانے کے بعد اب جب لڑکا بڑا ہوا تو اپنی لڑکی سے شادی پر اصرار کرتی ہے، نیز یہ بیان دیتی ہے کہ مجھے یاد نہیں میں نے کب اسے دودھ پلایا تھا، دیکھنے سننے والے سب جھوٹے ہیں؛ کیا اس عورت کے دودھ پلانے کے انکار پر اس کی لڑکی سے شادی ہو سکتی ہے؟

(کے بیگم عزیز، ابہاء)

جواب: شرعاً یہ رشتہ کسی صورت میں نہیں ہو سکتا، جب دو یا دو سے زیادہ گواہ موجود ہوں تو دودھ پلانے والی عورت (رضاعی ماں) کے دودھ پلانے سے انکار کی کوئی حیثیت نہیں (۱) نیز حلت و حرمت میں اگر شبہ ہو جائے تو شریعت کا اصول یہ ہے کہ حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے (۲) اور یہی احتیاط کا تقاضہ بھی ہے، اسلام میں اگرچہ کسی چیز کے ثبوت کے لیے دو مرد یا اور دو عورتیں گواہ ہونا ضروری ہے، لیکن جب رسولِ کریم ﷺ کے زمانے میں ایک صحابیؓ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی بیوی ان کی رضاعی بہن ہے، تو اگرچہ اس معاملہ میں شرعی گواہی مکمل نہ تھی، تب بھی شبہ حرمت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس رشتہ کی بقاء پر ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار

---

(۱) إنما يثبت بشهادة رجلين أو رجل و امرأتين (هدايه: ۲/۳۳۴ ط: دهلى) (۲) إذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام (القواعد الفقهية ۲۷۲) (۳) بخارى عن عقبة بن حارث باب الرحلة فى المسألة النازلة و تعليمهم أهله

حرمت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس رشتہ کی بقاء پر ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، چنانچہ ان صحابیؓ نے اپنی بیوی سے علاحدگی اختیار کرلی۔(۱)

رضاعی بھتیجی سے شادی

سوال: میں اپنی خالہ سے ایک سال چھوٹا ہوں اور میری خالہ اپنے سب بہن بھائیوں سے چھوٹی ہے، میری والدہ نے کئی بار مجھ سے کہا کہ جب تم روتے تھے تو نانی صاحبہ کی چھاتی منہ میں ڈال کر سو جاتے تھے، یہ معلوم نہیں کہ ان کی چھاتی میں دودھ تھا بھی یا نہیں، دس سال قبل بڑے ماموں کی لڑکی سے میری شادی ہوئی، اولاد بھی ہوئی اور ہم بہت خوش رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ شادی جائز یا ناجائز اور اگر ناجائز ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ (سلطان محمود، جیزان)

جواب: دودھ پلانے کے سلسلہ میں عام طور پر بہت سی عورتیں جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے کوتاہی برتتی ہیں، کسی کا بچہ ہو، رورہا ہو، ماں موجود نہ ہو، تو چپ کرنے کے لیے چھاتی منہ میں رکھ دیتی ہیں، کسی لڑکے کو دودھ پلانے میں احتیاط برتنی چاہیے، تاکہ آئندہ شادی بیاہ کے معاملات میں اس کی وجہ سے رکاوٹ پیدا نہ ہو، سورۂ نساء آیت نمبر: ۲۳ میں صراحت ہے کہ کچھ رشتے ایسے ہیں جن سے دودھ کے رشتہ کی وجہ سے شادی کرنا حرام ہو جاتا ہے، بخاری و مسلم کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دودھ پلانے (رضاعت) کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں (۲) یعنی دودھ پلانے والی عورت اس لڑکے کے لیے رضاعی ماں ہوگی اور اس کی اولاد اس کی رضاعی بھائی بہن، جس طرح حقیقی ماں کی اولاد یعنی سگے بھائی بہن اور ان کی اولاد یعنی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے شادی جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھائی بہن اور ان کی اولاد سے بھی شادی جائز نہیں، اس لیے کہ آپ

---

(۱) ابو داد عن عائشة باب ما يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲٦٤٥، مسلم، حدیث نمبر: ١٤٤٥

کا ارشاد ہے: "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب." (رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔)(۱)

مدتِ رضاعت امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ڈھائی سال اور صاحبین کے قول کے مطابق دو سال ہے (جو مفتی بہ بھی ہے) اس مدت کے اندر کسی لڑکے کے پیٹ میں کسی عورت کا دودھ داخل ہونے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، چاہے چھاتی سے براہِ راست پلایا جائے یا کسی برتن میں نکال کر، درّ مختار میں ہے: و یثبت التحریم فی المدة فقط. (۲) کہ حرمت صرف مدت رضاعت ہی میں ثابت ہوتی ہے، ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: وألحق بالمص الوجور والسعوط. یعنی جو حکم چوسنے کا ہے، وہی حکم حلق میں دودھ ڈالنے یا ناک سے چڑھانے کا ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ دودھ پیٹ میں داخل ہو، اگر کسی عورت کو کم عمری، بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے دودھ نہ آتا ہو تو صرف اس کی چھاتی کو منہ میں رکھ لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اگر آپ کی نانی صاحبہ کی چھاتی میں اس وقت دودھ رہا ہو تو اس رشتہ سے آپ کی بیوی بھتیجی ہوئی، جس سے شادی جائز نہیں، آپ کو ان سے جدائی اختیار کرنا ضروری ہے، اگر آپ کی خالہ جو آپ سے صرف ایک سال بڑی ہیں، اگر انہوں نے اپنی ماں (یعنی آپ کی نانی صاحبہ) کا دودھ پیا ہو تو بظاہر یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے پیٹ میں بھی نانی صاحبہ کا دودھ گیا ہو، بہر حال آپ اس کی تحقیق کریں، اگر نانی صاحبہ کی چھاتی میں دودھ کا نہ ہونا ثابت ہو جائے تو کوئی مسئلہ نہیں، لیکن اگر اس کا شبہ موجود ہو تو حرمت سے بچنے کے لیے احتیاط پر عمل ہی بہتر ہے، مزید اطمینان کے لیے دیگر اہل علم سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانا

سوال: اگر کوئی بچہ تین یا چار سال کی عمر میں کسی عوت کا دودھ پی لے

(۱) ابو داد عن عائشة باب ما یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب

(۲) درّ مختار: ۲/۴۰۴ ط: بیروت

توکیا وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جائے گی؟

(سلیم جاوید، جدہ)

جواب: رضاعت یعنی دودھ پلانے اور پینے کی مدت دو سال ہے، اس کے بعد اگرچہ دودھ پلانا اور پینا صحیح نہیں، لیکن اگر کوئی بچہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد اگر کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے بالاتفاق حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور وہ عورت اس کی ماں نہیں ہوتی۔(۱)

رضاعی اور پھوپھی زاد بہن سے شادی

سوال: کچھ عرصہ قبل میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اب میں جس جگہ شادی کرنا چاہتا ہوں، وہ میری پھوپھی کی لڑکی ہے اور میں نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے؛ کیا میرے لیے اس بہن کی شادی کرنا جائز ہے؟ (محمد الیاس، جدہ)

جواب: پھوپھی زاد بہن سے شادی اگرچہ جائز ہے، لیکن چوں کہ آپ نے بچپن میں اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے، اس لیے وہ آپ کے حق میں رضاعی ماں اور ان کی لڑکی رضاعی بہن ہے، اس بنا پر آپ کے لیے یہ رشتہ جائز نہیں، آپ کوئی اور جائز رشتہ تلاش کریں۔

اہل کتاب سے نکاح

سوال: جمعہ ۳/ نومبر کے اخبار میں محرماتِ نکاح کے ضمن میں آپ نے تحریر فرمایا کہ کسی بھی مسلمان مرد کے لیے غیر مسلم کافر و مشرک عورتوں سے نکاح جائز نہیں، جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کر لے اس سلسلے میں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا کھا سکتے اور ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں، حالانکہ اہل کتاب قومیں بھی غیر مسلم ہیں؛ تو کیا اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز نہیں؟

(شوکت سیال، جدہ)

---

(۱) ابو داود عن عائشۃ باب ما یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب

جواب: غیر مسلم کے ساتھ "کافر و مشرک" کی صراحت ہم نے اسی لیے کی تھی کہ اہل کتاب سے نکاح کے متعلق شبہ پیدا نہ ہو، بہر حال اہل کتاب کے علاوہ تمام غیر مسلم اقوام جن کو ہم اصطلاح میں کافر و مشرک کہہ سکتے ہیں اور کہا بھی جاتا ہے، ان سے ازدواجی زندگی کسی صورت میں جائز نہیں، جب تک کہ وہ ایمان قبول نہ کرلے، ان کی لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لینا جائز ہے اور نہ ہی اپنی لڑکیوں کو ان کے نکاح میں دینا جائز، سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱ میں ارشادِ باری ہے: "مشرکہ عورت سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور مشرک مردوں کا (اپنی لڑکیوں) سے نکاح نہ کراؤ جب تک کہ وہ ایمان قبول نہ کریں۔"

اہل کتاب بھی یقیناً غیر مسلم ہی ہیں، لیکن ان کا حکم عام مشرکوں سے مختلف ہے، قرآن پاک میں صراحتاً مذکور ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال اور ان کی پاکدامن عورتوں سے نکاح جائز ہے۔(۱) واضح رہے کہ اہل کتاب مرد سے مسلمان لڑکی کا نکاح جائز نہیں۔

اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں تورات وانجیل اور زبور وغیرہ میں سے کسی کتاب پر ایمان رکھتے اور اسے منزل من اللہ سمجھتے ہوں، ایسی اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے، اصولی طور پر اس میں کسی کا اختلاف نہیں، ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض صحابہؓ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کیا، سیدنا عثمانؓ نے "نائلہ" نامی عیسائی خاتون سے نکاح کیا، جو بعد میں مسلمان ہو گئیں اور سیدنا ابو طلحہؓ نے شام کی ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تھا۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہونے کے باوجود ان سے نکاح کرنا بہر حال بہتر اور پسندیدہ نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت عراق کے گورنر تھے، ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تو سیدنا عمرؓ نے انہیں خط لکھ کر طلاق دینے کا حکم فرمایا

اسی طرح بعض اور صحابہؓ سے بھی اس سلسلے میں ممانعت منقول ہے۔ کراہت و ناپسندیدگی کی وجہ یہی ہے کہ بچوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے، بچوں کی ذہنی

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۵

نشو ونما اور ان کی تربیت میں ماں کا جو کردار ہوتا ہے، وہ محتاجِ اظہار نہیں، نیز عورتیں مردوں کی فکر و نظر پر بھی اثرانداز ہوتی ہیں اور معاشرے کی اصلاح و فساد میں بھی ان کا اہم کردار ہوتا ہے اور نکاح کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے ایک اچھے خاندان اور صالح معاشرے کا وجود ہو۔

یہ تو حکم ان عورتوں کا ہے جو واقعی اہل کتاب ہوں کہ ان سے نکاح کرنا جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ، پھر بعض فقہاء نے اسے مطلقاً مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے (۱) اور بعض نے یہ فرق کیا کہ اگر کتابیہ عورت دار الکفر کی ہو تو مکروہِ تحریمی ہے اور اگر دار الاسلام میں ہو تو مکروہِ تنزیہی (۲) لیکن آج کل کے اکثر اہل کتاب کی طرح اگر کوئی عورت صرف نام کی یہودی یا عیسائی ہو، حقیقتاً وہ ملحد و دہریہ ہو تو پھر اس سے نکاح جائز نہیں اور وہ قرآن کی اصطلاح میں ''اہل کتاب'' نہیں ہوگی۔ (۳)

عیسائی لڑکی سے شادی

سوال : میں شادی شدہ اور بچوں والا ہوں، یہاں میری دکان پر ایک لڑکی اکثر و بیشتر آکر شاپنگ کرتی ہے، مجھے لگتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، وہ لڑکی عیسائی ہے، اگر وہ اسلام قبول کرلے تو کیا میں اس سے شادی کرسکتا ہوں؟

جواب : کسی بھی لڑکی کو صرف چند بار دیکھ کر کسی حتمی نتیجہ پر پہنچنا جلد بازی ہے، خصوصاً ایسے مرد کے لیے جو شادی شدہ ہو اور بچوں والا ہو۔ آج اس لڑکی کو دیکھ کر آپ اسے مسلمان بنانے اور اس سے شادی کرنے کے شوقین ہیں، کل کوئی اور لڑکی دیکھ لی اور وہ پسند آگئی تو آپ اسے بھی اپنی شریکِ حیات بنانا چاہیں گے، یہ سلسلہ اس طرح دراز ہوتا رہا تو شاید آپ کسی کے بھی نہ رہیں، آپ کے لیے یہی مشورہ ہے کہ آپ اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنی ازدواجی زندگی کے ٹھہراؤ میں

---

(۱) فتح القدير : ۳/۱۳۵ (۲) و تكره الكتابية الحربية اجماعا لانفتاح باب الفتنة ، فتح القدير : ۳/۱۳۵ (۳) فوائد عثمانی سورۃ مائدۃ : ۵

کنکر نہ پھینکیں، قصے کہانیوں، ڈراموں، فلموں اور حقیقی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

نصرانی لڑکی سے شادی

سوال: کیا ایک مسلمان لڑکا کسی نصرانی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے؟

(محمد نواز ناصح، جدہ)

جواب: اہل کتاب عورتوں سے اصولی طور پر نکاح کرنا جائز ہے (۱) لیکن ہمارے زمانہ میں اہل کتاب خواتین اور ان کے معاشرہ میں جو اباحیت اور انارکی پھیلی ہوئی ہے، یہ محتاجِ اظہار نہیں، اسی لیے ان حالات میں صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ عیسائی اور یہودی خواتین جو اللہ اور رسالت پر یقین رکھتی ہوں اور دہریہ نہ ہوں، ان سے نکاح جائز ہے، لیکن کراہت سے خالی نہیں اور بقولِ شامی مسلم ممالک میں ہو تو مکروہِ تنزیہی اور غیر مسلم ملکوں میں ہو تو قریب بہ حرام ہے۔ وہ عورتیں جو نام کی عیسائی اور یہودی ہو، لیکن درحقیقت دہریہ ہوں، ان سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح وہ عورتیں جو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی یا یہودی بن گئی ہوں، ان سے نکاح جائز نہیں۔

جہیز اور مہر کا مسئلہ

سوال: صوبہ سرحدِ پاکستان اور یہاں سعودی عرب میں لڑکی والے نکاح سے قبل، بوقتِ نکاح یا بعد از نکاح لڑکے والوں سے ایک اچھی خاصی رقم طلب کرتے ہیں، کیا یہ رقم لینا جائز ہے، برِ صغیر کے اکثر علاقوں میں لڑکے کی طرف سے لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(نوید ملک، جدہ)

جواب: اسلام نے عقدِ نکاح کو نہایت ہی آسان بنایا ہے، بلکہ ایسے نکاح کو بہتر اور

---

(۱) مائدہ: ۵

بابرکت قرار دیا ہے جو آسانی سے انجام پاجائے اور جس میں نام ونمود کے لیے زیادہ اخراجات برداشت کرکے فریقین میں سے کسی کو مشقت میں نہ ڈالا جائے، نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ’’سب سے زیادہ بابرکت اور بہتر نکاح وہ ہے، جو سب سے زیادہ آسان اور کم خرچ والا ہو۔‘‘(۱) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ’’سب سے بہتر نکاح وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔‘‘(۲)

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حیثیت حقیر ساز وسامان سے زیادہ کچھ نہ تھی، کہیں تو وہ پیدائش کے بعد ہی زندہ درگور کردی جاتی اور کسی کو اگر اس سے نجات ملتی تو وہ طرح طرح کے مظالم سہتی، شوہر کے مرنے کے بعد مال وجائداد کی طرح اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی، وہ چاہتے تو خود اپنی بیوی بنا کر رکھتے، یا دوسرے شخص کو بیچ دیتے، اس کے علاوہ بھی عورت پر ظلم وزیادتی کی مختلف شکلیں تھیں، معاشرہ میں اس کا کوئی مقام نہ تھا۔ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے عورت کو عزت وشرافت عطا کی، اس پر ڈھائے جانے والے مظالم کو دور کیا اور اس کے ساتھ یہ برابری کی کہ انسان ہونے کی حیثیت سے مرد ہی کی طرح اسے انسانی شرافت اور عزت کا مستحق قرار دیا، عورت کے اسی عزت واحترام اور تکریم کے پیشِ نظر اسلام نے اسے مرد کی طرح وارث قرار دیا کہ کسی کے انتقال کے بعد اب وہ مالِ متروکہ کی طرح تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ مردوں کی طرح اسے بھی وراثت ملے گی؛ اسی طرح عورتوں کا مقام ومرتبہ بلند کرنے اور ان کی شرافت وکرامت کو ظاہر کرنے ہی کے لیے اسلام نے مردوں پر ضروری قرار دیا کہ وہ عورت سے نکاح کرتے وقت مہر ادا کریں اور اسے خوش دلی سے دیں۔ (۳) نیز نکاح کے بعد اس کی رہائش، نان نفقہ اور علاج ومعالجہ وغیرہ کی ساری ذمہ داری مرد پر رکھی گئی نہ کہ عورت پر، اسی طرح نکاح کے موقع پر اسلام نے عورت یا اس کے ولی وسرپرست پر مالی بوجھ نہیں ڈالا کہ اس کے لیے نکاح کرانا ہی مشکل ہو جائے۔

---

(۱) مسند احمد: ۶ / ۸۲۱ (۲) ابوداؤد باب فیمن تزوج و لم یسم صداقا (۳) سورۃ النساء: ٤

اس میں شک نہیں کہ شادی کے موقع پر باپ اپنی بیٹی اور داماد کو اپنی استطاعت کے مطابق ضروریاتِ زندگی کی چیزیں دے سکتا ہے، جیسا کہ خود رسولِ کریم ﷺ نے جب اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیا تو اس موقع پر آپ ﷺ نے جہیز میں ایک چارپائی، بستر چادر، دو چکیاں اور ایک مشک عنایت فرمایا۔(۱) لیکن جہیز کے عنوان سے ہمارے موجودہ معاشرے میں جو لین دین کا رواج ہے اور لڑکے والوں کی طرف سے جہیز میں جو قیمتی اشیاء کا مطالبہ کیا جاتا ہے، وہ کسی طرح درست نہیں اور شرعاً اس کا کوئی جواز نہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم ﷺ سے ان چیزوں کا مطالبہ نہیں کیا تھا کہ اس موقع پر لڑکی والوں سے مانگنے یا مطالبہ کرنے کا کوئی جواز نکلے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے موقع پر رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے انہیں جہیز میں اس طرح کی چیزیں دینے کا کوئی ذکر ہمیں روایات میں نہیں ملتا، اگر ایسا ہوتا تو شاید شادی میں جہیز کی کسی شرعی حیثیت کا تسلیم کیا جانا ممکن تھا، جہاں تک "جہیز فاطمی" کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح سیدہ فاطمہؓ کے والد ہونے کی حیثیت سے سرپرست تھے، اسی طرح آپ ﷺ سیدنا علیؓ کے بھی سرپرست اور مربی تھے، کیوں کہ وہ رشتہ میں آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، جو ابو طالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ اور گویا آپؐ ہی کی پرورش و کفالت میں رہنے لگے، اسی طرح دونوں طرف سے رسول اللہ ﷺ نے سرپرست ہونے کی حیثیت سے مناسب سمجھا کہ شادی کے موقع پر الگ گھر بسانے کے لیے ضرورت کی چیزیں فراہم کردی جائیں اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے علیؓ کی زرہ فروخت کرکے یہ سارا انتظام فرمایا تھا۔(۲)

شادی میں قیمتی جہیز دینے یا اس کا مطالبہ کرنے کا کوئی ثبوت ہمیں نہ عہدِ نبوی ﷺ میں ملتا ہے اور نہ عہدِ صحابہ میں، بلکہ بعد کے دور تک بھی اس کا کوئی رواج نہیں

---

(۱) سیرت النبی از علامہ شبلی نعمانیؒ ۲/۲۷۵ ط: پاکستان (۲) ملاحظہ ہو: حلال و حرام: ۲۷۶

تھا، یہ چیز ہمارے معاشرے میں ہندوؤں سے اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوئی، جو آہستہ آہستہ معاشرے کے لیے ایک فتنہ بن گئی، اس لیے اس سے سخت پرہیز کی ضرورت ہے۔

جہیز کے نام پر ہمارے معاشرے میں جو لین دین کا رواج ہے اور لڑکے والوں کی طرف سے جن قیمتی چیزوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کوئی جواز نہیں۔

جو مرد حضرات بھی شادی کے موقع پر لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں، انہیں جاننا چاہیے کہ وہ ایک طرف معاشرے میں لڑکیوں کے نکاح کو مشکل اور دشوار بنا کر بدترین جرم اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، تو دوسری طرف "بے ضرورت سوال اور مطالبہ" کے ذریعے وہ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہونے کو ترجیح دے رہے ہیں، اس لیے کہ کتبِ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی موجود ہے کہ جو شخص بغیر کسی شدید ضرورت کے کسی سے کچھ مانگتا ہے اور سوال کرتا ہے، تو قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر گداگری کی وجہ سے نشانات اور دھبے ہوں گے، آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا بوجھ پیٹھ پر لادے اور اسے بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔(۱)

ایک دفعہ ایک انصاریؓ آئے اور کچھ سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ نہیں؟ بولے کہ ایک بستر ہے، جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں اور کچھ بچھالیتا ہوں اور ایک پانی کا پیالہ ہے، آپ ﷺ نے دونوں چیزیں منگوائیں، پھر فرمایا: یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے ایک درہم قیمت لگائی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگائے گا؟ ایک دوسرے صاحب نے دو درہم کر دی، آپ ﷺ نے وہ چیزیں انہیں دے دی اور درہم انصاری کو دے کر فرمایا کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر دے آؤ اور دوسرے سے رسی و کلہاڑی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں بیچو، پندرہ دن کے بعد وہ خدمتِ اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے

---

(۱) ابو داؤد عن أبی هريرة باب النهی عن المسئلة كتاب الزكوة

پاس جمع ہو گئے تھے، جس سے انہوں نے کچھ کپڑا اور غلہ خریدا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "یہ اچھا ہے اس سے کہ قیامت میں چہرہ پر گداگری کا داغ لگا کر جاتے" (۱) ایک موقع پر رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے یعنی عطا کرنا مانگنے سے بہتر ہے (۲)

ایک دفعہ قبیصہ نام کے ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، وہ مقروض ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی حاجت رسول اللہ ﷺ سے بیان کی، آپ ﷺ نے وعدہ کیا، پھر ارشاد فرمایا: "اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے، ایک اس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے، لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے، دوسرے اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی ہے جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کر دیا، اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے، جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے، تیسرے اس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلّہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کا فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے، تو وہ حرام کھاتا ہے۔" (۳)

اس طرح بے ضرورت مانگنے اور سوال کرنے کی مذمت میں رسولِ کریم ﷺ کے اور بھی ارشاد کتبِ حدیث میں مذکور ہیں۔ شادی کے موقع پر لڑکے کی طرف سے مختلف قیمتی سامان اور چیزوں کا مطالبہ جو اگرچہ "جہیز" کے شائستہ عنوان سے ہوا کرتا ہے، حقیقت میں بلا ضرورت سوال اور گداگری ہی کی ایک شکل ہے، جو کسی طرح جائز نہیں۔

جس طرح لڑکوں کے لیے جہیز کا مطالبہ جائز نہیں، اسی طرح لڑکی یا لڑکی والوں کے لیے شادی بیاہ کے موقع پر مہر کے علاوہ کسی اور رقم کا مطالبہ جائز نہیں،

---

(۱) ابوداؤد عن أنس باب ما تجوز فيه المسألة (۲) مسلم عن أبي هريرة باب النهي المسئلة
(۳) ابوداؤد عن قبيصة بن مخارق الهلالي باب ماتجوز فيها المسألة كتاب الزكوة

جہاں کہیں بھی اس کا رواج ہے، یہ غلط اور غیر شرعی ہے، ہاں مہر یقیناً عورت کا شرعی حق ہے، جس کا وہ شادی کے موقع پر یا اس کے بعد شوہر سے مطالبہ کر سکتی ہے، لیکن مہر کے تعین میں بھی یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ وہ شوہر کی استطاعت کے مطابق ہو، یعنی وہ جسے بآسانی ادا کر سکے، مہر کی وجہ سے مشقت میں نہ پڑ جائے، جیسا کہ اوپر ہم نے ایک حدیث ذکر کی کہ سب سے بہتر نکاح وہ ہے، جس کا مہر سب سے آسان ہو۔ مسندِ احمد کی ایک روایت جسے امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے: "بلاشبہ یہ بات عورت کی سعادت و نیک بختی میں شامل ہے کہ اس کا پیغامِ نکاح اور اس کا مہر آسان ہو۔" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: "عورت کی سعادت یہ ہے کہ اس کا مہر ہلکا ہو، اس کا نکاح آسان ہو اور اس کے اخلاق اچھے ہوں اور عورت کی بد بختی یہ ہے کہ اس کا مہر زیادہ ہو، اس کا نکاح دشوار ہو اور اس کے اخلاق برے ہوں۔"(١)

اسلام نے اگرچہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے فریقین پر چھوڑا کہ وہ آپس میں باہمی رضامندی سے جتنا مناسب سمجھیں مہر مقرر کر لیں، لہٰذا مہر کی مقدار زیادہ ہو تو بھی شرعاً درست ہے، لیکن اس کے باوجود روایات واحادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مہر کی زیادتی مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے، اگر ایسی بات ہوتی تو خود رسولِ کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر زیادہ ہوتا، حالانکہ بالعموم ازواجِ مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (پانچ سو درہم) سے زیادہ نہ ہوا کرتا تھا، اور بناتِ رسول کا مہر بھی اس سے زیادہ نہ تھا، روایات میں اس سے بہت ہی کم مہر پر نکاح کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تھے، تو آپ نے سخت تنبیہ فرمائی اور منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ لوگو! مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، اگر یہ چیز دنیا میں باعثِ عزت و افتخار ہوتی یا آخرت میں اللہ کے

---

(١) الفتح الربانی ١٦/١٦٩ ابواب الصداق

یہاں تقویٰ اور ثواب کی بات ہوتی، تو نبی کریم ﷺ اس کو سب سے پہلے اختیار فرماتے اور آپ ﷺ سب سے زیادہ اس بات کے مستحق تھے، آپ ﷺ نے اپنی ازواج میں کسی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر کیا اور نہ ہی اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا۔(۱)

ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تمہارے پاس (پیغامِ نکاح لے کر) ایسا شخص آئے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فسادِ عظیم برپا ہوگا۔(۲)'' معلوم ہوا کہ: داماد کے انتخاب میں جو چیزیں ہیں ملحوظ رکھنی چاہیے، وہ دینداری اور اخلاق ہیں، نہ کہ مال و دولت اور جاہ و منصب، یہ تو ثانوی چیز ہے، ازدواجی زندگی کی سعادت و خوشگواری میں اس کو خاص دخل نہیں، اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کا ذکر ضرور فرماتے۔

خلاصہ یہ کہ جہیز کے لین دین کی رسم جہاں کہیں بھی ہو، لڑکی یا اس کے سرپرست کی طرف سے مہر میں خطیر رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہو، یا مہر کے علاوہ دوسرے کسی عنوان سے بھی رقم کا مطالبہ کر کے لڑکے پر مالی بوجھ ڈالا جاتا ہو، یہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسا کرنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں رکاوٹ بن کر معاشرے میں فساد کے پھیلنے کا سبب بنتے ہیں، جس کا انجام یقیناً دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اچھا نہیں ہوگا۔

مہر کی ادائیگی

سوال: ہمارے ایک عزیز دوست کی شادی حال ہی میں ہوئی ہے، جس میں ۴۵ ہزار روپے مہر طے پایا، جو وہ ادا کرنے کی قوت نہیں رکھتے، بہر حال مہر کی ادائیگی سے پہلے انہوں نے بیوی سے صحبت کی؛ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

(محمد صغیر صدیقی، ریاض)

جواب: مہر دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جو فوراً ادا کیا جائے، اس کو ''مہر معجّل'' کہتے

---

(۱) ابن ماجہ عن عمر، باب فی صداق النساء (۲) ترمذی حدیث نمبر ۱۰۸٤

ہیں، دوسرے وہ جو تاخیر سے ادا کیا جائے، اس کو "مہر مؤجل" کہتے ہیں، اگر مہر معجّل ہو، یعنی عقدِ نکاح کے وقت فوراً ادا کرنے کا وعدہ یا صراحت ہو تو ایسی صورت میں مہر کی رقم وصول ہونے تک بیوی کو صحبت سے روکنے کا حق حاصل ہے (۱)، ہاں اگر بیوی راضی ہو اور وہ اس سے انکار نہ کرے تو صحبت میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں، کیوں کہ مہر بیوی کا حق ہے۔

اگر مہر مؤجل ہو، یعنی عقدِ نکاح کے وقت فوراً ادا کرنے کی صراحت نہ ہو، بلکہ دیر سے حسبِ سہولت دیئے جانے کا وعدہ ہو تو ایسی صورت میں بیوی کو صحبت سے روکنے اور منع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ (۲)

عقدِ نکاح کے وقت اگر مہر معجّل یا مؤجل کی صراحت نہ ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا، نیز صحیح اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ مہر اتنا ہی مقرر کیا جائے جتنا کہ شوہر آسانی کے ساتھ ادا کر سکتا ہو اور پھر فوراً یا جلد سے جلد ادا کر دیا جائے، المغنی میں ہے: **و یستحب أن لا یغلی الصداق** ۔(۳) مزید آگے لکھا ہے: **لاتستحب الزیادة لأنه إذا كثر ربما تعذر عليه ف فيتعرض الضر في الدنيا و الآخرة** ۔(۴) اور اگر تاخیر سے دینا ہو تو کچھ نہ کچھ صحبت سے پہلے دیدے۔

آج کل بالخصوص برصغیر میں یہ جو عام تصور ہے کہ مہر دینا تو ہے نہیں، لہٰذا جتنا چاہے مقرر کر لو، یہ نہایت غلط اور جاہلانہ تصور ہے، شریعت میں بغیر مہر کے نکاح کا تصور ہی نہیں، اگر کوئی شخص عقدِ نکاح کے وقت ہی سے مہر نہ دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو پھر اس نکاح میں اور زنا میں کیا فرق رہ جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اللہ کے حضور زانی کی حیثیت سے پیش ہوگا (۵) اگر عقدِ

---

(۱) ہندیہ میں ہے: في كل موضع دخل بها أو صحت الخلوة و تأكد كل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستيفاء المعجل لها ذلك (هندية : ۳۱۷/۱) فإن منعت نفسها حتى تستلم صداقها و كان حالا فلها ذلك . (المغنى : ۲۰۰/۷) (۲) إذا كان المهر مؤجلا أجلا معلوما فحل الأجل ليس لها أن تمنع نفسها لتستوفي المهر (هندية : ۳۱۸/۱) (۳) المغنى : ۱۶۱/۷ (۴) المغنى : ۱۶۲/۷
(۵) مجمع الزوائد : ۲۸٤/٤ باب في من نوى أن لا يؤدي صداق امرأته

نکاح کے وقت کسی وجہ سے مہر کا تذکرہ ہی نہ ہو تب بھی احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ بیوی کو مہر ملے گا اور اتنا ملے گا جتنا کہ اس خاندان میں اس جیسی عورتوں کا مہر ہے، اگر عقدِ نکاح کے وقت مہر کی مقدار طے ہو جائے تو جو کچھ بھی مہر مقرر ہو، وہ بیوی کا حق ہے، اگر زندگی میں شوہر نہ دے سکے تو مرنے کے بعد اس کے مال میں سے وراثت تقسیم کرنے سے پہلے بیوی کا مہر دیا جائے گا، زبردستی معاف کرانے سے یہ حق معاف نہیں ہوتا، ہندیہ میں ہے: لو كانت مكرهة لم يصح. (۱) ہاں اگر بیوی خود اپنی خوشی سے برضا ورغبت معاف کردے تو اس کو اس کا اختیار ہے کہ جتنا چاہے معاف کردے۔ (۲)

مہر شوہر کے ذمہ قرض ہے

سوال: نکاح کے وقت جو مہر مقرر کیا جاتا ہے، اس کی ادائیگی کب تک ہو سکتی ہے؟ اگر دو تین سال گذر جائیں تو گناہ ہوگا؟ نیز ادائیگی کے وقت نہ تو شوہر کو یاد ہے کہ مہر کتنا مقرر ہوا تھا اور نہ بیوی کو، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب: مہر دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جس کی ادائیگی فوراً کردی جائے، یعنی نکاح کیلئے ایجاب وقبول ہی اس طرح ہوا ہو کہ اتنا مہر فوراً ادا کردیا جائے تو ایسے مہر کو "مہر معجّل" کہتے ہیں، اس کی ادائیگی فوراً ضروری ہے، ورنہ بیوی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ مہر کی ادائیگی تک اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہ کرے، ہاں چونکہ مہر بیوی کا حق ہے، اس لیے وہ "معجّل" ہونے کے باوجود وصولی میں تاخیر گوارا کر کے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے سکتی ہے، اگر وہ خود راضی ہو تو مہر معجّل کو بھی تاخیر سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

مہر کی دوسری قسم "مہر مؤجل" ہے، یعنی وہ جس کی ادائیگی تاخیر سے ہو، اس

---

(۱) هنديه : ۳۱۳/۱

(۲) جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا . (نساء : ٤)

کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے لیے ایجاب و قبول کے وقت ہی اس بات کی صراحت کر دی جائے کہ میں آئندہ حسبِ سہولت اتنا مہر ادا کروں گا، اگر ایجاب و قبول مہر مؤجل پر ہوا تو گویا بیوی نے نکاح کے وقت ہی اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ مہر بعد میں وصول کرے گی، لہٰذا ایسی صورت میں بیوی کے لیے جائز نہیں کہ شوہر کے لیے حقوقِ زوجیت کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے (۱) تاہم دونوں صورتوں میں وہ شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اور شوہر کو بھی چاہیے کہ وہ جتنا جلد ہو سکے مہر ادا کر دے، کیوں کہ یہ شرعاً اس کے ذمہ قرض ہے (۲) اور قرض کی ادائیگی میں تاخیر اچھی چیز نہیں، اگر بیوی کی طرف سے رضامندی ہو اور مطالبہ نہ ہو تو تاخیر پر بھی کوئی گناہ نہیں، اگر شوہر و بیوی میں سے کسی کو مہر کی مقدار یاد نہ ہو اور گواہوں وغیرہ کے ذریعے بھی اس کا پتہ نہ چل سکے تو شوہر و بیوی باہمی رضامندی سے کوئی مقدار دوبارہ مقرر کر سکتے ہیں، جس پر بھی رضامندی ہو جائے، وہی مہر شوہر ادا کر دے (چاہے وہ وقتِ نکاح مقرر کیے ہوئے مہر سے کم ہو یا زیادہ۔

مہر میں معیار کیا ہو؟

سوال: میری شادی ۱۹۶۹ء میں ہوئی، اس وقت مہر مؤجل ۵۰۵۱ روپے مقرر ہوا تھا، جو ابھی تک واجب الادا ہے، بعض مجبوریوں کی بناء پر ادا نہ کر سکا تھا، اب ادائیگی کا ارادہ ہے، سوال یہ ہے کہ شادی کے وقت اتنی رقم میں کم و بیش ۲۵ / تولے سونا خریدا جا سکتا تھا، مگر اب اس رقم سے صرف ایک تولہ سونا خریدا جا سکتا ہے؛ لہٰذا اس وقت مہر میں شرعاً مجھے کتنی رقم بیوی کو دینا چاہیے؟

(محمد یوسف خاں، پٹیل راجہ محبوب، جدہ)

جواب: شادی کے وقت سے مہر آپ کے ذمہ قرض ہے، روپے کی قدر و قیمت میں

---

(۱) و إن کان الصداق مؤجلا فلیس لها منع نفسها قبل قبضه لان رضاها بتأجیله رضا بتسلیم نفسها۔ (المغنی: ۷/ ۲۰۰) (۲) و الصداق إذا کان فی الذمة فهو دین۔ (المغنی: ۷/ ۲۰۰)

کمی بیشی سے قرض کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہوگی، لہٰذا اس وقت بھی آپ کے ذمہ پانچ ہزار اکیاون روپے ہی شرعاً واجب الادا ہیں (البتہ اپنی خوشی سے زیادہ دے دیں، یا کوئی زیور بیوی کو بنوادیں تو یہ بہتر اور حسن سلوک کا تقاضہ ہوگا) جو چیز مہر میں مقرر کی جائے وہی اصل اور معیار ہوگی (نہ کہ اس کا بدل) مثلاً نکاح کے وقت دس ہزار روپے مہر مقرر ہوا ہو تو دس ہزار روپے ہی واجب الادا ہوں گے، چاہے جس وقت بھی ادا کیے جائیں اور اگر دس تولہ سونا مہر مقرر ہو تو دس تولہ سونا ہی اصل اور معیار ہوگا، جس وقت بھی مہر ادا کیا جائے بیوی دس تولہ سونا کی مستحق ہوگی، ہاں روپے کے علاوہ کوئی دوسری چیز (سامان) جیسے سونا، چاندی یا فرنیچر، زمین، مکان وغیرہ مقرر ہو اور پھر باہمی رضامندی سے اس کی قیمت ادا کی جائے تو ادائیگی کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا نہ کہ نکاح کے وقت کی۔ مناسب یہ ہے کہ سنتِ نبویؐ کی اتباع کے پیش نظر ازواجِ مطہرات اور بناتِ طیبات میں سے کسی کے مطابق مہر مقرر کرے اور فی زمانہ کرنسیوں کی قوتِ خرید بڑھنے اور کم ہونے کا خیال کرتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ سونے چاندی کی کوئی مقدار مہر میں متعین کی جائے، تاکہ اگر تاخیر سے بھی شوہر مہر ادا کرے تو عورت کا حق ضائع نہ ہونے پائے۔

مہر کی ادائیگی سے قبل عورت کا انتقال

سوال: کسی عورت کا انتقال ہوگیا اور حق مہر ادا نہ کیا گیا اور نہ ہی معاف کرایا گیا ہے، اب کیا کیا جائے؟

جواب: مہر کی رقم بھی عورت کے "مالِ متروکہ" میں شامل کر کے اس کے مستحق ورثاء میں شرعی طریقے کے مطابق تقسیم کر دیا جائے، نیز اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور مرحومہ کے لیے دعاءِ مغفرت اور صدقہ و خیرات بھی کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

مہر لڑکی کا حق ہے

سوال : کیا مہر کی رقم لڑکی کے والدین لے سکتے ہیں؟

جواب : مہر لڑکی کا حق ہے، اگر لڑکی اپنی مرضی سے یہ رقم اپنے والدین کو دے دے تو جائز ہے، لیکن لڑکی کی اجازت کے بغیر مہر کی رقم شوہر لے سکتا ہے اور نہ ہی سسرال یا میکے والے۔

مہر مثقال کے ذریعہ

سوال : ہمارے علاقے کوکن میں شادی کے وقت لڑکی کا مہر مثقال میں مقرر کیا جاتا ہے، وہ بھی ۱۹ / مثقال، ساتھ ہی قاضی صاحب خالص سونے کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں؛ کیا مہر مثقال میں مقرر کرنا شرعی حیثیت سے جائز ہے؟

(طاہر دبیر کوکنی، بحرین)

جواب : موجودہ زمانہ میں کرنسیوں کی قیمت میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، اگر ملکی کرنسیوں سے مہر مقرر کیا جائے تو اس میں عورت کا بہت بڑا نقصان ہے، جس عورت کا مہر پچیس ہزار ہو تو وہ آج کل کم از کم پانچ تولہ سونا خرید سکتی ہے، لیکن دس سال بعد دو تولہ بھی مشکل سے خریدا جاسکے گا اور اگر پانچ تولہ مقرر کردیا جائے تو وہ یہ مقدار اور اس کی قیمت دس سال میں بھی حاصل کرسکتی ہے اور اس کا حق متاثر نہیں ہوگا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ سونے یا چاندی کو ہی مہر مقرر کیا جائے، آپ کے علاقہ میں جو رسم اور رواج ہے، وہ شرعاً صحیح اور درست ہے۔

مہر کی رقم میں والد کا تصرف

سوال : کیا کسی والد کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی مہر کی رقم کھا جائے؟

(یار محمد قلندرانی، مکہ مکرمہ)

جواب : مہر صرف لڑکی کا حق ہے، نہ شوہر کو اس میں سے حصہ لینے کا اختیار ہے، نہ

رال والوں کو اور نہ والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا حق مہر لے کر کھا جائے۔

نکاح میں اگر مہر متعین نہ ہو

سوال: اگر کسی عورت کا مہر نکاح کے وقت کسی وجہ سے متعین نہیں کیا جاسکا، تو اب شوہر اس کا مہر کس طرح ادا کرے؟

(محمد ایوب محاسن، احساء)

جواب: اگر عقدِ نکاح میں ایجاب و قبول کے ساتھ مہر کی تعیین نہ کی جاسکی اور اس کی مقدار نہ ذکر کی جاسکے، تو ایسی صورت میں نکاح تو درست ہو جائے گا، لیکن شوہر پر عورت کے لیے "مہر مثل" کی ادائیگی لازم ہو گی (۱) مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے خاندان کی دوسری اس جیسی عورتوں کا جو مہر تھا وہی اس عورت کے لیے مہر مثل ہو گا، جیسے اس کی بہنوں کا مہر، پھوپھی یا ان کی بیٹیوں کا مہر وغیرہ، البتہ مہر مثل کی تعیین میں حسن و جمال، عمر اور دیگر صلاحیت و قابلیت کا بھی اعتبار کیا جائے گا، خاندان کی جو عورت ان چیزوں میں اس کے مماثل ہو، ان کا مہر اس عورت کے حق میں "مہر مثل" ہو گا (۲)، ایسی صورت میں نکاح کے بعد بھی شوہر و بیوی مہر کی کسی مقدار پر راضی ہو جائیں تو اس کی ادائیگی بھی درست ہے، کسی مقدار پر اتفاق نہ ہونے کی صورت میں شوہر پر "مہر مثل" کی ادائیگی کو لازم کیا جائے گا۔

بیوی مہر معاف کر سکتی ہے

سوال: ہم مہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، اس کے دینے کا طریقہ بتائیں، نیز نکاح کے بعد بیوی حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں اور کس طریقے سے؟ گواہوں کی ضرورت ہو گی یا نہیں؟

(محمد منیر، جدہ)

---

(۱) و إن تزوجها و لم يسم لها مهرا و تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها . (هدايه : ۲/ ۳۰٤ ط : رشيديه دهلی) (۲) و مهر مثلها من قوم أبيها وقت العقد سنا و جمالا و مالا و بلدا و عصرا عقلا و دينا و بكارة و ثيوبة و عفة و علما و ادبا و كمال خلق (تنوير الابصار مع الدر المحتار على هامش رد المحتار : ۲/ ۳۵۵)

جواب : نکاح کے وقت عورت سے استمتاع اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض کے طور پر جو رقم عورت کو دی جاتی ہے (یا آئندہ دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے) اسے "مہر" کہتے ہیں مہر عورت کا شرعی حق ہے، بغیر مہر کے شریعت میں نکاح کا کوئی تصور نہیں، اگر کوئی غلطی سے نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کرے، تب بھی شوہر کی طرف سے بیوی مہر کی حقدار ہوگی اور اسے "مہر مثل" دیا جائے گا(۱) مہر اپنی استطاعت کے مطابق مقرر کیا جانا چاہیے، اگرچہ شریعت نے زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ کم سے کم مہر دس درہم (تقریباً ۳۲ / گرام چاندی) ہونا چاہیے، اس سے کم صحیح نہیں(۲) دیگر ائمہ کے یہاں کم سے کم مہر کی بھی کوئی مقدار متعین نہیں، میاں بیوی مہر کی جس مقدار پر راضی ہو جائیں وہی عورت کا مہر ہے۔ ابن قدامہؒ نے یہی لکھا ہے: إذا كانت المرأة بالغة رشيدة أو صغيرة عقد عليها أبوها فأى صداق اتفقوا عليه فهو جائز إذا كان شيئا له نصف يحمل .(۳)

مہر دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جو فوراً ادا کر دیا جائے، یعنی نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد صحبت سے پہلے، یہی صورت زیادہ بہتر ہے، اسے اصطلاح میں "مہر معجّل" کہتے ہیں، دوسرے وہ مہر جو فوراً ادا نہ کیا جائے، بلکہ مہر مقرر کر کے بعد میں دینے کا وعدہ کیا جائے اسے "مہر مؤجل" کہتے ہیں۔ مہر مؤجل کی صورت میں بھی صحبت سے پہلے عورت کو مہر کا کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا بہتر و پسندیدہ ہے۔

نکاح کے وقت مہر مقرر ہو جانے کے بعد اب یہ عورت کا حق ہے کہ اسے قبول کرے یا معاف کر دے، اگر وہ نکاح کے بعد اپنی خوشی سے سارا مہر یا مہر کا کچھ حصہ معاف کر دے تو شوہر سے اتنا حصہ معاف ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا (۴) اس معافی کیلئے گواہوں کی ضرورت نہیں، اگر

---

(۱) تزوجها و لم يسم لها مهر ...... فلها مهر مثلها . (هدايه : ۲/ ۳۰٤) (۲) أقل المهر عشرة دراهم مضروبة أو غير مضروبة . (هندية : ۱/ ۳۰۲ ط : بيروت) (۳) المغنى : ۷/ ۱٦۰

(٤) نساء : ۳

بیوی پر دباؤڈال کر زبردستی مہر معاف کرایا جائے تو اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔(۱)

مہر کا حق

سوال: کیا مہر مقرر کرنا ضروری ہے؟ حق مہر کا طریقہ، مقدار اور وقت کیا ہے؟

(طاہر کوکنی، بحرین)

جواب: مہر مقرر کرنا ضروری ہے، مہر کے بغیر شریعت میں نکاح کا تصور ہی نہیں اور یہ مہر عورت کا حق ہے، شریعت نے یہ حق عورتوں کے لیے خاص کیا ہے، مہر دونوں (لڑکی والے اور لڑکا) مل کر باہمی رضامندی سے مقرر کریں، نہ اتنا کم ہو کہ اس کی کوئی وقعت ہی نہ ہو اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ شوہر ادا ہی نہ کر سکے، عقدِ نکاح کے وقت مہر کا تعین ہو جانا چاہیے۔

مہر فاطمی کی حیثیت

سوال: ہمارے یہاں مہر فاطمی ۳۲ / روپے مقرر کیا جاتا ہے اور وہ بھی سہاگ رات کو معاف کروالیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب: شریعت نے مہر کی رقم یا حد اس لیے مقرر و محدود نہیں کی کہ وقت اور حالات کی تبدیلی کی بناء پر یہ معاملہ کم اور زیادہ ہو سکتا ہے، حق مہر نہ تو اتنا زیادہ ہو کہ شوہر کی مالی حیثیت اسے ادا کرنے سے قاصر رہے اور نہ ہی اتنا کم ہو کہ چند روپوں تک محدود ہو جائے، بلکہ اسے شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق طے کیا جانا چاہیے۔

مہر صرف اور صرف بیوی کا حق ہے، اسے ادا نہ کرنا یا زبردستی معاف کروانا بہت بڑا جرم اور گناہ ہے، ہاں بیوی خود اپنی خوشی سے معاف کردے تو الگ بات ہے۔

سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو مہر مقرر کیا گیا تھا، بہت سے لوگ اتباعِ سنت کے لیے وہی مقرر کرتے ہیں، یہ مہر مقرر کرنا اتباعِ سنت تو ضرور ہے، لیکن

(۱) لابد صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح (هندية : ۱/ ۳۱۳)

صرف اسی مہر کو سنت سمجھنا غلطی ہے، نبی کریم ﷺ نے ہزار دو ہزار پر بھی اپنا نکاح فرمایا ہے اور کم پر بھی، فاطمہ کا مہر آپ ﷺ نے پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا، جس کی مقدار مفتی محمد شفیع صاحب نے ۱۳۱ تولہ ۳/ ماشہ چاندی مقرر کی ہے، یہ حساب مفتی صاحب نے بڑی تحقیق سے لگایا ہے اس ۱۳۱/ تولہ ۳/ ماشہ چاندی کی جتنی قیمت روپے یا دوسرے سکوں کے اعتبار سے ہو، وہی مہر فاطمی کی مقدار ہے، ۳۲ روپیہ کو مہر فاطمی کہنا قطعاً درست نہیں۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کا پہلا نکاح

سوال: رسولِ کریم ﷺ کا پہلا نکاح کس شخص نے پڑھایا تھا؟

(وزیر محمد خاں، مدینہ منورہ)

جواب: رسولِ کریم ﷺ کا پہلا نکاح امّ المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، جو اپنے خاندان کی ایک معزز خاتون تھیں، ان کے پاکیزہ اخلاق اور شرافتِ نفس کی بنا پر جاہلیت میں ان کو لوگ "طاہر" (پاک) کے لقب سے پکارتے تھے، جس طرح رسولِ کریم ﷺ "امین و صادق" کے القاب سے مشہور تھے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے جا ملتا ہے، اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی پچیری بہن تھیں، وہ نہایت دولتمند تھیں، جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا، رسولِ کریم ﷺ کی امانت و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کی شہرت سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مالِ تجارت لے کر "شام" کو جائیں، جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں، اس سے دوگنا آپ کو دوں گی، رسولِ کریم ﷺ نے قبول فرمایا اور مالِ تجارت لے کر بصرہ تشریف لے گئے، واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسولِ کریم ﷺ کے پاس پیغامِ نکاح بھیجا، جسے آپ نے قبول فرمایا، تاریخِ معین پر رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب اور رؤساءِ خاندان

---

(۱) دیکھیے: جواهر الفقه: ٤/ ١٤٨-٥١ ط: دیوبند

جس میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، خدیجہ طاہرہؓ کے مکان پر آئے، ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھایا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا، نکاح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر ۲۵/ سال اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ۴۰/ سال تھی، نیز سیدہ خدیجہؓ بیوہ تھیں، پہلے ان کے دو شوہر انتقال کر چکے تھے، جن سے انہیں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، رسولِ کریم ﷺ کی جتنی اولاد ہوئیں، خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے ہوئی، سوائے ایک صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔"(۱)

دومرتبہ نکاح

سوال: کیا ایک ہی عورت سے دوبار نکاح کیا جاسکتا ہے؟ جیسے کوئی شخص یہاں جدہ میں نکاح کرلے، پھر وطن جاکر لوگوں کو دکھانے کے لیے اسی لڑکی سے نکاح کرے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: جی نہیں! جب گواہوں کی موجودگی میں شرعی طریقے کے مطابق ایک مرتبہ نکاح ہوگیا، تو اس نکاح کے ٹوٹنے سے پہلے (یعنی نکاح کے برقرار ہوتے ہوئے) دوسری مرتبہ اسی لڑکی سے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ وطن اور خاندان والوں سے ایک طرح کا دھوکہ بھی ہے، صرف انہیں اطلاع دے دینا، خوشی ومسرت کے اظہار میں استطاعت کے مطابق دعوت وغیرہ کا اہتمام کرنا کافی ہے۔

بابرکت نکاح

سوال: میں دو سال سے یہاں سعودی عرب میں کام کر رہا ہوں، میری ابھی تک شادی نہیں ہوئی، پاکستان میں والد صاحب کے ذمہ کچھ قرض بھی ہے، جس کا وہ مجبوراً سود بھی دیتے ہیں، دوسری طرف منگیتر جوان ہے، سسرال والوں کا تقاضہ ہے کہ جلدی شادی کرو، گھر میں بھائی اور والد صاحب کا اصرار ہے کہ تمہاری شادی آخری ہے،

(۱) السیرۃ النبویۃ لابن سعد ۱: ۱۳۳ - ۱۳۵ ط قاهره

لہٰذا جلدی نہ کرو، دھوم دھام سے تمہاری شادی ہوگی؛ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ والد صاحب کا قرض ادا کروں یا وطن جا کر شادی کروں اور شادی بھی والدہ اور بھائی کی مرضی کے مطابق یا کیسی؟

(ایم ابرابر، تبوک)

جواب: بہتر ہے کہ جلد سے جلد والد صاحب کا قرض ادا کر کے انہیں سود کی لعنت سے بچائیں اور اسی کے ساتھ کوشش کریں کہ نکاح کی سنت بھی ادا ہو جائے، جو کہ آج کے اس پر فتن دَور میں میاں بیوی کی عفت و عصمت کی بڑی حد تک محافظ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان نوجوانوں کو جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہوں اور اس کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھا سکتے ہوں، ایسے نوجوانوں کو آپ ﷺ نے نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جو نوجوان اس قابل نہ ہوں، انہیں اپنی خواہشات پر قابو پانے کے لیے کثرت سے روزے رکھنے کا حکم فرمایا،(۱) ایک دوسری حدیث میں جو شخص نکاح کر لے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اپنا آدھا ایمان مکمل کر لیا۔(۲) شادی جب بھی کریں، شریعت کے مطابق کریں، فضول خرچی اور رسم ورواج سے پرہیز کریں، اسلام نے نکاح کو نہایت آسان بنایا ہے اور اس نکاح کو بابرکت قرار دیا ہے، جس میں مالی تکلیف اور پریشانی کم ہو، مسندِ احمد کی ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''اتنا ہی زیادہ وہ بابرکت نکاح ہے جس میں مالی تکلیف اور پریشانی جتنی کم ہو۔''(۳) اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ناجائز کاموں میں (جس میں اللہ ورسول کی نافرمانی) والدین یا کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں، لہٰذا آپ اپنی والدہ اور بھائی کو حکمت و نرمی کے ساتھ شریعت کے مطابق شادی کی مبارک رسم انجام دینے پر آمادہ کریں اور اس موقع پر ناجائز رسم ورواج کو انجام دے کر گناہ اور اللہ کی ناراضگی نہ مول لیں۔

---

(۱) بخاری: عن عبد الرحمن بن یزید، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم (۲) حوالۂ سابق
(۳) مسند احمد: ۲/۸۲

نو مسلم کے لیے تجدیدِ نکاح

سوال: ہمارے یہاں ایک غیر مسلم نے اسلام قبول کرلیا، پھر اس نے اپنی بیوی کو بھی مسلمان بنالیا، کیا انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت پڑے گی؟ ایک صاحب نے کہا کہ جب بیوی نے بھی اسلام قبول کرلیا تو اب دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، کیا یہ بات درست ہے؟

(لطیف احمد)

جواب: میاں بیوی اگر ساتھ ہی مسلمان ہوجائیں، تو ان کو دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کا پہلا نکاح ہی کافی ہے، چاہے وہ جس مذہب کے مطابق ہوا ہو، ہاں اگر دونوں میں سے کسی ایک نے اسلام قبول کیا تو دوسرے فریق کے سامنے شرعی قاضی اسلام پیش کرے گا، اگر وہ قبول کرلے تو نکاح برقرار رہے گا، تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں، ابن قدامہ یہی لکھتے ہیں: إن الزوجين إذا أسلما معا فهما على النكاح ، سواء كان قبل الدخول أو بعده و ليس بين أهل العلم فى هذا اختلاف بحمد الله .(۱) اور اگر نکاح کردے تو پھر شرعی قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کردے گا، چنانچہ ردّ المحتار میں ہے: إذا أسلم أحد الزوجين المجوسيين أو امرأة الكتابى عرض الاسلام على الآخر فإن أسلم فبها و إلا بان ابى أو سكت فرق بينهما .(۲) علامہ شامیؒ فرق بينهما پر توضیحی نوٹ چڑھاتے ہوئے رقمطراز ہیں: ما لم يفرق القاضى فهو زوجته .(۳) جب تک قاضیِ شرع کی طرف سے تفریق نہ ہو، دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح برقرار رہے گا، یعنی حکماً، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں کو اس طرح رہنا اور ازدواجی تعلق برقرار رکھنا جائز ہے، بلکہ اختلافِ مذہب کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق برقرار نہیں رہ سکتا، تفریق ضروری ہے۔

اگر عورت اسلام قبول کرے اور وہ دار الحرب سے ہجرت کرکے آئی ہو، یا

---

(۱) المغنی: ۱۱۷/۷ (۲) درمختار علی هامش الرد: ۳۸۹/۲ (۳) ردالمحتار: ۳۹۸/۲

ایسی جگہ کی رہنے والی ہو جہاں کہ اسلامی نظام حکومت اور نظامِ قضا نہیں، تو پھر وہ قبولِ اسلام کے بعد تین حیض تک انتظار کرے گی، اس مدت میں اگر شوہر اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، ایسی صورت میں اس مدت کا گزر جانا ہی تفریق نکاح کے قائم مقام ہوگا۔

پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی

سوال: کیا آدمی اپنی پہلی بیوی سے اجازت لیے بغیر دوسری شادی کرسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں کرسکتا ہے، مگر واضح رہے کہ اسلام میں ایک سے زیادہ چار بیویوں تک شادی کرنے کی اجازت اس صورت میں ہے جب آپ ان کے درمیان انصاف اور برابری کرسکتے ہوں اور ان سب کے حقوق پورے کرسکتے ہوں، ورنہ قرآن پاک میں صراحتاً ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کے ظلم و جور سے دور اور زیادہ قرین انصاف قرار دیا گیا۔(۱) نیز احادیث میں اس شخص کے لیے بڑی وعید ہے جو اپنی بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" إذا كان للرجل امرأتان فمال إلى أحداهما جاء يوم القيامة واحد شقيه مائل . " (۲)

"اگر آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو تو وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔"

ولیمہ سنت ہے

سوال: ۱۹۶۶ء میں ہماری شادی ہوئی اور اس وقت سے یہی ارادہ تھا کہ ولیمہ کریں گے، لیکن سالہا سال گزرے اور تاحال ولیمہ نہ کرسکا، اب رہ رہ کے خیال آرہا ہے کہ ولیمہ کیوں نہ کیا؟ کیا اب یہ ذمہ داری ادا ہوسکتی ہے؟ (عبدالمجید خاں، المدینۃ المنورہ)

---

(۱) نساء آیت نمبر : ۳ (۲) مسند دارمی عن قتادة : ۲/ ۴۳ ، باب العدد بين النساء

جواب: نکاح کے بعد شبِ زفاف کے پہلے دن یا دوسرے دن ولیمہ کرنا سنت ہے (۱) اور اگر کسی کے مالی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تو اس پر کچھ گناہ یا کفارہ نہیں، اب ولیمہ کرنے کی ضرورت نہیں، آپ پر یہ کام فرض وضروری نہیں ہے۔

طویل عرصہ جدائی سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال: دو سال قبل میرا نکاح ہوا، نکاح کے تین ماہ بعد میں بحرین آگیا، مزید ایک سال یہاں رہنے کا ارادہ ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو مرد اپنی بیوی کے پاس چھ ماہ تک نہ جائے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؛ کیا یہ صحیح ہے؟

(اکبر بھٹی، بحرین)

جواب: چھ ماہ یا اس سے زیادہ طویل عرصہ بھی بیوی سے دور رہنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا، البتہ بغیر عذرِ شرعی اور شدید مجبوری کے چھ ماہ سے زیادہ بیوی سے دور رہنا جائز نہیں۔ (۲)

نکاح اور پردیس کی دوری

سوال: اگر کوئی شخص زیادہ عرصہ تک اپنی بیوی بچوں سے دور رہے، تو کیا واپسی کے بعد اپنے نکاح کی تجدید کرنی چاہیے؟

(حاجی رستم خاں، جدول جدہ)

جواب: اسلام میں کسی بھی معاملہ میں نہ تو حد سے زیادہ اضافہ ہے اور نہ کسی قسم کی کمی، میاں بیوی کے رشتے کا مطلب ہی ایک ساتھ مل کر رہنا ہوتا ہے، شرعاً بلا عذر کوئی بھی مرد اپنی بیوی سے دور نہیں رہ سکتا، یہ زندگی خلافِ فطرت ہے اور اسلام کسی بھی خلافِ فطرت کام کی اجازت نہیں دیتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ شوہر اپنی بیوی سے چھ ماہ سے زیادہ عرصہ دور نہ رہے (۳) شرعی عذر کی بناء پر ایک سال یا دو سال بیوی سے دور رہنا جائز ہے، لیکن بغیر عذرِ شرعی کے محض دولت کمانے اور شاندار زندگی بسر کرنے کی دھن میں جو لوگ اپنی بیوی اور

---

(۱) لاخلاف بین أهل العلم فی أن الولیمة سنة فی العرس مشروعة. (المغنی ۲۱۲/۷)

(۲) غنیة الطالبین: ۱/۳۳ (۳) حوالہ سابق

اولاد سے پانچ پانچ سال اور دس دس سال دور رہتے ہیں، ان کی گھریلو زندگی تباہ ہو جاتی ہے، بیوی اور اولاد دونوں بگڑ جاتے ہیں یا اولاد آوارہ ہو جاتی ہے، دونوں طرف کے لوگ (یعنی وہاں بیوی بچے اور یہاں شوہر) ذہنی و نفسیاتی مریض ہو جاتے ہیں اور یوں محض طلبِ دنیا کی خاطر ایک پر سکون اور خوشحال گھرانا تباہ ہو جاتا ہے، لیکن اپنی بیوی سے دور رہنے سے (خواہ یہ عرصہ طویل ہی کیوں نہ ہو) نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور تجدیدِ نکاح کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

نکاح میں وکالت

سوال: اگر لڑکا سعودی عرب یا کسی دوسرے ملک میں ہو تو کیا اس کی غیر موجودگی میں کسی لڑکی سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے؟

(محمد دوست خاں، جیزان)

جواب: اگر لڑکے نے اپنی طرف سے کسی رشتہ دار کو اپنا وکیل مقرر کیا ہو تو وکیل اس کی طرف سے ایجاب و قبول کر سکتا ہے (۱) اسی طرح ٹیلی فون پر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

نکاح میں خطبہ

سوال: کیا نکاح میں خطبہ فرض ہے؟ آیا خطبے کے بغیر نکاح ہو جاتا یا نہیں؟

(امتیاز احمد فیصل، بریدہ)

جواب: نکاح میں خطبہ فرض نہیں بلکہ مسنون ہے اور بغیر خطبے کے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، نکاح میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ضروری ہے، خطبہ رکن یا شرطِ نکاح نہیں ہے کہ اس پر نکاح موقوف ہو، (۲) لیکن بغیر کسی عذر اور مجبوری کے کسی مسنون عمل کو ترک کرنا بھی صحیح نہیں۔

منکوحہ سے دوبارہ نکاح

سوال: کیا بیس بچوں کی ولادت کے بعد ایک منکوحہ عورت پر اپنے

---

(۱) یصح التوکیل بالنکاح و إن لم یحضره الشهود. هندیه: ۲۹٤ (۲) و یندب اعلانه و تقدیم خطبة (ردمختار علی هامش الرد: ۲/۲٦۲

شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا لازم ہو جاتا ہے؟ اسلام میں اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(خورشید انور، جدہ)

جواب: ایک عورت چاہے کتنے ہی بچے جنم دے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا، لہٰذا اسے اپنے شوہر سے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، ایک مرتبہ نکاح ہونے کے بعد وہ اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک شوہر و بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال نہ ہو جائے، یا پہلا شوہر طلاق نہ دے دے یا بیوی خلع نہ لے لے، یا شرعی عدالت سے رجوع ہو کر اپنا نکاح فسخ نہ کروائے، نکاح کا تعلق ختم ہونے کی صورت میں اسی شوہر سے ازدواجی تعلق برقرار رکھنے کیلئے از سر نو نکاح کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے تفصیلی احکامات کتاب وسنت اور کتبِ فقہ میں موجود ہیں، آپ نے جو بات لکھی ہے، وہ قرآن وحدیث کی تعلیم کے خلاف ہے اور شریعتِ محمدیہ میں اس کا کوئی تصور نہیں۔

بیوی سے دوری

سوال: اگر کوئی آدمی سفر پر جاتے ہوئے بیوی سے سال بھر کی اجازت لے، پھر مذکورہ مدت گزرنے کے بعد چند مجبوریوں کی بنا پر گھر نہ جا سکے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ نیز عورت اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں ننگے سر بیٹھ سکتی ہے یا نہیں؟

(گلزار خاں، القصیم)

جواب: اگر مجبوری اور عذر کی بناء پر بیوی سے زیادہ عرصے تک دور رہا جائے تو یہ جائز ہے اور اگر اشد مجبوری نہ ہو تو چھ ماہ سے زیادہ عرصہ رہنا مناسب نہیں ہے، اسی طرح عورت اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں ننگے سر بیٹھ سکتی ہے۔

کم عمر میں شادی

سوال: ہمارے یہاں علاقوں میں کئی لڑکیوں کی ایک ساتھ یعنی

اجتماعی شادی ہوتی ہے، ان میں بعض نابالغ بھی ہوتی ہیں، تو کیا اس طرح نکاح درست ہے؟ بسا اوقات دو چار ماہ کی عمر میں بھی شادی کر دی جاتی ہے، لڑکے کی طرف سے اس کے والد اور لڑکی کی طرف سے اس کی والدہ نکاح کی رسم پوری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بالغ ہو گئے تو دوبارہ نکاح پڑھا دیں گے، لیکن ایسا ہوتا نہیں؛ کیا کم عمری میں کیا گیا نکاح معتبر ہے یا نہیں؟

(ذاکر حسین تنور، الرس)

جواب: ایک ہی تقریب میں اجتماعی طور پر کئی لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کرنا درست ہے (بشرطیکہ ہر لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب و قبول الگ الگ ہو) اسی طرح نکاح کے صحیح ہونے کے لیے بالغ ہونا ضروری نہیں، کم عمری میں بھی لڑکے اور لڑکی کا نکاح ان کے سرپرست یا عزیز و اقارب میں سے کسی کی طرف سے ہو سکتا ہے(۱) نیز ایسی صورت میں بالغ ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کی تجدید ضروری نہیں، البتہ بعض صورتوں میں لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد (کم عمری میں دوسروں سے کیے گئے) اس نکاح کو فسخ کرنے اور کالعدم قرار دینے کا حق حاصل رہتا ہے، جس کو اصطلاح میں ''خیارِ بلوغ'' کہتے ہیں، جس کی تفصیلات اور شرائط کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

منگیتر کے ساتھ سفر

سوال: کیا لڑکی اور لڑکا منگنی سے پہلے اکٹھے حج یا عمرہ کر سکتے ہیں؟

(ذوالفقار احمد حریری، جدہ)

جواب: منگنی سے پہلے یا منگنی کے بعد جب تک دونوں کا نکاح نہیں ہو جاتا، یہ دونوں اکٹھے کہیں سفر نہیں کر سکتے اور حج و عمرہ بھی نہیں، اس لیے کہ وہ اب تک غیر محرم ہیں اور غیر محرم مرد و عورت کے تنہا ہونے کو آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۲)

---

(۱) دیکھیے معارف القرآن: ۲۸۶/۲ طـ: دیوبند، انڈیا (۲) بخاری عن ابن عمر: ۱۰۴/۲ باب کم أقام النبیؐ فی حجته

ٹیلی فون کے ذریعے نکاح

سوال : ہمارا ایک دوست جو چار سال سے یہاں مقیم ہے، اس نے ابھی حال میں ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کیا ہے، جب کہ نہ تو اس نے پہلے لڑکی کو دیکھا تھا اور نہ لڑکی نے اور نہ لڑکی کے والدین نے اس کو دیکھا؛ کیا یہ نکاح جائز ہے؟ اور کیا ٹیلی فون پر نکاح کیا جاسکتا ہے؟

(بشیر احمد عفان)

جواب : ٹیلی فون کے ذریعہ نکاح کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایسا شخص ٹیلی فون پر کسی کو نکاح کے معاملے میں اپنی طرف سے وکیل بنادے اور وہ شخص بحیثیت وکیل اس کی طرف سے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرے، ٹیلی فون پر براہِ راست ایجاب و قبول درست نہیں، کیوں کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے گواہوں کی موجودگی میں اور ایک ہی مجلس میں ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے اور ٹیلی فون سے ایجاب و قبول کی صورت میں مجلس بھی مختلف ہوگی اور فریقین کی بات کو گواہ سن بھی نہیں سکتے، بہر حال ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کے صحیح ہونے کی صورت یہ ہے کہ لڑکا یا لڑکی فون پر اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنادے اور وہ شخص بحیثیتِ وکیل کے مجلس نکاح میں گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کرے، البتہ گواہوں کا لڑکے اور لڑکی سے واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ ایجاب و قبول میں لڑکے اور لڑکی کے ساتھ ان کے والد کا نام بھی ذکر کیا جائے، تاکہ ان کا تعین اور تعارف ہو سکے۔(۱)

میاں بیوی کے حقوق

سوال : ایک ایسے میاں بیوی جن کی شادی کو ۱۶/ سال ہو چکے ہیں، ابتدائی سالوں میں ان کو دو بچے بھی ہوئے، ان کا آپس میں کوئی جسمانی رشتہ نہیں رہا، حالانکہ وہ دونوں ساتھ رہتے ہیں، شوہر بیوی پر سختی بھی کرتا ہے، نان، نفقہ بھی نہیں دیتا، نہ اپنی اولاد سے محبت ہے اور نہ

(۱) جدید فقہی مسائل : ۱/ ۱۴۹ ط : دهلی

ان کا خرچ برداشت کرنے کو تیار ہے، بیوی خود ہی چھوٹا موٹا کام کر کے اپنا اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتی ہے، پھر گالی گلوج اور مار پٹائی کا سلسلہ رہتا ہے، گھر میں ساتھ رہتے ہوئے بھی بیوی بچے الگ کمرے میں رہتے ہیں شوہر کی نظر پڑجائے تو گالم گفتار تک کی نوبت آجاتی ہے، شوہر نے دوبار طلاق دے کر رجوع بھی کیا ہے؛ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ اسلام میاں بیوی کے ان تعلقات کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

(عظمت اللہ بیگ، جدہ)

جواب: نکاح صرف جنسی اور جسمانی خواہشات پورا کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ تو اسلام کے صاف ستھرے، پاک وشفاف معاشرے میں خیر اور بھلائی کے پھیلاؤ کا ایک ذریعہ بھی ہے، نکاح ہی وہ فطری عمل ہے جو مرد اور عورت دونوں کو ایک طرف برائی و بدکاری سے روکتا ہے، جب کہ دوسری طرف انہیں فطری زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرتا ہے، شادی کے بعد آپس میں الفت و محبت بڑھانا اور گھر کے ماحول کو عدل و اعتدال پر قائم ودائم رکھنا میاں بیوی دونوں کی ذمہ داری ہے، اولاد کی صحیح تربیت بھی ان ہی کی ذمہ داری ہے، باپ بچوں کی تمام ضروریات کی تکمیل کے ذمہ دار ہے، جب کہ بیوی گھر میں رہتے ہوئے گھریلو ذمہ داریاں بہتر طریقے پر نبھانے کی ذمہ دار ہے۔

آپ نے جن میاں بیوی کے بارے میں پوچھا ہے، حیرت ہے کہ یہ دونوں اپنے گھر کی تباہی پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ کیا یہ دونوں شوہر کی محبت، بیوی کی وفا و خدمت، باپ کی شفقت، ماں کی ممتا اور دوسرے جذبات سے بالکل عاری ہیں، ان دونوں کے اعزہ اور مخلص احباب کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان دونوں کو باہمی مصالحت پر آمادہ کریں، خصوصاً شوہر کو اس کی اہم ذمہ داریوں سے ضرور آگاہ کریں اور اسے مجبور کریں کہ وہ بیوی اور اولاد کے حقوق ادا کرے۔ آپ نے جو صورتِ حال بیان کی ہے، وہ شوہر کی طرف سے ظلم و جبر اور زیادتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انہی انسانی رشتوں کی

حرمت اور حقوق کے بارے میں ڈراتے اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتوں کے بارے میں۔ ''(۱) رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا (سلوک) کرتا ہو۔ ''(۲) ایک متفق علیہ حدیث میں ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں عورتوں سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ (۳) حیرت ہے کہ ۱۶/ سال کے طویل عرصے میں طرفین کے بزرگوں اور دونوں نے صلح و صفائی کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اب بھی موقع ہے کہ دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کے بارے میں بتایا اور سمجھایا جائے، خصوصاً شوہر کو اس کی اہم اور حساس ذمہ داریوں کے بارے میں تفصیل سے سمجھایا جائے۔ اللہ کرے کہ اس گھر میں دوبارہ وہی محبت، الفت اور صلح و صفائی والا ماحول لوٹ آئے، جو شادی کے ابتدائی ایام میں موجود تھے۔

میاں بیوی میں نفاق

سوال: میری شادی کو کافی عرصہ ہو گیا، مگر شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جس میں شوہر نے لڑائی نہ کی ہو، بغیر کسی وجہ کے معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا شروع کر دیتے ہیں، غصہ حد سے زیادہ ہے، بچوں سے بھی غصہ کرتے ہیں، شک بہت زیادہ کرتے ہیں، میاں بیوی میں پیار و محبت تو ہے ہی نہیں؛ میں اس مشکل میں کیا کروں؟

(فرزانہ، جدہ)

جواب: گھریلو مسائل اور ازدواجی زندگی کے بارے میں شکوے شکایات تو شروع ہی سے موجود ہیں، لیکن میاں بیوی، ساس سسر اور بہو نند وغیرہ کا ایک کے حقوق غصب کرنا اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہمارے آباء و اجداد اور بزرگوں کے ہاں نہیں تھا، یہ

---

(۱) سورہ النساء: ۱ (۲) ابن ماجہ عن ابن عباس باب حسن معاشرۃ النساء، کتاب النکاح
(۳) بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنکاح: ۴۶،۷

لوگ رواداری، عدل واعتدال، انصاف وبرابری، صبر و تحمل اور اخلاقِ حسنہ سے اپنے تمام مسائل حل کرلیا کرتے تھے، زیادہ بات پھیلتی تو کسی بزرگ شخصیت کو بیچ میں لاکر ان سے اپنی مشکلات سلجھالیا کرتے تھے، آج عالم یہ ہے کہ ہر گھر ظلم و ستم اور جبر و مشقت کا کیمپ بن گیا ہے، گھروں کا سکون برباد ہو گیا ہے، برکت اور سکون ختم ہے، ہر شخص پریشان اور ہر آدمی فکر مند ہے، گھروں، خاندانوں اور رشتہ داروں کا یہی جھگڑا وفساد یہ صورت اختیار کرچکا ہے کہ کئی نئی دلہنیں، اور کئی خواتین خودکشی پر مجبور ہو گئی ہیں، ہم نے بارہا اپنے دروس اور تحریروں میں ہر شخص سے یہی درخواست کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اپنے اپنے گھر کے ماحول کو عدل واعتدال، رواداری اور محبت واحترام پر قائم رکھنا چاہیے، رسولِ کریم ﷺ کا اسوۂ مبارکہ، صحابہؓ و تابعینؒ اور سلفِ صالحینؒ کی پاکیزہ زندگیاں ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں، ہم ان کی حیاتِ مبارکہ کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنا سکتے ہیں، اس لیے جہاں اپنے ماں باپ کا خیال رکھیں وہیں اپنی آل واولاد کے حقوق کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔ اس بارے میں ہمارے لیے رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ تم لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہو (یعنی ان کے ساتھ بہتر سلوک کرے) اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہوں۔(۱)

بیوی کی سستی کا علاج

سوال: میری بیوی بہت سست اور کاہل ہے، میری والدہ اور ہماری خدمت بھی نہیں کرتی، میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں، لیکن بیوی اس پر راضی نہیں، میں اپنی بیوی کو طلاق بھی دینا نہیں چاہتا؛ آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

جواب: رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: کوئی مؤمن مرد کسی بھی مؤمنہ عورت یعنی کوئی مرد اپنی بیوی سے بغض وعداوت نہ رکھے، اگر کسی کی ایک عادت ناپسند ہو تو

---

(۱) ابن ماجه عن ابن عباس باب حسن معاشرة النساء

دوسری پسندیدہ ہوگی، (۱) اگر آپ کی بیوی سست و کاہل ہے تو اس میں دوسری کئی خوبیاں بھی موجود ہوں گی، اپنی بیوی کی کسی کمزوری اور سستی کا علاج دوسری شادی سے یا طلاق سے کرنا درست نہیں، بلکہ اسے سمجھانا اور اس کی اصلاح کرنا ہے، آپ اپنی بیوی کو سمجھائیے اور اس کی اصلاح کیجئے، کیا آپ اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ دوسری بیوی پہلی بیوی سے اچھی اور بہتر ہوگی؟ فی الحال دوسری شادی نہ کیجئے، بلکہ پہلی بیوی کے ساتھ مل جل کر زندگی گزاریئے۔

۱۰/ محرم کو نکاح

سوال: کیا محرم کے مہینے میں یا یومِ عاشورہ (دس محرم) کو شادی کرنا جائز ہے؟

(عبدالجباری تونسوی، مکہ مکرمہ)

جواب: محرم کا مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جن کو "اشہر حرم" کہا جاتا ہے، یہ حرمت والے مہینے چار ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، (۱) حدیثِ پاک میں رسولِ کریم ﷺ نے ان چار مہینوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ چار مہینے یہ ہیں: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم (۲) ان مبارک مہینوں میں لڑائی جھگڑا، فساد و خونریزی اور نافرمانی و برائی کے دوسرے کاموں سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

محرم کا مہینہ بھی انہی حرمت والے مہینوں میں سے ہے، صحابہ کرامؓ، تابعین اور سلفِ امت نے اس مبارک مہینے میں شادیاں بھی کی ہیں اور خوشی و مسرت کے دوسرے کام بھی کیے ہیں، اس مہینے میں یا دسویں محرم کو شادی کرنا جائز ہے۔ اور اس مہینہ میں نکاح یا خوشی کے کسی کام ناجائز یا مناسب سمجھنا یا بدفالی لینا ہندوانہ عقیدہ ہے۔

بیوی کی تلخ کلامی پر شوہر کیا کرے؟

سوال: جو عورت اپنے شوہر کو ہر بات میں جواب دے، زبان چلائے،

---

(۱) توبہ: ۳٦ (۲) بخاری عن ابن ابی بکرہ باب قول ان عدۃ الشھور عند اللہ الخ کتاب التفسیر

شوہر کا کہانہ ماننے اور خاص کر ایسے گھر میں جہاں اولاد بھی جوان ہو، لیکن بیوی روزانہ شوہر سے تلخ کلامی اور گالی گلوچ کرے تو ایسے شوہر کو کیا کرنا چاہیے؟

(محمد نواز ناصح، جدہ)

جواب: ایک اچھی مسلمان بیوی کی نشانی یہ ہے کہ اس سے شوہر اور دوسرے رشتہ دار خوش رہتے ہوں اور اسے دعائیں دیتے ہوں، بشرطیکہ یہ شوہر اور یہ رشتہ دار سچے اور پکے مسلمان ہوں اور خود بھی دوسروں کے حقوق ادا کرنے والے ہوں اور یوں یہ تمام افراد ایک ہی گھر اور ایک ہی خاندان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کے حقوق و جذبات و احساسات کا خیال کرتے ہوئے اچھا مسلم گھرانہ تعمیر کرتے ہوں، لیکن جہاں ایک دوسرے کے حقوق سلب کر لیے جائیں، جہاں ایک دوسرے پر ظلم ہو رہا ہو، جس گھر میں رہنے والے افراد ایک دوسرے کے بارے میں ہمیشہ براگمان اور بری سوچ رکھتے ہوں، جہاں بات بات پر آئے دن تلخ کلامی اور شور و غل ہوتا ہو، ایسے گھر کے افراد نہ تو اپنے گھر و خاندان کو بچا سکتے ہیں اور نہ ہی مسلم معاشرے کی کوئی خدمت کر سکتے ہیں۔ شیطان کی روزِ اوّل سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلم معاشرے کے سکون کو تباہ و برباد کیا جائے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے شوہر اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرایا اور بار بار تلقین و ترغیب دلائی ہے کہ دیکھو ایک دوسرے پر ظلم مت کرنا، ایک دوسرے سے حسد نہ کرنا، ایک دوسرے کے بارے میں براگمان نہ رکھنا، اخوت و محبت سے رہنا۔

ہر اچھی مسلم خاتون کو یقیناً یہ علم ہوتا ہے کہ اس کی کیا کچھ ذمہ داریاں ہیں؟ اگر اس سے کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو شوہر کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے اور غلطی کی اصلاح کرنی چاہیے، اسی طرح اگر شوہر سے کبھی کوئی زیادتی ہو جائے تو بیوی تحمل اور صبر سے کام لے اور بعد میں کسی موقع پر اپنے شوہر کی اصلاح کرے، ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کر کے اسلامی اصولوں اور احکاماتِ دینیہ پر عمل کر کے کوئی بھی شخص اپنے گھر کو جنت بنا سکتا ہے۔

رخصتی سے قبل بیوی کا نفقہ

سوال : تین سال قبل میرا نکاح ہوا تھا، اس کے بعد میں سعودی عرب آگیا، رخصتی باقی ہے، لڑکی ابھی اپنے والدین کے گھر ہے؛ کیا بیوی کا خرچہ میرے ذمہ ہے؟ لڑکی کے والدین نہایت غریب ہیں، میں کچھ دینا بھی چاہتا ہوں تو میرے گھر والے دینے نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے گھر آئے گی تب ہم پر ذمہ داری ہوگی۔

(اختر حسین، خمیس مشیط)

جواب : شادی کے بعد بیوی خود یا اس کے گھر والے رخصتی کرانا نہیں چاہتے تو یقیناً ایسی صورت میں شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب نہیں، لیکن بیوی اور اس کے گھر والے رخصتی چاہتے ہیں اور رکاوٹ شوہر کی طرف سے ہے تو پھر شوہر کو شرعاً بھی بیوی کا خرچہ دینا ضروری ہے، (۱) اپنی ذمہ داری پوری کرنے یا کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے لیے گھر والوں سے اجازت لینا یا ان کو اس کی اطلاع دینا ضروری نہیں۔

اولادِ نرینہ کے لیے دوسری شادی

سوال : میری تین بچیاں ہیں، جب کہ لڑکا نہیں ہے، میرے چار عدد آپریشن ہوئے اور سارے بچے بڑے آپریشن سے ہوئے، یہ میرا آخری آپریشن ہوگا، میرے شوہر کو گھر والے دوسری شادی کے لیے تنگ کر رہے ہیں، جب کہ میں کہتی ہوں ایک مرتبہ اور دیکھ لوں، مجھے قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی وظیفہ بتائیں جسے میں آسانی سے کر سکوں اور اللہ تعالیٰ لڑکے سے نواز کر میری مشکل آسان کرے، ورنہ میرا اور میرے بچیوں کا مستقبل خراب ہو جائے گا، میں ایک دکھی بہن ہوں، میری مشکل و پریشانی دور کرنے میں میری مدد کریں۔

(ایک بہن، مکہ مکرمہ)

---

(۱) ہندیہ میں ہے : الكبيرة إذا طلبت النفقة و هى لم تزف إلى بيت الزوج فلها ذلك إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة ...... و عليه الفتوىٰ (ہندیہ : ۱/۵۵٤)

جواب: اولاد دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، خود ربّ کریم نے ارشاد فرمایا کہ وہی جسے چاہتا بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، جسے چاہتا بیٹے اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے اور جس کے لیے نہیں چاہتا اسے کچھ بھی نہیں دیتا، وہی حقیقی اور صحیح علم والا اور قدرت وتقدیر والا ہے۔(۱)

آپ اس لحاظ سے کم از کم خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹیاں دی ہیں، آپ ذرا ان سے پوچھیں جن کو اولاد نہیں ہے تو وہ حسرت وافسوس اور تمنا و شوق سے کہیں گے کہ کاش لڑکی ہی مل جاتی اور کاش کہ ایک ہی لڑکی ہو جاتی، انسان کسی بھی حال میں مطمئن اور قانع نہیں ہے، ہر اچھی اور عمدہ چیز کی لالچ و حرص اسے زندگی بھر بے چین کیے رہتی ہے، اگر ہم لوگ ہر حال میں شکر کرنے کی عادت اپنالیں، تو کم از کم اپنی زندگی کو ضرور پر سکون اور آرام دہ بنا سکتے ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں کو دیکھا کرو جو (دنیاوی طور پر) تم سے کم درجہ کے ہیں، تاکہ تم شکر ادا کر سکو، اگر ان کو دیکھو گے جو تم سے اونچے ہیں تو ناشکری پیدا ہو گی۔"(۲)

اگر چہ یہ خواہش بھی جائز اور رَوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹیوں کے بجائے بیٹا دے، لیکن بیٹے کا ہونا کوئی اتنی بڑی نعمتِ بے بہا بھی نہیں، جیسا کہ ہم لوگوں نے سمجھ لیا ہے، اولاد اگر صالح و نیک ہو تو یہ بیٹیوں یا بیٹوں دونوں صورتوں میں زینت ورونق دنیا اور ذخیرۂ آخرت اور اگر صالح نہ ہو تو بیٹی بھی عذاب اور بیٹا بھی باعثِ ذلت ورسوائی۔

آپ ہر نماز کے بعد سورہ آلِ عمران آیت نمبر ۳۸ میں موجودہ دعاءِ زکریا طاق عدد میں پڑھ لیا کریں، اسی طرح سوہ الانبیاء: آیت نمبر: ۸۹ بھی طاق عدد میں پڑھیں، اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگتی رہیں، آپ تو خود مکہ مکرمہ میں رہتی ہیں، حرم جا کر خوب دعائیں کریں، اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے جو فیصلہ کرتا ہے، بندے کی دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہوتی ہے، سورہ البقرۃ: آیت نمبر ۲۱۶ میں ارشاد ہے: "ممکن ہے کسی چیز کو تم ناپسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے

---

(۱) الشوریٰ: ۴۹ - ۵۰ (۲) مسلم عن أبی ھریرۃ، کتاب الزھد

حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر سفر

سوال: کیا عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنا گھر چھوڑ کر دس پندرہ دن کے لیے کسی دوسرے شہر (رشتہ دار وغیرہ کے یہاں) جا سکتی ہے؟
نیز شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے یا سسرال کی اجازت کافی ہے؟

(شیر خاں، بحرین)

جواب: چاہے ایک دن یا اس سے بھی کم وقت کے لیے کہیں جانا ہو تو شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر عورت کے لیے نفل روزہ رکھنے کی بھی شرعاً گنجائش نہیں تو اس کی اجازت کے بغیر باہر جانا کیسے جائز ہوگا، اس سلسلے میں شوہر ہی کی اجازت معتبر ہوگی، (۱) ہاں اگر شوہر خود والدین یا گھر کے کسی اور فرد کی اجازت کو کافی سمجھتا ہو اور اسے اپنی طرف سے بھی اجازت تصور کرتا ہو تو الگ بات ہے، نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ دوسرا شہر اگر ۴۸ میل یا اس سے زیادہ ہو تو پھر بغیر محرم کے سفر کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ (۲)

حالتِ حیض میں نکاح

سوال: جس طرح حالتِ حیض میں عورت کو طلاق دینا جائز نہیں، اسی طرح کیا حالتِ حیض میں کسی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(محمد سلیم، بحرین)

جواب: حالتِ حیض میں اگرچہ طلاق دینا جائز نہیں، مگر کوئی دے دے تو طلاق پڑ جاتی ہے، بہتر یہ ہے کہ شوہر رجوع کر لے اور طلاق دینا ہی ہو تو پھر حالتِ طہر یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دے، حالتِ حیض میں عورت سے نکاح جائز ہے، البتہ نکاح کے بعد پاک

---

(۱) لیس للمرأة أن تخرج بغیر إذن الزوج (قاضی خان: ۱/ ۴۴۳، فتح القدیر: ۴/ ۲۰۷)
(۲) تاتار خانیہ: ۴/ ۱۸۷، بدائع الصنائع: ۴/ ۲۰

ہونے تک ہمبستری نہیں کی جاسکتی کیوں کہ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (۱) جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، تم ان کے قریب نہ جاؤ۔

پردیس اور ازدواجی زندگی

سوال: میں سات سال سے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ جدہ میں رہ رہی ہوں، بچے یہاں اسکول میں پڑھ رہے ہیں، اب میرے شوہر کا کہنا ہے کہ چوں کہ تنخواہ کم ہے اور اخراجات بڑھ گئے ہیں، لہٰذا تم لوگ انڈیا چلے جاؤ، وہیں بچوں کو پڑھاؤ، اگر ہم لوگ انڈیا چلے جاتے ہیں تو میرے شوہر ہر دو سال کے بعد صرف ایک ماہ کے لیے ہمارے پاس آسکیں گے اور دو سال ہم سے دور رہیں گے؛ کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

جواب: میاں بیوی کا آپس کا تعلق، محبت اور الفت اور اکٹھے ایک جگہ رہنا فطری بات ہے اور یہی شریعت نے حکم دیا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت میں جہاد کے لیے جانے والوں پر بھی یہ شرط عائد کر رکھی تھی کہ کوئی بھی شخص اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ عرصے تک دور نہیں رہ سکتا، بعد میں ایک ماہ جانے کا سفر اور ایک ماہ لوٹنے کا سفر ملا کر یہ مدت چھ ماہ کر دی گئی تھی، چھ ماہ سے زیادہ کسی شرعی اشد ضرورت کے بغیر شوہر کا اپنی بیوی سے دور رہنا مناسب نہیں۔ (۲)

بیرونِ ملک ملازمت اور ریال کمانا شرعی ضرورت نہیں ہے، اسے حرص و لالچ کہا جائے گا، جو لوگ اپنی بیوی سے عرصۂ دراز تک دور رہتے ہیں، خود اور ان کی بیویاں بھی نفسیاتی بیمار بن جاتی ہیں، اور تو اولاد احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہی ہے، چوں کہ باپ گھر میں موجود نہیں رہتا، لہٰذا اولاد جوں جوں عمر کے مراحل طے کرتی ہوئی لڑکپن اور جوانی کی حدود میں داخل ہوتی ہے، ان میں بے ادبی، نافرمانی، بغاوت و سرکشی، جرائم و تخریب کاری اور دوسری اخلاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ایسے کئی گھرانوں کو برباد ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہے جن کے سرپرست طویل

---

(۱) البقرة: ۲۲۲ (۲) غنية الطالبين: ۱/۱۳۳

عرصہ اپنے وطن سے دور اور اپنی بیوی بچوں سے دور رہتے ہیں، کئی شوہروں نے اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے جھوٹے خطوط پر اپنی بے گناہ بیوی کو طلاق دے دی اور زندگی بھر کا یہ زخم اور غم اپنے دل سے لگا لیا کہ ایک بے گناہ عورت پر یہ ظلم کیوں کیا؟ اولاد والدین سے باغی ہو کر تخریب کاروں کے گروہوں میں شامل ہو گئی۔

وہ لوگ جو اپنے بیوی بچوں سے سالہا سال دور رہتے ہیں، ان کی اولاد کو ان سے وہ انس نہیں ہوتا جو ساتھ رہنے والے والدین اور اولاد میں ہوتا ہے، دو سال قبل کیے گئے ایک اخباری سروے کے مطابق اپنی بیوی بچوں سے دور رہنے والے مردوں کی اکثریت (۸۰/فیصد) نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہے۔

آپ اپنے شوہر کو یہ تمام باتیں سمجھایئے اور روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرنے کی عادت ڈالیے، سادہ زندگی بسر کیجیے، فضول خرچی اور دوسروں کی نقالی میں اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلایئے، اللہ تعالیٰ سے زندگی، مال اور اولاد میں برکت کی دعا مانگتی رہیے اور جہاں بھی رہیے اکٹھے رہیے کہ یہی فطری زندگی ہے، اسلام غیر فطری زندگی کو کبھی بھی پسند نہیں کرتا۔

کیا منگنی توڑی جا سکتی ہے؟

سوال: ابھی کچھ عرصہ قبل میں چھٹی پر وطن گیا، والدین نے میرے رشتہ کے سلسلے میں کئی لڑکیاں دیکھیں، بالآخر ایک لڑکی انہیں پسند آئی، انہوں نے مجھے بھی دکھایا، میں نے والدہ سے کہا کہ اگر آپ کو لڑکی پسند ہے تو میں بھی اس پر راضی ہوں، پھر جلد ہی منگنی کی تاریخ طے کر دی گئی، منگنی سے دو تین دن قبل کچھ لوگوں نے مجھے وہم میں ڈال دیا کہ لڑکی سانولی ہے اور لمبی ہے وغیرہ، بالآخر منگنی ہو گئی، لیکن آج تک اس مسئلہ پر بے چینی محسوس کرتا ہوں، سوچتا ہوں کہ ابھی یہ حالت ہے، اگر نکاح کر لوں گا تو ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو جاؤں گا، اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ منگنی توڑ دوں؛ کیا شرعاً مجھے اس کا کوئی کفارہ دینا پڑے گا؟ امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے۔ (س، القطیف)

جواب: سب سے پہلی بات آپ یہ سمجھ لیں کہ اگرچہ شریعت میں اس بات کی اجازت اور گنجائش موجود ہے کہ اگر لڑکا چاہے تو وہ شادی سے قبل لڑکی کو دیکھ لے (یعنی منگنی یا نکاح سے قبل) جیسا کہ مختلف احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے، لیکن یہ عام قاعدہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ خود آپ ﷺ نے اور صحابہ کرامؓ کی اکثریت نے کبھی بھی شادی سے قبل ہونے والی بیوی کو نہیں دیکھا، نہ کسی نے اس بات کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی ایسا ہوا، یہاں ہم اس بات کی وضاحت کر دیں کہ جس معاشرے میں یا کسی خاندان میں اولاد کی طرف سے والدین کی پسند کے رشتے نہیں کیے جاتے تو ایسے حالات میں والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اولاد کی مرضی اور پسند کے خلاف کوئی رشتہ طے نہ کریں، تاکہ بعد میں ہونے والے گھریلو اختلافات اور خاندانی انتشار سے بچا جا سکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ منگنی اور نکاح کوئی کھیل مذاق نہیں ہے کہ اسے بار بار باندھا جائے اور توڑا جائے کہ یہاں تو دوسروں کے جذبات واحساسات، مستقبل، بلکہ زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے، لہٰذا منگنی توڑنے سے قبل آپ اچھی طرح سے سوچ لیں، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو آپ اس منگنی کو توڑ سکتے ہیں، شرعاً آپ کے لیے یہ جائز ہے اور اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں، لیکن چوں کہ آپ نے اپنے والدین سے یہ کہہ دیا تھا کہ ان کی پسند آپ کی پسند ہے، لہٰذا کسی دوست کے بہکاوے میں آکر یہ اقدام نہ کریں اور جہاں منگنی ہوئی ہے وہیں شادی کر لیں۔ عموماً مرد اپنی ہونے والی بیوی کے معاملے میں تو ہزار خوبیاں تلاش کرتے ہیں کہ حسن وجمال بھی ہو، سیرت وصورت بھی بے مثال ہو، مالدار و اچھا گھرانہ بھی ہو، لیکن کیا کسی نے کبھی اپنی شکل وصورت، اپنی سیرت اور اپنے خاندان کے بارے میں بھی سوچا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ حور صفت بیوی تلاش کرنے والے کو خود بھی تو یوسفِ ثانی ہونا چاہیے، یہ کیا بات ہوئی کی بیوی تلاش کی جائے حسن کی ملکہ اور اپنا عالم یہ ہو کہ آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بھی شرمائیں۔

اس وقت معاشرتی مسائل میں کثرتِ طلاق اور لڑکیوں کا وقت پر نکاح نہ ہونا اہم ترین مسائل ہیں، جن کے فوری حل کی ضرورت ہے، ہر ایک شخص اگر پری صفت اور مثل حور کی تلاش کرنے لگے تو باقی بچیاں کہاں جائیں، بات بات پر طلاق ہونے لگے تو گھر کا سکون کیسے باقی رہے؟ آپ نے لڑکی کے سانولی رنگت ہونے کے وہم کا ذکر کیا ہے تو کیا یہ ایسا عیب ہے جس کی وجہ سے منگنی توڑ دی جائے؟ ممکن ہے یہی سانولی رنگت والی لڑکی آپ کو اتنا پیار دے اور آپ کی اتنی خدمت کرے کہ آپ اپنی قسمت پر شک کرنے لگیں۔ قرآن نے تو ہم کو یہی ہدایت دی ہے کہ: ''ہو سکتا ہے کہ تم ایک بات کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور کبھی تم ایک بات کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''(۱)

ولیمہ کی شرعی حیثیت

سوال: ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی شخص ہنگامی حالت میں شادی کرے اور مالی پریشانیوں کی وجہ سے ولیمہ نہ کر سکے تو کیا وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ولیمہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ (خورشید انور، جدہ)

جواب: ولیمہ کرنا مسنون عمل ہے اور یہ ہر شخص کے لیے سنت ہے (۲) اگر کسی کی استطاعت نہیں ہے تو کم از کم درجے میں چند دوستوں ہی کو بلا کر اس سنت پر عمل کر لے، لیکن اسے ترک نہ کرے، شبِ زفاف گزارنے والے دن یا دوسرے دن ولیمہ کرنا سنت ہے، جیسا کہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے (۳) اگر یہ وقت گزر جائے اور کسی وجہ سے ولیمہ نہ کیا گیا ہو تو اب عام کس وقت میں ولیمہ کرنا مسنون نہیں، اگر احباب ورشتہ داروں کو کھانا کھلایا جائے تو یہ عام دعوت ہوگی نہ کہ ولیمہ اور اگر فقراء و مساکین کا کھانا ہو تو اسے صدقہ کہا جائے گا۔

---

(۱) (البقرة: آیت نمبر: ۲۱٦) (۲) لاخلاف بین أهل العلم فی أن الولیمة سنة فی العرس مشروعة (المغنی: ۲۱۲/۷) (۳) کتاب الاطعمة باب فی کم تستحب الولیمة: ۵۲٦/۲

شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے رشتہ داروں کی مدد کرنا

سوال: ہمارے کچھ رشتہ دار غریب اور نادر ہیں، میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں، لیکن ہمارے گھر (شوہر کے گھر) والے صرف اپنی جان پہچان کے لوگوں میں یہ رقم مدد کے طور پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، کیا میں ان سے چھپا کر یہ رقم ان غریبوں کو دے سکتی ہوں؟

(ش، ھ، الباحہ)

جواب: آپ کے سسرال والے جن لوگوں کو یہ رقم دینا چاہتے ہیں (جو کہ زکوٰۃ کی رقم ہے) اگر یہ لوگ واقعی مستحق ہیں تو ان کا یہ عمل جائز ہے، البتہ آپ انہیں رشتہ داروں اور قریبی لوگوں کی مدد کی طرف متوجہ کر سکتی ہیں کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ و صدقہ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرتا ہے اور ان کی مدد و خدمت کرتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے، ایک اجر صدقہ کرنے کا اور دوسرا اجر صلہ رحمی کا۔(۱)

شوہر یا سسرال والوں کی اجازت کے بغیر آپ ان کی رقم چھپا کر خرچ نہیں کر سکتیں، البتہ آپ کے اپنے مال میں سے جتنی آپ کی استطاعت ہے اتنا خرچ کر سکتی ہیں۔

زنا سنگین جرم ہے

سوال: زنا کبیرہ گناہ ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کافر کے ساتھ زنا کر کے آدمی نہانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے، مگر کفار میں بھنگی، چمار وغیرہ سے زنا کے بعد آدمی پاک نہیں ہوتا اور ایمان سے خارج ہو جاتا ہے؛ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: زنا کبیرہ گناہ ہے اور یہ معاشرے میں فساد و بگاڑ کا اہم سبب ہے، زنا کی وجہ سے زانی اللہ تعالیٰ کی لعنت اور عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے، زنا انسانی شرافت و عفت کے نظام پر بدنما داغ ہے، جسے صرف اخلاص و صدقِ دل کی توبہ ہی دور کر سکتی ہے، زنا حرام ہے، خواہ یہ جرم کوئی مسلمان مرد کسی غیر مسلم عورت کے ساتھ کرے یا مسلمان عورت کے

(۱) يجوز الدفع إليهم و هو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة (فتح القدير : ۲/۲۰۹)

ساتھ ہر حال میں یہ جرم سنگین ہے۔

شوہر و بیوی کے مزاج میں ہم آہنگی

سوال : چند سال قبل میری شادی ہوئی، مگر مجھ میں اور میری بیوی کے خیالات میں ہم آہنگی نہیں، پھر میں قدرے دینی رجحان کی طرف مائل اور میری بیوی قدرے ماڈرن، چنانچہ وہ اکثر میری نافرمانی کرتی ہے، بیوی کو شوہر کی مرضی کا تابع ہونا چاہیے کہ نہیں؟ اور شوہر کو کہاں تک بیوی کی مرضی کو قبول کرنا چاہیے؟

(ایک سائل، مدینہ منورہ)

جواب : ہر مسلمان نوجوان کو اپنی شادی سے قبل اپنی ہونے والے بیوی اور اس کے خاندان کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لینی چاہئیں، تاکہ شادی کے بعد کوئی تنازع و اختلاف نہ کھڑا ہو، اگر شادی ہو گئی ہے اور شادی کے بعد میاں بیوی کے مزاج میں ملاپ اور محبت نہیں ہے تو اس کا علاج بھی دین میں موجود ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں، ایک دوسرے کی خاطر اور اپنے مستقبل کی خاطر مزاج میں تحمل، صبر و قناعت اور رواداری پیدا کریں، ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمی، عیب، اور کمزوری ضرور ہوتی ہے، اگر ہم میں سے ہر ایک اپنے عیوب و نقائص پر نظر ڈالے اور اپنی اصلاح کی فکر کرے تو ہمارے سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے، اب چوں کہ آپ کی شادی ہو گئی ہے، لہٰذا آپ اس رشتے کو نبھائیے اور نرمی و حکمت سے گاہے بگاہے اپنی بیوی کو نصیحت کرتے رہیے، آپ اس کے لیے اچھی دینی کتابیں اور دینی کیسٹ سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں، اسی طرح اچھے دیندار لوگوں کے یہاں آنے سے بھی اصلاح ہوتی ہے۔

سالی سے زنا کا اثر

سوال : کیا سالی سے ناجائز تعلق سے اس کی بہن (یعنی بیوی) سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ اور کیا کسی کبیرہ گناہ سے (چاہے مرد کرے یا

عورت) نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟　　(ایک قاری، جدہ)

جواب: زنا کبیرہ گناہوں میں بھی بدترین گناہ ہے، جس کی سزا شریعت نے سو کوڑے اور بعض صورتوں میں رجم (یعنی پتھروں سے مار کر ہلاک کرنا) مقرر کی ہے، جرم ثابت ہو جائے تو اسلامی حکومت میں زانی وزانیہ پر "حدِ شرعی" (شرعی سزا) نافذ کی جائے گی، لیکن دوسرے کبیرہ گناہوں کی طرح اس کبیرہ گناہ سے بھی (بیوی سے) اس شخص کا نکاح نہیں ٹوٹتا، میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے یا کسی کلمۂ کفر کے بکنے کی وجہ سے کافر ہو جائیں تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، ورنہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کریں تو اس سے ان کا نکاح نہیں ٹوٹتا، سوائے اس کے کہ وہ اپنی ساس سے جنسی تلذذ کرے، اس صورت میں بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

اگر بیوی بدچلن ہو

سوال: اگر کوئی عورت بدچلن ہے اور اس نے اپنے شوہر کے سامنے حلفیہ طور پر کہا کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کر چکی ہے، پھر بھی شوہر نے اسے اپنی آنکھوں سے گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا تو کیا شوہر اسے قتل کر سکتا ہے؟

(باوا اعجاز، مدینہ منورہ)

جواب: اگر شوہر اپنی بیوی کو کسی اور کے ساتھ بری حالت میں دیکھ لے، یا اسے یقین ہو کہ واقعی عورت بدچلن ہے، تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع دے، لیکن ایسی حالت میں اپنی بیوی کو دیکھ کر خود اسے قتل کرنا شرعاً جائز نہیں، یہ تو شرعی عدالت کا کام ہے کہ وہ کسی بھی مجرم کو شرعی سزا دے، لوگوں کو اگر اس طرح سے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی اجازت مل جائے تو نہ جانے کتنے لوگ مارے جائیں۔

شریعت نے ایسے مرد سے چار گواہ طلب کیے ہیں، جیسا کہ سورۂ نور کی ابتدائی آیات میں یہ مسئلہ "لعان" تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، متفق علیہ حدیث میں

سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس مسئلے کی بابت حکیمانہ ومربیانہ انداز سے فرمایا: ''اے امتِ محمد! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اور غیرت والا نہیں ہے، اس کو بڑی غیرت آتی ہے، جب وہ اپنے کسی بندے یا کسی بندی کو حرام کاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔''(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کو حرام کاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے، پھر بھی ان کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اس موقع پر سزا نہیں دیتا، توبہ کرنے کا موقع دیتا ہے، اسی طرح بندے کو بھی غیرت میں آکر خود کسی کو سزا نہیں دینی چاہیے، بلکہ مجرم کو شرعی عدالت کے ذریعے شرعی سزا دلوائے، فقہاءِ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعی حدود نافذ کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، کوئی فرد اپنی طرف سے کسی کو بھی شرعی سزا دینے کا مجاز نہیں۔(۲)

آپ نے غور و فکر نہیں کیا کہ کتنے انسان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں زندگی، عافیت، رزق اور دوسری تمام نعمتیں دیتا رہتا ہے اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب زمین پر بسنے والا کمزور انسان اپنے ساتھ اپنی ہی طرح کے دوسرے انسان کو ایک خاص رشتے میں شریک کے طور پر برداشت نہیں کرتا تو احکم الحاکمین اور خالق ومالک کیسے اپنے ساتھ مخلوق میں کسی کو شریک برداشت کرے۔

ثبوتِ زنا میں میڈیکل رپورٹ

سوال: اسلام میں سب سے اذیت ناک سزا زانی اور زانیہ کے لیے ہے، بشرطیکہ چار گواہ چشم دید ہوں، مگر عورت اور مرد جب رضامندی سے زنا کریں گے تو ظاہر ہے کہ چوری چھپے کریں گے، گواہ تو پاس نہیں کھڑے کریں گے، لہٰذا اتنا بدترین جرم کرنے کے بعد بھی سزا سے بچ جائیں گے؛ تو کیا اس سلسلے میں میڈیکل رپورٹ سے مدد لی جاسکتی ہے؟

(ایک قاری، جدہ)

---

(۱) بخاری: باب الصدقة في الكسوف (۲) بدائع الصنائع: ۵۷/۷

جواب: حدودِ شرعی کا نفاذ اسلامی حکومت میں حاکم یا شرعی قاضی ہی کر سکتا ہے، کسی اور کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ خود کسی پر شرعی حد قائم کرے، نیز شرعی حد کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ جرم مکمل طور پر ثابت ہو، جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مجرم خود قاضی کے سامنے جرم کا اقرار کر لے اور دوسری صورت یہ ہے کہ چار گواہوں کے ذریعے جرم ثابت کیا جائے، ثبوتِ جرم کے سلسلے میں اگر کچھ بھی شبہ پیدا ہو جائے تو "حدِ شرعی" ساقط ہو جاتی ہے، لیکن قیاس و قرائن کی بنا پر قاضی "تعزیری سزا" دے سکتا ہے، جو حالات اور زمانہ نیز مجرم اور اس کے جرم کے لحاظ سے حدِ شرعی کے قریب قریب بھی ہو سکتی ہے، یا اس کے علاوہ کوئی اور سزا قید و بند اور جرمانہ وغیرہ کی صورت میں بھی قاضی اس کا تعین کر سکتا ہے، چنانچہ حدِ زنا کے سلسلے میں بھی زانی و زانیہ اپنے جرم کا اقرار نہ کریں اور چار گواہ بھی موجود نہ ہوں تو ان پر میڈیکل رپورٹ کی بناء پر شرعی حد نافذ نہیں کی جا سکتی، البتہ تعزیری طور پر کوئی اور سزا دی جا سکتی ہے، جو قاضی کی صوابدید پر ہے، مثلاً انہیں سال دو سال کے لیے قید کر دیا جائے یا مالی تاوان اور جرمانہ ان پر عائد کیا جائے، یا شہر بدر کر دیا جائے، وغیرہ۔

شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا

سوال: کیا شوہر کی اجازت کے بغیر درسِ قرآن کی کسی محفل میں جانا جائز ہے؟

(ایک بہن، جدہ)

جواب: شوہر کو چاہیے کہ وہ نیکی کے کاموں میں اپنی بیوی کا تعاون کرے، درسِ قرآن اور دوسری دینی جائز تقریبات میں جانے سے اگر بیوی اور اہل و عیال کی اصلاح و تربیت ہو رہی ہے تو شوہر کو تعاونِ خیر پر یقیناً اجر و ثواب ملے گا، لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو درسِ قرآن میں جانے سے نہ روکے، اگر شوہر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو درسِ قرآن یا کسی دوسری دینی تقریب میں جانے سے روکتا ہے تو بیوی کے لیے بلا اجازتِ شوہر گھر سے نکلنا شرعاً ناجائز ہے، لیکن اگر بیوی بلا اجازتِ شوہر کے گھر سے باہر نکلے گی تو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے گی۔

سیدنا علیؓ کو دوسری شادی سے روکنے کی وجہ

سوال: اسلام میں ایک مرد کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، لیکن کیا یہ بات کوئی بھی شخص پسند کرتا ہے کہ اس کی بہن یا اس کی بیٹی پر دوسری سوکن لائی جائے، پھر جناب رسالت مآب ﷺ کے بارے میں بھی ہم نے ایک عالمِ دین سے سنا کہ ایک موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب دوسری شادی کرنی چاہی تو رسولِ کریم ﷺ نے سختی سے منع کیا؛ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(نزہت آصف جاہ، حائل)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان مرد کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، لیکن یہ اجازت عدل، اعتدال، انصاف اور برابری کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے، اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ان امور کے بارے میں کمزور اور کم ہمت پاتا ہے تو اسے دوسری شادی نہیں کرنی چاہیے، آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی بہن یا بیٹی پر دوسری سوکن کو پسند نہیں کرتا، یہ بالکل درست ہے، اس لیے کہ کوئی بھی شخص اپنی بیٹی یا بہن پر ظلم وزیادتی اور اس کے حقوق کا غصب کرنا پسند نہیں کرتا، رسولِ کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسری شادی سے چند وجوہات کی بناء پر منع فرمایا:

ایک وجہ تو وہ فطری محبت ہے جو ہر باپ کے دل میں اپنی بیٹی کے لیے ہوتی ہے، اس سلسلے میں جو روایات کتبِ احادیث میں نقل کی گئی ہیں، ان میں ایک روایت میں آپ ﷺ کے یہ الفاظِ مبارک موجود ہیں کہ ''ہشام بن المغیرہ'' نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی علیؓ کو بیاہ دیں، میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا، پھر میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا، پھر میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا، البتہ ابو طالب کا بیٹا (علی) چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے، میری بیٹی میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جس کام (یا شخص) سے وہ خوش ہو، میں اس سے خوش

ہوتا ہوں، جس کام (یا شخص) سے وہ ناراض ہو، میں ناراض ہو جاتا ہوں۔"(۱) یہ حدیث شفقتِ پدری اور اس خاص محبت کا کھلا اظہار ہے جو رسولِ کریم ﷺ کو اپنی اس بیٹی سے تھی، اسی لیے آپ ﷺ نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا۔

دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جس عورت کو اپنے گھر دوسری بیوی بنا کر لانا چاہتے تھے، وہ رسولِ کریم ﷺ کے دشمن کی بیٹی تھی، اسی لیے آپ ﷺ کی غیرت نے اس بات کو برداشت نہ کیا، اس بارے میں دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "فاطمہ مجھ سے ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے سخت آزمائش سے دوچار نہ ہونا پڑے، میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا، لیکن اللہ کی قسم ایک شخص کے گھر میں اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی اکٹھے ہو کر نہیں رہ سکتیں۔"(۲) یہ حدیث صاف صاف وضاحت کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ وہ جس خاندان کی عورت سے شادی کرنا چاہتے تھے، یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے۔

بیمار بیوی سے وظیفۂ زوجیت پر اصرار

سوال: ہماری شادی کو چند سال کا عرصہ ہو گیا ہے، ماشاء اللہ کئی بچے ہیں، اب میری صحت کمزور ہو گئی ہے، کئی بار آپریشن کے ذریعہ بچوں کی ولادت ہوئی، شوہر کی تنخواہ اتنی زیادہ نہیں ہے کہ ہم کوئی ملازمہ رکھ سکیں، گھر کے سارے کام کاج میں خود ہی انجام دیتی ہوں، چوں کہ میرے شوہر آپ کے دروس میں باقاعدگی سے حاضری دیتے ہیں اور "اردو نیوز" میں آپ کے جوابات بھی پڑھتے ہیں، اس لیے میں اپنا یہ گھریلو مگر حساس مسئلہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں، میرے شوہر وظیفۂ زوجیت پر شدید اصرار کرتے ہیں، جب کہ میری صحت اور میری موجودہ حالت اس بات کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی، میں دبے الفاظ میں کئی بار شوہر کو سمجھا چکی ہوں، لیکن وہ اسے اپنا شرعی حق سمجھتے ہیں،

---

(۱) بخاري: ۱۰۵/۵ كتاب المناقب ط: بيروت (۲) مسلم عن علي بن الحسين، باب من فضائل فاطمة، أبواب المناقب

آپ نے اپنے درس میں ایک بار اشارتاً یہ مسئلہ بیان کیا تھا، لیکن چوں کہ وضاحت نہیں کی تھی، اس لیے میرے شوہر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو جوڑے جوڑے اس لیے بنایا تاکہ یہ ایک دوسرے کے آرام و سکون کا باعث بنیں، (۱) رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو مستقل سنت قرار دیا، قرآن نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کی ضرورت، بلکہ ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ (۲)

شریعتِ اسلامیہ نے دونوں کے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں، تاکہ توازن برقرار رہے اور دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے، فرمایا: اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔" (جس کے نام پر تمہارے رشتے قائم ہوتے ہیں۔) (۳)

اگرچہ شوہر (مرد) کے اختیارات اور درجات بلند اور زیادہ ہیں، لیکن یہ محض اس وجہ سے نہیں ہیں کہ وہ صرف مرد ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریوں کے پیش نظر اس کا درجہ اونچا رکھا گیا ہے، اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ مرد اپنے ان حقوق کا ناجائز استعمال کرے اور عورت پر ظلم کرے، میاں بیوی کے آپس کے "خاص" تعلقات بھی کچھ اسی نوعیت کے ہیں کہ اس بارے میں دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت کا احساس ہونا چاہیے، کسی ایک طرف سے جبر و زبردستی گھریلو تعلقات میں بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔

شوہر اور بیوی دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں، ان دونوں میں سے جو بھی حد سے تجاوز کرے گا، وہ ظالم کہلایا جائے گا کہ زیادتی اور تجاوز ظلم ہی کی ایک قسم ہے، وظیفۂ زوجیت ایک شرعی حق ہے بلکہ اس کی ضرورت ہے، لیکن اس حق کے استعمال کے کچھ آداب اور قیود ہیں، جن کا خیال رکھنا ضروری ہے، نکاح کے فوائد اور حکمتوں کا ایک بڑا فائدہ اور حکمت یہ بھی ہے کہ نکاح کی وجہ سے انسان کئی برائیوں

---

(۱) سورہ نساء، آیت نمبر: ۱، سورہ روم، آیت نمبر ۲۱ (۲) بقرہ آیت نمبر: ۱۸۷
(۳) النساء: آیت نمبر: ۱

سے بچ جاتا ہے اور معاشرے میں فساد و تخریب کا باعث نہیں بنتا، اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے تعاون نہیں کرتے تو اس بات کا اندیشہ و خطرہ ہے کہ شیطان اس معاملہ کو بگاڑ دے یا کم از کم شیطان کو مداخلت کا موقع مل جائے۔

لیکن دوسرے امور کی طرح اس بارے میں بھی اعتدال ضروری ہے، اور حد سے تجاوز کرنا نقصان دہ ہے، **خیر الامور أوساطها**، ہر معاملہ میں میانہ روی بہتر ہے، خواتین کے مخصوص ایام اور ولادتِ مولود کے ایام اور اسی طرح اگر بیوی بیمار ہے اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ بیماری کی صورت میں مرد اپنی بیوی کو قربت پر مجبور نہیں کر سکتا(۱)، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ ظالم ہے، بیوی ایسے شوہر کے خلاف شرعی عدالت میں جا کر شکایت کر سکتی ہے، آپ کے شوہر کا اس بارے میں یہ کہنا کہ یہ ان کا شرعی حق ہے، بالکل غلط بات ہے، یہ شرعی حق نہیں، جنسی آوارگی ہے، اگر وہ آپ کو بیماری کی حالت میں بھی معاف نہیں کرتے تو یہ صریحاً ظلم وزیادتی ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا حل (جو کہ ظاہری اعتبار سے مشکل اور تکلیف دہ ہے) یہ ہے کہ آپ کے شوہر دوسری شادی کرلیں، اگر وہ دو بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھ سکتے ہیں اور حالات کا تقاضہ ہے تو آپ انہیں دوسری شادی کی اجازت دے دیں۔

آپ کے شوہر چوں کہ "اپنے حق شرعی" کا بار بار حوالہ دیتے ہیں، اس لیے ان کی صحیح رہنمائی اور فائدے کے لیے متعدد شرعی حوالے دیئے جاتے ہیں۔

مثلاً ابن حزم الظاہریؒ نے لکھا ہے کہ: "اگر عورت مخصوص ایام سے ہے یا بیمار ہے تو وہ اپنے شوہر کا یہ حکم نہ مانے۔"(۲) ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ نے اپنی کتاب الفقہ الاسلامی اور ڈاکٹر زیدان نے اپنی مشہور کتاب المفصل فی احکام المرأۃ میں لکھا ہے کہ بیوی شوہر کے اس حکم کو رد نہیں کر سکتی، سوائے اس صورت کے کہ اس فعل سے بیوی کو سخت تکلیف اور ضرر کا اندیشہ ہو، کیوں کہ بیوی کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔(۳)

آپ کے شوہر سے آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس بات کی کوشش

---

(۱) المغنی: ۲۲۶/۷ (۲) المحلی: ۲۳۱/۹ (۳) المفصل فی احکام المرأۃ للدکتور عبد الکریم زیدان

کریں کہ رات کی عبادت میں کثرت اور خشوع و خضوع پیدا کریں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین میں سے کتنے ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں، لیکن کسی کے بارے میں یہ بات ثابت نہیں کہ ان کا طرزِ عمل ایسا ہو، وہ لوگ تو راتوں کو کم سوتے تھے اور اکثر حصۂ شب نوافل و تلاوت اور استغفار میں گزارتے تھے، رات کے قیام (یعنی تہجد) اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عبادت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو محبوب تر ہے، آپ راتوں کو کثرت سے عبادت کیجئے اور اپنے تمام کاموں میں میانہ روی اختیار کیجئے۔

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

خود لذتی حرام ہے

سوال: کئی لوگ ایسے ہیں کہ وطن سے دور رہنے کی بناء پر اپنی نفسانی خواہشات کو کم کرنے کے لیے اپنے ہی ہاتھوں سے تلذذ حاصل کرتے ؛ کیا شرعاً یہ فعل جائز ہے؟ ایک صاحب نے اس پر اصرار کرتے ہوئے کہا کہ زنا حرام ہے، لیکن خود لذتی جائز ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

(عبداللطیف، کمپا، نجران، محمد خالد احمد، حفر الباطن)

جواب: جس طرح انسان کے لیے کھانا پینا اور دوسری ضروریاتِ زندگی لازم و ملزوم ہیں، اور انسان ان کو جائز و مباح اور حلال طریقے سے پورا کرتا ہے، بالکل ویسے ہی جنسی خواہشات ہیں کہ ان کو بھی حلال و جائز طریقے سے پورا کرنا ضروری ہے، نکاح کے بے شمار فوائد ہیں، ایک بڑا فائدہ بلکہ اوّلین مقصد یہی ہے کہ مسلمان بالغ مرد اور عورت بالغ ہونے کے بعد کسی بھی قسم کی بے راہ روی اور فساد و بگاڑ میں نہ پڑیں، اس کا بہترین علاج و طریقہ نکاح ہے، اسی حکمت کے پیش نظر اسلام نے نکاح اور اس سے متعلق تمام امور کو آسانی اور اچھے طریقے سے طے کرنے کا حکم دیا ہے، اسلام ہی یہ حکم دیتا ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو فوراً شادی کر لینی چاہیے، تاکہ معاشرہ میں امن

وسکون برقرار رہے، یہ ذمہ داری والدین کی ہے کہ وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے رشتے فوراً آسان طریقے سے طے کریں اور دنیوی رسم ورواج یا دوسری کسی مصلحت کی وجہ سے اس میں تاخیر نہ کریں۔

وہ نوجوان جو اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکے، ان کیلئے طریقۂ علاج بلکہ احتیاطی تدابیر میں سب سے اہم چیز نگاہوں کی حفاظت ہے، نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس سے وہ شکار کرتا ہے، دوسری اہم تدبیر یہ ہے کہ غیر شادی شدہ نوجوانوں کو کسی حرام یا برے کام میں ملوث ہو جانے کا ڈر ہو تو ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ (مسلسل) نفلی روزے رکھیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کر سکتا ہو تو وہ شادی کر لے، کہ یہ نگاہوں اور شرمگاہ (دونوں کی) حفاظت کے لیے بہترین چیز ہے، جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو (اسے چاہیے کہ) وہ روزے رکھے کہ، یہ اس کے لیے ڈھال ہے۔''(۱)

وہ لوگ جو شادی شدہ ہیں، مگر اپنی بیویوں سے دور ہیں، ان کے لیے بھی یہی علاج مناسب اور درست ہے کہ وہ نفلی روزے رکھیں کہ روزہ ڈھال ہے، خود لذتی کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ عمل بھی کبیرہ گناہ ہے(۲) جہاں ایک طرف شرعی طور پر کبیرہ گناہ ہے، وہیں طبی اصول کے تحت بھی یہ عمل مرد کے لیے نقصان دہ ہے کہ اس سے قوتِ مردی ضائع ہو جاتی ہے اور اس کی عادت ہو جائے تو بالآخر ختم ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ دوسری کئی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کام سے سختی سے پرہیز کیا جائے، اگر کوئی شخص زنا سے بچنے کی خاطر یہ عمل کرتا ہے تو بعض علماء نے غلبۂ شہوت کی ایسی حالت میں اس عمل کو جائز قرار دیا ہے کہ ایسا کرنے سے وقتی طور پر بڑے گناہ سے انسان بچ جاتا ہے، لیکن یہ عمل بہر حال ناپسندیدہ اور نامناسب ضرور ہے۔

شوہر کا نام لینا

سوال: کیا عورت اپنے شوہر کو نام لے کر پکار سکتی ہے، یا کسی محفل

(۱) ترمذی عن ابن مسعود، اوائل أبواب النكاح (۲) كنز العمال: ۱۹٤/۸

میں دوسروں کے سامنے اس کا نام لینا جائز ہے؟

(عبداللہ، جدہ)

جواب: شوہر چوں کہ رتبہ اور مرتبہ میں بیوی سے بڑا ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر عمر میں بھی، اس لیے شوہر کا نام لے کر پکارنا خلافِ ادب ہے، البتہ کسی محفل میں یا کہیں بھی شوہر کا نام لینے کی ضرورت پڑے تو اس کا نام لینے میں کوئی قباحت نہیں۔(۱)

کیا بچے کو ماں کا دودھ پلانا ضروری ہے؟

سوال: کیا عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے؟

(عارف باللہ، ریاض)

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں۔"(۲) لیکن کسی عذر یا کسی دوسری مجبوری کی وجہ سے اگر کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتی یا دو سال تک اپنا دودھ نہیں پلا سکتی، تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، لیکن بلا کسی وجہ اور ضرورت کے اپنے بچوں کو آیاؤں اور دایوں کے حوالے کرنا یا انہیں بازاری دودھ پلانا مناسب نہیں ہے، طبی اور سائنسی تحقیق نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ماں کا اپنا دودھ بچے کے لیے سب سے اچھی اور بہترین غذا ہے۔

بچوں کو دودھ پلانا ماں کا حق ہے

سوال: میری بچی کی عمر چار ماہ ہے، میں اب تک اسے اپنا دودھ دیتی رہی ہوں، اب اسے بازار کا دودھ دینا شروع کیا ہے، جب کہ مجھے اپنا دودھ پلاتے ہوئے کوئی تکلیف یا دودھ کی کمی وغیرہ کی شکایت بھی نہیں ہے، اب میری ساس نے مجھے کہا ہے کہ شرعاً تم دو سال دودھ پلانے کی پابند ہو؛ کیا شرعاً ماں اپنے بچے کو لازمی طور پر دو سال تک دودھ پلائے گی؟

(شبانہ جاوید برکی، طائف)

---

(۱) درّمختار مع الرد : ۷٤۰/٦ ط : بیروت (۲) سورہ بقرہ ، آیت نمبر : ۲۳۳

جواب: شرعاً ماں اس بات کی پابند ہے کہ وہ اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے، جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت نمبر: ۲۳۳ میں ارشاد ہے، اگر کوئی ماں بلا عذرِ شرعی اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتی تو وہ گنہگار ہے، البتہ کسی عذر یا مرض کی وجہ سے وہ چاہے تو بازاری دودھ پلا سکتی ہے۔

والدین پر اولاد کی شادی کی ذمہ داری

سوال: میرے والد اور چچا نے اپنی اولاد کے لیے وٹہ سٹہ کا رشتہ طے کیا، یعنی میرے والد نے اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے بھائی کے لڑکے کو دیا اور اپنے لڑکے کے لیے اپنے بھائی کی لڑکی کا رشتہ لیا، کچھ عرصہ تک تو دونوں بھائیوں میں اتفاق رہا، مگر پھر بعد میں گھریلو ناچاقی کی وجہ سے میرے چچا نے اپنی بیٹی اور بیٹے کی شادی دوسری جگہ کر دی، اب مسئلہ میری بہن اور بھائی کا ہے، ہم والد صاحب کی ضد کی خاطر ابھی تک شادی نہ کر سکے اور بہن کی عمر بھی ۲۴ سال سے زیادہ ہو رہی ہے، میرے والد صاحب ابھی تک اسی ضد پر ہیں کہ اگر میرے بھائی نے اپنی اولاد کی شادی کر دی تو کیا ہوا، میں اپنی لڑکی کی شادی اپنے بھائی کے کسی دوسرے لڑکے سے کروں گا، لیکن بھائی کے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ شادی نہیں کروں گا، اگر میں اپنی بیٹی کی شادی کسی دوسری جگہ کرتا ہوں تو اس بات پر یعنی اپنی زبان کی پاسداری نہ کرنے پر اللہ پاک مجھے سزا دیں گے، میں بھی یہ مانتا ہوں کہ وعدہ خلافی بہت بڑا گناہ ہے لیکن کیا کوئی فریق یا بھائی وعدہ کرے تب بھی دوسرے کو اللہ تعالیٰ سزا دیں گے؟ کیوں کہ دونوں بھائیوں میں وعدہ کچھ اس طرح ہوا تھا کہ ہم دونوں بھائی اپنی اولاد کے رشتے آپس میں کریں گے، میں اس مسئلہ میں بڑا پریشان ہوں، کیوں کہ جب بھی میں پاکستان جاتا ہوں تو بہن کی شادی کے مسئلہ پر والد صاحب سے بات کرتا ہوں کہ دیکھئے چچا نے چھ سال پہلے ہی اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے، اب ہم کو بھی اپنی

بہن کی شادی کر دینی چاہیے، رشتے بھی آتے ہیں، مگر والد صاحب کی ایک ہی بات ہے کہ اگر تم اپنی بہن کی شادی کسی دوسری جگہ کرو گے تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا، اب میری بچیاں بھی جوان ہو رہی ہیں، اگر میں بہن کو گھر بٹھا کر اپنی بچیوں کی شادی کر دوں تو بھی لوگوں کی باتیں سننی پڑیں گی، میں بطورِ جرگہ کچھ لوگوں کو والد صاحب کے پاس لایا کہ شاید بات بن جائے اور میری بہن کی شادی کا مسئلہ حل ہو جائے، مگر نہیں ہوا؛ قرآن و سنت کی روشنی میں میرے اس مسئلہ کا حل بتائیں، میں آپ کا مشکور رہوں گا اور شاید والد صاحب کو بھی میں اس ذریعہ سے مطمئن کر سکوں۔

(محمد نواز، ریاض)

جواب: والد پر اولاد کے جو حقوق اور ذمہ داریاں ہیں، ان میں ایک اہم حق بلوغ کے بعد شادی کا ہے جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کی جلد شادی کر دے، بلا وجہ شادی میں تاخیر معاشرہ میں بہت سی خرابیوں کے پیدا ہونے اور برائیوں کے عام ہو جانے کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: "اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کر لے، کیونکہ یہ نظر کو بہت نیچا رکھتا ہے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح سے نظر اور شرمگاہ محفوظ ہو جاتی ہے اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزے رکھے، کیوں کہ یہ اس کے لیے ڈھال ہے۔(۱) لڑکیوں کے سرپرستوں کو آپ ﷺ نے یہ ضروری ہدایت بھی دی کہ جب ان کیلئے کوئی مناسب رشتہ آجائے تو اسے قبول کر کے ان کا نکاح کر دو، بلا وجہ تاخیر نہ کرو۔ ترمذی میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق سے مطمئن ہو تو اس کا پیغام منظور کر کے اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا

(۱) بخاری: ۷۵۸/۲، باب قول النبی من استطاع منکم الباءة الخ

نہ کرو گے تو زمین پر بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو گا،(۱) یعنی اگر کوئی دیندار اور اچھے اخلاق و اطوار کا حامل شخص تمہاری بیٹی یا تمہاری بہن وغیرہ سے نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کا پیغام منظور کر لو اور اس کا نکاح کر دو، ورنہ معاشرہ میں بدکاری اور برائی عام ہو گی اور بڑا فتنہ و فساد پیدا ہو گا، جیسا کہ آج اس کا مشاہدہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں والدین سے بغاوت کر کے گھر سے راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں، اگر ان کی صحیح تعلیم و تربیت ہو اور وقت پر اس کا نکاح کر دیا جائے تو بڑی حد تک معاشرہ میں پھیلی برائیوں کا سدّباب ہو سکتا ہے۔

اگر باپ اپنے اس فرض اور ذمہ داری کی انجام دہی میں کوتاہی کرے اور اولاد گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہو گا، سیدنا ابو سعید خدری اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے (یعنی اسے شریعت کے احکام و آداب اور زندگی کے بہترین طریقے سکھائے، تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و سربلند ہو) اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر لڑکا بالغ ہو (اور غیر مستطیع ہو) اور اس کا باپ (اس کا نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہو گا۔ (۲) یہ حکم لڑکے کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ لڑکی کے بارے میں بھی بدرجۂ اولیٰ یہی حکم ہو گا۔ سیدنا عمر بن الخطاب اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی (یعنی بدکاری وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ کے سر ہے۔'' (۳)

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ سرپرستوں کو اپنی اولاد کے نکاح کے معاملہ میں غیر ضروری تاخیر نہیں کرنی چاہیے، جہاں تک نکاح سے قبل کسی کے رشتہ کے سلسلے میں بات چیت اور وعدہ کا تعلق ہے تو یقیناً اس کا پاس و لحاظ کرنا ضروری ہے، وعدہ خلافی

---

(۱) ترمذی: ۱/۲۰۷، کتاب النکاح (۲) مشکوۃ المصابیح الفصل الثالث باب الولی فی النکاح و استیذان المرأۃ (۳) حوالہ سابق

اسلامی تعلیمات کے خلاف اور کبیرہ گناہ ہے، لیکن جہاں دو طرفہ وعدہ ہو کہ دو فریق آپس میں کسی بات پر اتفاق کریں تو یہ دراصل وعدہ نہیں بلکہ معاہدہ ہے (جو وعدہ ہی کی ایک قسم ہے) معاہدہ کی خلاف ورزی ہرگز جائز نہیں لیکن جب ایک فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر گزرے تو شرعاً یہ معاہدہ ختم ہو جاتا ہے، اب دوسرے فریق پر اس کی پابندی ضروری نہیں رہتی، اس کی بڑی واضح مثال صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کا کفارِ مکہ سے چند باتوں پر معاہدہ ہوا جن میں ایک بات یہ تھی کہ ہم دو فریق دس سال تک آپس میں جنگ نہ کریں گے، لیکن دو سال کے اندر ہی کفار نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو آپ ﷺ نے اخلاقاً ان کے پاس قاصد کے ذریعہ یہ پیغام بھجوایا کہ اب ہمارے درمیان کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا، اس لیے کہ تم نے معاہدہ توڑ دیا، پھر آپ ﷺ زبردست لشکرِ اسلام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور "فتح مکہ کا تاریخی واقعہ پیش آیا۔

بہر حال جب آپ کے چچا نے وعدہ خلافی کی تو اب شرعاً آپ کے والد پر ان سے کیے گئے وعدہ کو پورا کرنا ضروری نہیں، وہ وعدہ وفائی کے گمان میں اپنی لڑکی کے سلسلے میں حق تلفی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور بندوں کے حقوق کے معاملہ میں کوتاہی بہت بڑا گناہ ہے، انہیں چاہیے کہ جلد از جلد اپنی لڑکی کے لیے مناسب رشتہ تلاش کریں اور اس کا نکاح کر کے اپنی اہم ذمہ داری کو ادا کریں، اگر ان کی کوتاہی اس معاملہ میں برقرار رہے تو آپ یا اور دوسرے سرپرست لڑکی کا نکاح کروا سکتے ہیں، والد صاحب کی بیجا خفگی و ناراضگی کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی حیثیت نہیں (ہاں اگر کسی جائز و مباح معاملہ میں والدین ناراض ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی سبب ہے) اسی طرح بہن کی شادی سے قبل اپنی لڑکیوں کی شادی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

بابرکت نکاح

سوال: میں دو سال سے یہاں سعودی عرب میں کام کر رہا ہوں، میری ابھی تک شادی نہیں ہوئی، پاکستان میں والد صاحب کے ذمہ کچھ قرض

بھی ہے جس کا وہ مجبوراً سود بھی دیتے ہیں، دوسری طرف میری منگیتر جوان ہے، سسرال والوں کا تقاضہ ہے کہ جلد شادی کرو، گھر میں بھائی اور والدہ کا اصرار ہے کہ تمہاری شادی آخری ہے، الہٰذا جلدی نہ کرو، دھوم دھام سے تمہاری شادی ہو گی، میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ والد صاحب کا قرض ادا کروں یا وطن جاکر شادی کروں؟ اور شادی بھی والدہ اور بھائی کی مرضی کے مطابق یا کیسی؟

(ایم ابرابر، تبوک)

جواب: بہتر ہے کہ جلد سے جلد والد صاحب کا قرض ادا کر کے انہیں سود کی لعنت سے بچائیں اور اسی کے ساتھ کوشش کریں کہ نکاح کی سنت بھی ادا ہو جائے، جو کہ آج کے اس پر فتن دور میں میاں بیوی کی عفت و عصمت کی بڑی حد تک محافظ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان نوجوانوں کو جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہوں اور اس کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھا سکتے ہوں، ایسے نوجوانوں کو آپ ﷺ نے نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے نگاہ نیچی رہتی اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے اور جو نوجوان اس قابل نہ ہوں انہیں اپنی خواہشات پر قابو پانے کے لیے کثرت سے روزے رکھنے کا حکم فرمایا۔(۱) ایک دوسری حدیث میں جو شخص نکاح کر لے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اپنا آدھا ایمان مکمل کر لیا۔(۲)

شادی جب بھی کریں شریعت کے مطابق کریں، فضول خرچی اور رسم و رواج سے پرہیز کریں، اسلام نے نکاح کو نہایت آسان بنایا ہے اور اس نکاح کو بابرکت قرار دیا ہے جس میں مالی تکلیف اور پریشانی کم ہو۔ ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "اتنا ہی زیادہ وہ نکاح بابرکت ہے جس میں مالی تکلیف و پریشانی جتنی ہی کم ہو۔" (۳) اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ناجائز کاموں میں (جس میں اللہ و رسول کی نافرمانی ہو) والدین یا کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں، لہٰذا آپ اپنی والدہ اور بھائی کو حکمت و

---

(۱) بخاری: ۷۵۸/۲، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من استطاع منکم الباءۃ الخ

(۲) مشکوۃ المصابیح عن أنس، کتاب النکاح و الفصل الثالث (۳) حوالہ سابق عن عائشۃ

نرمی کے ساتھ شریعت کے مطابق شادی کی مبارک رسم انجام دینے پر آمادہ کریں اور اس موقع پر ناجائز رسم و رواج کو انجام دے کر گناہ اور اللہ کی ناراضگی مول نہ لیں۔

بچپن ہی میں رشتہ طے کر لینا

سوال: عام طور پر یہ بات دیکھی گئی ہے کہ بچپن ہی میں لڑکے کے لیے لڑکی کا انتخاب کیا جاتا ہے، لڑکے اور لڑکی کے والدین کی طرف سے زبانی بات چیت ہوتی ہے کہ اس لڑکے کی شادی فلاں لڑکی سے کریں گے، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر باتوں پر طے ہونے والی لڑکی کو چھوڑ دیا جائے اور اس سے نکاح نہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ لڑکی کے والدین کی طرف سے انکار کی صورت میں لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچپن میں طے ہونے والے رشتے اکثر پسند و ناپسند کی بنیاد پر ناکام ہو جاتے ہیں؛ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

(سجاد الرحمان چنا، حیدرآباد)

جواب: یہ ایک رواج ہے جس کے اچھا یا برا ہونے کا دار و مدار تجربات پر ہے، بسا اوقات بچپن میں اچھا اور بہتر رشتہ مل جاتا ہے، جس کے چھوڑ دینے پر آئندہ افسوس ہو سکتا ہے، اس لیے شرعاً اس بات کی اجازت ہے کہ بچپن ہی میں لڑکا یا لڑکی کا نکاح کر دیا جائے، یعنی ان کے سرپرست باپ، دادا، بھائی، چچا وغیرہ ان کا نکاح کر دیں، یہ نکاح شرعاً معتبر ہے، البتہ بعض صورتوں میں لڑکا، لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد سابقہ نکاح کو برقرار رکھنے یا قاضی کے ذریعہ اس کو فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں "خیارِ بلوغ" کہتے ہیں، جس کی تفصیلات کتبِ فقہ میں موجود ہیں، جہاں تک صرف رشتہ طے کرنے اور زبانی بات چیت کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی حکم یہی ہے کہ رشتہ طے کرنے کے بعد بغیر کسی معقول وجہ کے اسے ترک نہیں کرنا چاہیے، ورنہ یہ اخلاقی جرم تصور ہوگا اور اس میں وعدہ خلافی کا بھی ارتکاب ہوگا جو کہ منافقوں کی خصلت اور پہچان ہے۔ بہتر یہی ہے کہ بچپن میں رشتہ طے کیا

جائے، زیادہ سے زیادہ ارادہ وخیال تک بات رکھی جائے کہ آئندہ اس رشتہ کے بارے میں غور کریں گے، پختہ بات نہ کی جائے۔

شادی میں سہرا

سوال: ہمارے یہاں نکاح کے دن دولہا سہرا، پھلوں کا ہار پہنتا ہے، دولہے کو پھولوں سے لاد دیا جاتا ہے، کیا یہ ضروری ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

(حمید خان، جدہ)

جواب: یہ نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ غلط رسم ورواج ہے، جس کا کتاب وسنت سے کوئی ثبوت نہیں، نیز دین کے مزاج سے بھی یہ چیز میل نہیں کھاتی، ایسے بے جا رسم کو ترک کرنا ضروری ہے۔

خطبۂ نکاح

سوال: نکاح کے وقت مخصوص آیاتِ قرآنی کا پڑھنا ضروری ہے؟ یا پھر کیا پڑھنا چاہیے؟ نیز اس وقت کیا پانچ کلموں کا پڑھنا ضروری ہے؟

(حمید خان، جدہ)

جواب: نکاح کے وقت پانچ کلموں کا پڑھنا یا مخصوص آیاتِ قرآن کا پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ کہیں اس کا رواج ہو تو یہ غلط ہے، البتہ ایجاب وقبول کے بعد خطبۂ نکاح مسنون ہے، خطبۂ نکاح میں چند قرآنی آیات بھی پڑھی جاتی ہیں، جو روایات سے ثابت ہیں۔(۱)

مسجد میں نکاح

سوال: مسجد میں نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ میں نے ہندوستان میں بیشتر لوگوں کو مسجد میں نکاح کرتے دیکھا ہے جب کہ یہاں عام طور پر مسجد میں نکاح نہیں ہوتا۔

(محمد علیم خان، ریاض)

جواب: نکاح مسجد اور مسجد سے باہر کسی اور جگہ بھی درست ہے، تاہم مسجد میں نکاح کرنا

---

(۱) دیکھئے: مجمع الزوائد: ۲۸۸/٤

افضل وبہتر ہے، جہاں فطری طور پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور صلحاء ونمازی حضرات کے روبرو یہ مقدس فریضہ انجام دیا جاتا ہے، ترمذی کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ سے اس کا حکم منقول ہے۔(۱) اسی طرح مسجد میں نکاح سے ایک سنت کی ادائیگی بھی ہوتی ہے اور بیجا تکلفات اور رسم ورواج سے بھی بڑی حد تک حفاظت ہو جاتی ہے۔

رشتۂ نکاح کی بنیاد

سوال: ہمارے ایک دوست کا رشتہ محض اس وجہ سے ٹوٹ گیا کہ وہ کھانا زیادہ کھاتا ہے، اس کے ہونے والے سسر نے یہ کہہ کر رشتہ توڑ دیا کہ میرا ہونے والا داماد کھانا زیادہ کھاتا ہے، اس کا رزق جو اس کے مقدر میں ہے وہ کم ہوتا جائے گا، یہ جاہلانہ باتیں ہیں یا اس میں کچھ سچائی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کی یہ کوئی مناسب وجہ نہیں ہے، زیادہ کھانے کی عادت نہ بیوی کی ضرورتِ زندگی پوری کرنے میں رکاوٹ بن سکتی ہے اور نہ ہی زیادہ کھانے سے روزی میں اس طرح کمی ہوتی ہے کہ وہ جلد اس دنیا سے رخصت ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی روزی مقرر کردی ہے تو اس کی میعاد بھی مقرر کردی ہے کہ وہ کب تک اس روزی کو مکمل کرے گا، اپنی بیٹی کے لیے داماد یا بیٹے کے لیے بہو تلاش کرنے اور انتخاب کرنے میں ہمیشہ دینداری کو پیش نظر رکھنا چاہیے، نہ کہ ظاہری شان وشوکت یا مال ودولت وغیرہ کو، یہی اسلامی تعلیم ہے اور اسی میں بڑی حد تک ازدواجی رشتہ کی بقاء وکامیابی مضمر ہے۔ ترمذی وابوداؤد کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی ایسا شخص نکاح پیغام تمہارے پاس بھیجے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو تو پھر اس کا نکاح اپنی لڑکی سے کردو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد رونما ہوگا۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اگر اس شخص میں کوئی بات (عیب) جب بھی ہم ایسا ہی کریں؟'' تو آپ ﷺ نے

(۱) ترمذی، باب ماجاء فی اعلان النکاح

تین بار یہی فرمایا کہ: "ہاں جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو اس سے نکاح کر دو۔"(۱)
علماء نے اس کی تشریح میں یہ بات بیان کی ہے کہ اگر دین واخلاق کے بجائے صاحبِ دولت وثروت رشتہ کو ترجیح دی جائیگی تو بہت سے غریب لڑکے اور لڑکیوں کی شادی نہ ہو سکے گی یا دقت پیدا ہو گی، جس کی وجہ سے برائیاں پھیلیں گی اور اس کے نتیجہ میں طویل فتنہ و فساد پیدا ہو گا۔ یہی معیار لڑکی کے انتخاب میں بھی ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں رسول کریم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی یہ ہے: "عورت یا تو اپنے دین واخلاق کی خوبی کی بناء پر پسند کی جاتی ہے اور رشتہ نکاح میں لائی جاتی ہے یا مال ودولت کی بناء پر یا حسن وجمال کی بناء پر، تو تم لازماً دین واخلاق والی عورت کو نکاح کے لیے منتخب کرو۔"(۲)

حالتِ ناپاکی میں نکاح

سوال: میرے ایک دوست کا نکاح ہوا تو وہ اس وقت ناپاک تھا اور کپڑے بھی نجس تھے، یعنی احتلام کے بعد نہ تو اس نے غسل کیا اور نہ کپڑوں سے نجاست صاف کی بلکہ اسی حالت میں نکاح میں بیٹھ گیا؛ کیا اس طرح نکاح درست ہے یا لوٹانا پڑے گا؟ اور اگر نکاح ادا ہو گیا ہے تو اس پر کوئی گناہ بھی ہو گا؟ نیز عرصہ تین سال سے اس کے ہاں اولاد نہیں ہوئے، اس کے ذہن میں یہ وہم بیٹھ گیا ہے کہ شاید اس کی وجہ ناپاکی کی حالت اور نجس کپڑوں کے ساتھ نکاح میں بیٹھنا ہے، کیا ایسا ممکن ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ بندہ کو کیا کرنا چاہیے؟

(اسلام اللہ راجہ، طائف)

جواب: ناپاکی کے بعد جلد سے جلد غسل کر لینا چاہیے، اس میں تاخیر پسندیدہ نہیں، تاہم اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جب تک کہ یہ تاخیر ترکِ نماز کا سبب نہ بنے، حصولِ طہارت میں اتنی تاخیر کہ نماز کا وقت ہی نکل جائے، جائز نہیں، اس صورت میں ترکِ

---

(۱) ترمذی عن أبی هریرة باب ماجاء فی من ترضون دینه فزوجوه (۲) ابوداؤد عن ابی هریره باب مایؤمر به من تزویج ذات الدین

نماز کا گناہ ہوگا، البتہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے پاک ہونا شرط نہیں، حالتِ ناپاکی میں کیا گیا نکاح بھی درست ہے، نیز اس وہم کی بھی شرعاً کوئی گنجائش نہیں کہ حالتِ ناپاکی میں نکاح کی وجہ سے شاید اولاد نہیں ہو رہی ہے، آپ کے دوست کا نکاح بالکل درست ہے وہ اس وہم کو دل سے نکال دیں، اولاد کا دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، دوا و علاج کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں کہ وہ نیک اولاد کی نعمت سے نوازے۔

نکاحِ متعہ ناجائز ہے

سوال: متعہ یعنی عارضی نکاح کی اسلام میں کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ (محمد شفیق، جدہ)

جواب: عارضی طور پر یعنی کسی محدود و متعین وقت کے لیے کسی سے نکاح کیا جائے تو اسے "نکاحِ متعہ" کہتے ہیں، چاہے یہ مدت کم ہو یا زیادہ جیسے دو چار دن، دو چار ماہ یا سال بھر کے لیے نکاح کیا جائے اور چاہے اس میں مہر بھی مقرر کیا جائے، ایسا نکاح (نکاحِ متعہ) حرام ہے اور سرے سے یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، لہٰذا ایسے نکاح میاں بیوی کے درمیان جو تعلق بھی قائم ہو وہ حرام اور زنا کے حکم میں ہے، اس میں شک نہیں کہ نکاحِ متعہ اسلام کے ابتدائی دور میں جائز تھا بلکہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مرتبہ حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا۔ متعہ کی حرمت اور اس کے جواز کا منسوخ ہونا صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے، سبرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

" ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان قائما بین الرکن و المقام ، و ھو یقول : إنی کنت أذنت لکم فی المتعۃ فمن کان عندہ شیء فلیفارقہ و لا تأخذوا مما اٰتیتموھن شیئا فإن اللّٰہ قد حرمھا إلی یوم القیامۃ . " (۱)

رسول اللہ ﷺ رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر ارشاد فرما رہے تھے کہ میں نے تم لوگوں کو متعہ کی اجازت دی تھی (اب

---

(۱) بدائع : ۲/۵۵۷ ط : بیروت

میں اجازت ختم کرتا ہوں) اس لئے اگر کسی کے پاس نکاح متعہ کی منکوحہ ہو تو اس کو علاحدہ کردے اور تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے، ان سے دوبارہ مت لو، اس لئے کہ اللہ نے اس (متعہ) کو قیامت تک کے لئے حرام کردیا ہے"

چنانچہ ہر دور کے فقہاء و مجتہدین اور علماءِ اہل اسلام کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ متعہ حرام ہے، علماءِ اہل سنت کے نزدیک متعہ کسی صورت میں جائز نہیں۔(۱)

وقتی نکاح

سوال: جو مسلم لڑکے روزگار وغیرہ کے سلسلے میں امریکہ وغیرہ جاتے ہیں، پھر شہریت حاصل کرنے کے لیے وقتی نکاح کر لیتے ہیں، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

(محمد فتح اللہ، سکاسکا)

جواب: وقتی طور پر نکاح شرعاً جائز نہیں،(۲) اگر ایجاب و قبول کے وقت ہی (نکاح کے موقع پر) وقت کی تحدید و تعیین ہو تو پھر یہ نکاح اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا اور اگر نکاح کے موقع پر وقت کی کوئی تحدید و تعیین نہ ہو صرف دل میں ارادہ ہو تو پھر نکاح تو درست ہے، لیکن آدمی گنہگار ہوگا اور بلا وجہ کچھ مدت بعد طلاق دینا جائز نہ ہوگا۔

لڑکی سے ایجاب و قبول

سوال: چار سال قبل ہمارے ماموں کی شادی ہوئی اور وہ صاحبِ اولاد بھی ہیں، لیکن حال ہی میں انہوں نے بتایا کہ جب ہمارا نکاح ہوا تو قاضی صاحب نے کہا کہ عورت سے نکاح قبول کروانا ضروری نہیں، چنانچہ انہوں نے صرف ہم سے قبول کروایا، یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(امداد اللہ، خمیس مشیط)

جواب: نکاح کے صحیح ہونے کے لیے کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و

---

(۱) حوالہ سابق   (۲) ترمذی عن علی باب ماجاء فی نکاح المتعة

قبول ضروری ہے، ایجاب کہتے ہیں اس بات کو کہ لڑکا یا لڑکی دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میں نے تم سے اتنے مہر پر نکاح کیا اور قبول دوسرے فریق کی اس (ایجاب) پر رضامندی ظاہری کرنے کو کہتے ہیں، مثلاً یہ کہے کہ میں نے اس کو قبول کیا، ایجاب وقبول جس طرح عاقدین کے درمیان ہو سکتا ہے، اسی طرح دونوں طرف سے وکیلوں کی درمیان بھی ہو سکتا ہے یا ایک طرف سے عاقد (یا عاقدہ) ہو اور دوسری طرف سے وکیل۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

" قال أصحابنا : ينعقد بعاقد واحد إذا كانت له ولاية من الجانبين سواء كانت ولايته أصلية كالولاية الثابتة بالملك و القرابة أو دخيلة كالولاية الثابتة بالوكالة بأن كان العاقد مالكاً من الجانبين كالمولىٰ إذا زوّج أمته من عبدهٖ أو كان وليًا من الجانبين كالجد إذا زوّج ابن ابنه الصغير من بنت ابنتهٖ الصغيرة من ابن أخيه الصغير أو كان أصيلا و وليًا كابن العم إذا زوّج بنت عمه من نفسه أو كان وكيلاً من الجانبين أو رسولا من الجانبين أو كان وكيلاً من جانب و وكيلاً من جانب اٰخر أو وكلت امرأة رجلا ليتزوجها من نفسه أو وكل رجل امرأة لتزوج نفسها منه و هذا مذهب أصحابنا الثلاثة" (۱)

" ہمارے اصحاب کہتے ہیں: ایک عاقد سے نکاح منعقد ہو جائے گا بشرطیکہ دونوں جانب سے اس کو ولایت حاصل ہو، چاہے اس کی ولایت اصلی ہو مثلاً وہ ولایت جو ملک اور قرابت سے ثابت ہو یا ولایت دخیلہ ہو، مثلاً وہ ولایت جو وکالت کے طور پر ہو، وہ اس طرح کہ عاقد دونوں جانب سے مالک ہو، جیسے کہ آقا جو اپنی باندی کا نکاح اپنے ہی غلام سے کرے یا دونوں طرف سے ولی ہو جیسے دادا کہ اپنے چھوٹے بیٹے کے بیٹے کا نکاح اپنی چھوٹی بیٹی کی بیٹی سے کر دے اور بھائی اپنی

---

(۱) بدائع : ۴۸۸/۲ ط : بیروت

بھتیجی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دے، یا یہ کہ وہ اصل اور ولی دونوں ہو، مثلاً چچازاد بھائی اپنا نکاح اپنی چچازاد بہن سے کرے یا دونوں جانب سے وکیل ہو یا دونوں جانب سے قاصد ہو یا ایک جانب سے وکیل ہو اور دوسری جانب سے ہی وکیل ہو یا عورت نے کسی آدمی کو وکیل بنایا کہ وہ خود سے نکاح کرلے یا کسی آدمی نے عورت کو وکیل بنایا، تا کہ وہ خود سے نکاح کرلے اور یہ ہمارے تینوں اصحاب کی رائے ہے۔"

عام طور پر لڑکی کی طرف سے اس کا ولی و سرپرست باپ، بھائی وغیرہ وکیل بن کر عاقد سے ایجاب و قبول کرتے ہیں، ایسی صورت میں دوبارہ لڑکی سے ایجاب و قبول ضروری نہیں، البتہ بالغ اولاد کی طرف سے وکالت میں ضروری ہے کہ ان کی رضامندی بھی شامل ہو۔

ولی کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے؟

سوال: پچھلے دنوں پاکستان میں کورٹ نے ایک فیصلہ سنایا کہ مسلمان لڑکی بغیر ولی و سرپرست کے نکاح نہیں کر سکتی، اس میں یہ بھی کہا گیا کہ کتاب و سنت میں اس کے بارے میں احکام موجود ہیں آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں، میری معلومات کے مطابق نابالغ لڑکی کے نکاح کی اجازت اس کے والدین یا ولی و سرپرست دیتے ہیں، وہ بھی اگر بالغ ہونے کے بعد لڑکی اس رشتہ سے انکار کر دے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے، مگر بالغ لڑکی کے لیے بھی ایسا کوئی حکم ہے یا نہیں؟

(اسماعیل انصاری، عنیزہ)

جواب: بالغ لڑکی اپنے نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، ولی کی موجودگی کے بغیر بھی کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں اس کا نکاح شرعاً درست ہوگا، تاہم یہ طریقہ بہتر و پسندیدہ نہیں، بالغ لڑکی کا نکاح بھی ولی کو کرنا مستحب ہے، لیکن ولی عورت (بالغ لڑکی) کی مرضی اور اجازت کے بغیر

زبردستی جہاں چاہے اس کا نکاح نہیں کر سکتا، بالغہ کی مرضی ہی سے نکاح ہوگا، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

" لا تنكح الايم حتى تستامر و لا تنكح البكر حتى تستأذن . " (۱)

"شوہر دیدہ کا نکاح نہ کیا جائے، تا آنکہ اس سے مشورہ نہ لے لیا جائے اور باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے تا آنکہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔"

لیکن ولی کے ذریعے عقدِ نکاح کا انجام پانا مستحب و مستحسن ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت یہی ہے، دوسری روایت کے مطابق ولی کے بغیر اس کا نکاح درست نہیں ہے، ابن قدامہ مقدسیؒ کا بیان ہے:

" و أما البكر البالغة العاقلة فعن أحمدؒ روايتان أحدهما : له اجبارها على النكاح و تزويجها بغير إذنها كالصغيرة ، و هذا مذهب مالكؒ و ابن ابى ليلىؒ و الشافعىؒ و إسحاقؒ ، و الثانية : ليس له ذلك . " (۲)

"باکرہ بالغہ کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک یہ کہ اپنی مرضی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرانے کا اختیار ہے، جیسا کہ صغیرہ کے سلسلہ میں یہ اختیار اس کو حاصل ہے، یہی رائے امام مالکؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کی بھی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔

نابالغ لڑکی کا نکاح ولی خود اپنی مرضی سے کر سکتا ہے، لڑکی سے اجازت لینا یا اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری نہیں۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

" قال ابن المنذر : أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم

---

(۱) بخاری ، باب لاینکح الاب وغیرہ البکر و الثیب إلا برضاها ، کتاب النکاح ، ترمذی ، باب ما جاء فی استئمار البکر و الثیب ، کتاب النکاح ، دارمی ، باب استئمار البکر و الثیب

(۲) المغنی : ۹/۳۹۹

أن نكاح الاب ابنته البكر الصغيرة جائز إذا زوّجها من كفء و يجوز له تزويجها مع كراهيتها و امتناعها . " (۱)

"ابن منذرؒ کہتے ہیں: جتنے اہل علم کے نام ہمیں یاد ہیں، ان تمام کا اجماع ہے کہ باپ کو اپنی باکرہ صغیرہ بیٹی کا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہے، جب کہ اس نے کفو میں نکاح کر دیا ہو، یہ نکاح لڑکی کی ناپسندیدگی کے باوجود نافذ ہوگا۔"

اولیاء میں اگر باپ یا دادا نے نابالغ لڑکی (بیٹی یا پوتی) کا نکاح کیا تو بالغ ہونے کے بعد اس لڑکی کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا، گویا باپ دادا کی طرف سے کیا گیا نکاح لڑکی کے لیے لازم و مکمل ہوگا، ہاں اگر نابالغہ کا نکاح ان کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہو، جیسے اس کا بھائی، چچا وغیرہ تو پھر اس صورت میں لڑکی کو بلوغ کے بعد نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، اگر وہ اس رشتہ کو ناپسند کرے اور انکار کر دے تو بھائی، چچا وغیرہ کی طرف سے نابالغی کی حالت میں کیا گیا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ (۲)

دعوتِ ولیمہ

سوال: کیا شادی کے بعد دعوتِ ولیمہ یعنی کچھ تعداد میں لوگوں کو کھانا کھلانا ضروری ہے؟ اگر نہ کھلائے تو؟

(حمید خان، جدہ)

جواب: دعوتِ ولیمہ خوشی و مسرت کے اظہار کے طور پر ہے اور یہ مسنون ہے، علامہ ابن عبد البرؒ نے امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ سے دعوتِ ولیمہ کے قبول کرنے کا واجب ہونا نقل کیا ہے، بشرطیکہ متعین طور پر کسی شخص کو دعوت دی جائے۔ (۳) لیکن صحیح بات یہ ہے اس دعوت کا قبول کرنا بھی مسنون ہے، وقالت العلامة هي السنة . (۴) ولیمہ کے لیے متعین و مخصوص تعداد میں لوگوں کو کھانا کھلانا یا دعوت میں خاص اہتمام کرنا ضروری نہیں بلکہ حسبِ استطاعت دعوت کا نظم اور دوست

(۱) المغني : ۹/ ۳۹۸ ط : رياض (۲) هدايه: ۲/ ۲۹۷ ، ديوبند (۳) المغني: ۱۰ / ۱۹۳ ط : رياض (٤) الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٤٣

احباب، رشتہ داروں کو دعوت دینا کافی ہے، البتہ ایسے موقع پر محلّہ کے غرباء ومساکین کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اس کھانے (دعوت) کو برا قرار دیا جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔ (۱) اسی طرح ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کی تاکید بھی احادیث میں کی گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أجيبوا هذه الدعوة إذا دعيتم إليها . " (۲)

"اگر تم کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو دعوت کو قبول کرلو۔"

چنانچہ بعض علماء نے اس کے قبول کرنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے سوائے اس کے کہ کوئی واقعی مجبوری یا شرعی عذر ہو جیسے دعوت مالِ حرام سے کی گئی ہو یا اس محفل اور تقریب میں حرام کا ارتکاب ہو تو پھر ایسی دعوت کو قبول کرنا ضروری نہیں، بالخصوص مقتدا اور بااثر لوگوں کو شرکت کرنی ہی نہیں چاہئے۔

شادی سے قبل ولیمہ

سوال: کیا شادی سے پہلے ولیمہ کیا جاسکتا ہے؟ میں نے سنا ہے کہ شادی سے پہلے ولیمہ نہیں ہو سکتا، جو لوگ شادی سے ایک دو دن پہلے ولیمہ کرلیتے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ میں نے بھی سنا ہے کہ جب تک لڑکا اور لڑکی سہاگ رات نہ گزاریں اس وقت تک ولیمہ حرام ہے، کیا یہ درست ہے؟

(حفیظ اللہ علوی، الجبیل)

جواب: ولیمہ کہتے ہیں اس دعوت اور کھانے کو جو شادی کے موقع پر کھلایا جائے، شادی سے قبل کی جانے والی دعوت ایک عام دعوت ہوگی اسے ولیمہ نہیں کہا جاسکتا، شادی سے ایک دو دن قبل اگر ولیمہ کے نام اور نیت ہی سے دعوت کی جائے تب بھی اس سے ولیمہ کی سنت ادا نہ ہوگی، اس کے وقت کے بارے میں اکثر علماء کا رجحان یہ ہے

---

(۱) بخاری، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، مسلم: باب الامر باجابة الداعى الى دعوة

(۲) بخاری، باب إجابة الداعی فی العرس و غیرها

کہ اس کا اصل وقت شوہر و بیوی کی یکجائی کے بعد ہے، چنانچہ ایک روایت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ جب آپ ﷺ کی زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب عروسی ہو گئی تب آپ ﷺ نے قوم کو بلایا اور ان حضرات نے کھانا تناول فرمایا۔(۱)

جب کہ بعض کے نزدیک عقدِ نکاح کے وقت بھی ولیمہ ہو سکتا ہے، بہر حال عقدِ نکاح کے بعد یکجائی سے قبل ہی ولیمہ کی دعوت کی جائے تو اسے حرام تو نہیں کہا جا سکتا، البتہ بعض کے نزدیک وہ ولیمہ نہیں بلکہ عام دعوت تصور ہو گی، اور اس سے ولیمہ کی سنت ادا نہیں ہو گی۔ جن حضرات کے نزدیک عقدِ نکاح کے وقت بھی ولیمہ ہو سکتا ہے ان کے قول کے اعتبار سے دعوتِ ولیمہ کی سنت بھی ادا ہو جائے گی۔

منکوحہ لڑکی کا دوبارہ دوسرے مرد سے نکاح

سوال: تقریباً سات سال قبل میرا نکاح ہمارے گاؤں کی ایک لڑکی سے ہوا، گاؤں کے لوگ بھی نکاح کی محفل میں موجود تھے، اسلامی طریقے کے مطابق نکاح ہوا اور اس کا باقاعدہ اندراج بھی ہوا، البتہ رخصتی باقی تھی، لیکن میری بیوی کے دو بھائی اس پر راضی نہ تھے، نکاح کے تقریباً تین ماہ بعد لڑکی کے بھائی نے دوسری جگہ اس کی شادی کر دی جب کہ وہ میرے نکاح میں تھی، مقدمہ عدالت تک پہنچا اور ابھی تک کیس چل رہا ہے، انہوں نے لڑکی کے دوسرے نکاح کی تاریخ میرے نکاح سے قبل ظاہر کی اور نکاح نامہ کی فوٹو کاپی بھی پیش کر دی، جب کہ پورا گاؤں گواہ ہے کہ میرا نکاح پہلے ہوا تھا، میں نے ابھی تک اس لڑکی کو طلاق نہیں دی، جب کہ اس کو دوسرے شوہر سے دو بچے بھی ہو چکے ہیں، میں نے پورا واقعہ صحیح لکھ دیا ہے، کیا اس میں مجھ پر بھی کوئی گناہ ہے، مجھے لڑکی کو طلاق دینی چاہیے یا نہیں؟ شرعی طور پر میری رہنمائی فرمائیں۔ (فضل، جدہ)

---

(۱) بخاری: ۲/۷۷۶، باب الولیمة حق، کتاب النکاح

(۱) ہندیہ: ۱/۲۸۰

جواب: جس لڑکی سے آپ کا نکاح ہو گیا اس کا دوسرا نکاح کسی اور مرد سے درست نہیں جب تک کہ آپ اسے طلاق نہ دیں اور پھر طلاق کی عدت گزر نہ جائے، گواہوں کی موجودگی میں اگر پہلے آپ کا نکاح ہو چکا تھا تو چاہے رخصتی نہ ہوئی ہو، شرعاً وہ لڑکی آپ کی بیوی ہے، بھائیوں کی ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں، ہندیہ میں ہے:

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره." (۱)

"یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی بیوی سے کوئی دوسرا آدمی نکاح کرے۔"

اس لئے دوسرا نکاح کر کے اس کے بھائی اور خود لڑکی نے گناہ کا ارتکاب کیا اور مسلسل گناہ میں ہے، اسے (اور اس کے دوسرے شوہر کو بھی علم ہو جانے کے بعد) چاہیے کہ فوراً علاحدگی اختیار کر لے، پھر آپ سے طلاق یا خلع لینے اور عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرے، آپ کے لیے طلاق دینا ضروری نہیں، لیکن چاہیں تو طلاق دے سکتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ طلاق دے کر معاملے کو ختم کر دیں۔

پہلا نکاح باقی رہتے ہوئے دوسرا نکاح

سوال: میں پہلے سے شادی شدہ ہوں، چار بچے ہیں، گھر میں کچھ اختلافات کی وجہ سے ایک لڑکی سے نکاح کیا تھا، پھر یہاں سعودی عرب آ گیا، چار ماہ بعد معلوم ہوا کہ وہ لڑکی مجھ سے طلاق لیے بغیر کسی اور سے شادی کر چکی ہے، کیا یہ نکاح درست ہے؟

(انور خان، مدینہ منورہ)

جواب: کسی بھی شادی شدہ عورت کا دوسرا نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اس کے شوہر کا انتقال نہ ہو جائے یا وہ طلاق نہ دیدے یا اس سے خلع نہ لے لیا جائے یا پھر شرعی عدالت میں مقدمہ داخل کر کے مسلمان قاضی (جج) سے نکاح فسخ نہ کرا لیا جائے، ان تمام صورتوں میں جب عورت کی عدتِ وفات یا عدتِ طلاق گزر جائے تو وہ دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اس سے قبل اس کا نکاح درست نہیں۔

(۱) هندیه : ۲۸۰/۱

دورانِ حمل نکاح

سوال : میرے ایک دوست نے ایک لڑکی سے محبت کی اور دونوں چوری چھپے ملتے رہے، اسی دوران لڑکی حمل سے ہو گئی اور حمل کے چار ماہ بعد نکاح کر لیا، لڑکی رشتہ میں ماموں زاد بہن ہے، اب اس نکاح اور ہونے والے بچے کے سلسلہ میں کیا حکم شرعی ہے؟ کیا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(جمیل عبداللطیف، ریاض)

جواب : ناجائز تعلقات رکھنے کی بناء پر دونوں سخت گنہگار ہوئے، انہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کریں، جہاں تک نکاح کا معاملہ ہے تو وہ درست ہے، عدت کے درمیان نکاح درست نہیں، اگر کوئی عورت طلاق یا شوہر کی وفات کے وقت حمل سے ہو تو جب تک اس کا حمل ساقط نہ ہو جائے (ولادت نہ ہو جائے) کسی سے اس کا نکاح درست نہیں، لیکن حمل زنا کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں نکاح درست ہے، اگر زانی ہی سے نکاح ہو تو وہ دونوں نکاح کے بعد ازدواجی تعلق بھی قائم کر سکتے ہیں، إذا تزوّج امرأة قد زنى هو بها و ظهر بها حبل فالنكاح جائز عند الكل و له أن يطأها عند الكل، اگر اپنی مزنیہ سے نکاح کرے اور زنا سے حمل بھی ہو جائے تو نکاح ہر ایک کے نزدیک جائز ہے اور یہ جائز ہے کہ وہ اس سے وطی کرے۔ (۱)

اگر غیر زانی سے زانیہ کا نکاح ہو تو ایسی صورت میں (نکاح تو درست ہے لیکن) شوہر کے لیے ازدواجی تعلق کی اجازت نہیں جب تک کہ حمل بر قرار رہے۔ ہندیہ میں ہے:

" قال أبو حنيفةؒ و محمد رحمهما الله يجوز أن يتزوج امرأة حاملاً من الزنا و لا يطأها حتى تضع . " (۲)

"امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حاملہ من الزنا سے نکاح کرنا درست ہے اور اس سے وطی درست نہیں، تا آنکہ وضع حمل نہ ہو جائے۔"

---

(۱) هدایه ۲/۳۱۲ ط : دهلی (۲) هندیه : ۱/۲۸۰

غائب شخص کی بیوی کا نکاح

سوال: ایک میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے، ان کی ایک بیٹی بھی تھی کہ اچانک شوہر غائب ہو گیا، دراصل اس کو اغوا کر لیا گیا، پانچ سال تک جب وہ اپنے گھر واپس نہیں آیا تو سب نے یہی سمجھا کہ وہ فوت ہو چکا ہے، لہٰذا اس عورت نے دوسرا نکاح کر لیا، دوسرے شوہر سے بھی ایک بیٹی ہوئی، پھر پہلا شوہر واپس آ گیا، اب اس عورت کو کس کے پاس رہنا چاہیے؟ کیا اس کا دوسرا نکاح درست ہے؟ اگر وہ دوسرے شوہر کے پاس رہنا چاہے تو کیا پہلے شوہر سے طلاق لینا ضروری ہے؟ اگر وہ طلاق نہ دے تو پہلے شوہر کے پاس آنے کے لیے دوسرے شوہر سے طلاق لینا ضروری ہے؟

(لال حسین، بہادر شیر، جدہ)

جواب: اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال کتبِ حدیث میں پائے جاتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے اور فتویٰ اسی پر ہے کہ اگر کسی خاتون کا شوہر غائب و لاپتہ ہو جائے، یہ معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا تو ایسے شخص کی بیوی اسلامی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے، شرعی قاضی معاملے کی تحقیق اور ممکن وسائل کو اختیار کر کے شوہر کی تلاش و جستجو کرنے کے بعد شوہر کا پتہ نہ چلے تو بیوی کو چار سال انتظار کرنے کا حکم دے گا، اس دوران شوہر واپس نہ آئے تو چار سال گزرنے کے بعد بیوی عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ چار سال کا انتظار قاضی کے فیصلے کے بعد ہو گا، عورت خود سے پندرہ بیس سال بھی انتظار کر لے تو اسے دوسرے نکاح کا حق نہیں، بعض خصوصی حالات میں جیسے شوہر نے بیوی بچوں کے نفقہ کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہو یا اس کی کوئی ایسی جائداد وغیرہ نہ ہو، جس سے عورت اپنی اور بچوں کی ضروریات پوری کر سکے یا عورت کی عفت و عصمت کو سخت خطرہ لاحق ہو تو ایسی صورتوں میں قاضی چار سال سے کم مہلت و انتظار کا فیصلہ بھی

کر سکتا ہے، بہر حال قاضی سے رجوع کیے بغیر عورت کو دوسرے نکاح کا حق نہیں، اگر وہ نکاح کرلے تو اس کا یہ نکاح درست نہ ہوگا۔

قاضی کے فیصلے اور انتظار کی مدت اور عدت گزرنے کے بعد عورت اگر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے تو اس کا یہ نکاح درست ہوگا اور پہلے شوہر سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا، اگر وہ واپس بھی آجائے تو بیوی پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا، وہ بدستور دوسرے شوہر کی زوجیت میں رہے گی، یہ بات چوں کہ قرین قیاس ہے، (چوں کہ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی کوئی صراحت موجود نہیں، اس لیے یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور بعض اہل علم کی رائے اس کے برعکس بھی ہے، یعنی یہ کہ وہ عورت پہلے شوہر کی ہی بیوی رہے گی۔)

جہاں اسلامی قضا یا عدالت کا نظام نہ ہو وہاں دیندار مسلمانوں کی جماعت پنچایت کرکے حسبِ بیانِ مذکور تحقیق کر سکتی ہے اور تحقیقِ کامل کے بعد فیصلہ صادر کر سکتی ہے یہ فیصلہ بھی قضاءِ قاضی کے حکم میں ہوگا۔ صورتِ مسئولہ میں اگر عورت نے خود سے پانچ سال انتظار کرنے کے بعد دوسرا نکاح کرلیا ہو تو اس کا یہ نکاح غیر معتبر ہے اور وہ بدستور پہلے شخص کی بیوی برقرار ہے، اب دوسرے شوہر سے طلاق لینے کی بھی ضرورت نہیں، کیوں کہ جب اس کا نکاح صحیح نہیں تھا تو شرعاً وہ شوہر ہی نہیں، البتہ پہلے شوہر سے قربت وصحبت سے قبل استبراءِ رحم یعنی ایامِ حیض کے گزرنے کا انتظار ضروری ہوگا، اگر عورت نے قاضی کے فیصلے کے بعد دوسرا نکاح کیا ہو تو وہ دوسرے شوہر کی بیوی ہی رہے گی، قاضی کا فیصلہ خود پہلے شوہر کی طرف سے طلاقِ بائن کے حکم میں ہوگا، اب اس عورت کو نہ پہلے شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت ہے اور نہ دوسرے شوہر سے تجدید نکاح کی۔

کیا تجدیدِ نکاح ضروری ہے؟

سوال: ہمارے یہاں ایک صاحب کا کہنا ہے کہ میاں بیوی سے اگر سترہ

لڑکے یا لڑکیاں ہو جائیں تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟

(اعجاز احمد بیگ، مزاحمیہ)

جواب: یہ بات غلط ہے، چاہے کتنی ہی اولاد ہو جائیں، اس کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا، لہٰذا دوبارہ نکاح کرنا ضروری نہیں، میاں بیوی کے درمیان نکاح صرف طلاق وخلع یا کسی ایک کے انتقال کی وجہ سے اور بعض صورتوں میں شرعی قاضی کے فیصلہ اور نکاح کے فسخ کیے جانے کی وجہ سے ٹوٹتا ہے۔

سوال: جس عورت سے کسی شخص کے باپ نے غیر شرعی جنسی تعلق قائم کر لیا ہو تو کیا وہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے؟

(معین ، ریاض)

جواب: ایسی عورت سے اس شخص کا نکاح کرنا جائز نہیں، قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے: لاتنکحوا ما نکح آباؤکم ۔(النساء : ۲۲)

کافر ومشرک سے نکاح جائز نہیں

سوال: اگر کسی شخص کی بیوی ہندو ہو اور شوہر مسلمان اور وہ دونوں اپنے اپنے مذہب کے طریقہ پر چل رہے ہوں، نہ شوہر بیوی کو کہتا ہے کہ مذہب تبدیل کرو اور نہ بیوی شوہر سے مطالبہ کرتی ہے، دونوں ہنسی خوشی زندگی گزار رہے ہیں، ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(میر یوسف، ریاض)

جواب: کسی مسلمان مرد کا نکاح کافر ومشرک (ہندو) عورت سے ہرگز کسی صورت میں جائز نہیں، یہ نکاح اصلاً منعقد ہی نہیں ہوا، شوہر کو چاہیے کہ فوراً بیوی سے علاحدگی اختیار کر لے اور اپنے گناہ پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے، اگر اسی عورت سے نکاح کرنا ہو تو اس کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو دوبارہ اس سے نکاح کرے، ورنہ کسی مسلمان خاتون سے نکاح کرے، مسلمان مرد کا

نکاح کافر و مشرک خاتون سے یا مسلمان عورت کا نکاح کافر و مشرک مرد سے کسی صورت میں جائز نہیں۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ . " (۱)

"مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو، تا آنکہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔"

رضاعی بھانجی سے نکاح

سوال: ہم چھ بہن بھائی ہیں، دو بھائی بڑے ہیں، جن میں سب سے بڑے بھائی کی شادی ہو چکی ہے، دوسرے (بڑے سے چھوٹے) بھائی کی جب ولادت ہوئی تو والدہ کو کسی بیماری کے باعث ڈاکٹر نے ایک ہفتہ دودھ پلانے سے منع کیا، چنانچہ میرے بھائی نے ایک ہفتہ نانی کا دودھ پیا، دوسری طرف میری خالہ کی بڑی لڑکی نے بھی نانی کا دودھ پیا ہے، خالہ کی بڑی اور ان سے چھوٹی لڑکیوں کی شادی تو ہو چکی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا میرے بھائی کی شادی خالہ کی تیسری لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آپس میں رضاعت کے رشتہ سے ماموں بھانجی ہیں، لہٰذا یہ رشتہ جائز نہیں، جب کہ بعض اس کو جائز قرار دیتے ہیں، کتاب و سنت کی روشنی میں واضح جواب سے ہماری رہنمائی فرمائیں، نیز میری چھوٹی بہن اور خالہ کے چھوٹے لڑکے کا نکاح ہو سکتا ہے یا ان کے درمیان بھی بڑے بھائی کا رشتہ رضاعت آڑے آئے گا؟

(ایک بہن، جیز ان)

جواب: آپ کے بڑے بھائی نے جب نانی کا دودھ پیا ہے تو وہ رضاعت کے رشتہ سے ان کی ماں اور خالہ بہن ہوئیں اور ان کی لڑکیاں بھانجیاں، لہٰذا آپ کے اس بھائی کا نکاح (جنہوں نے نانی کا دودھ پیا ہے) خالہ کی کسی لڑکی سے بھی نہیں ہو سکتا، حدیثِ رسول ﷺ میں صراحت ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو

---

(۱) بقرہ : ۲۲۱

نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ (۱) جس طرح نسبی بھانجی سے نکاح درست نہیں اسی طرح رضاعی بھانجی سے بھی نکاح درست نہیں، البتہ آپ کی چھوٹی بہن کا نکاح خالہ کے چھوٹے لڑکے سے ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ان کے درمیان رشتۂ رضاعت نہ ہو (یعنی آپ کی بہن نے نانی کا یا خالہ کے چھوٹے لڑکے نے آپ کی والدہ کا دودھ نہ پیا ہو) بڑے بھائی کا رشتۂ رضاعت چھوٹی بہن پر اثر انداز نہ ہوگا۔

زانیہ سے نکاح

سوال: اگر کوئی جوان لڑکی گھر چھوڑ کر کسی کے ساتھ بھاگ جائے اور دو تین ہفتہ بعد واپس آئے تو ظاہر ہے وہ زنا کے بغیر اور کیا کرے گی؟ کچھ دن بعد اس کے خاندان والے اپنے خاندان میں کسی آدمی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیں تو اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا یہ نکاح درست ہے اور شوہر کا اس بیوی سے تعلق یا ساتھ رہنا اور کھانا پینا وغیرہ درست ہے یا نہیں؟

(نصیر گل، ابہاء)

جواب: اگر بالفرض لڑکی نے زنا کا ارتکاب کیا ہو تو کسی دوسرے شخص سے بھی اس کا نکاح درست ہے، البتہ اگر زنا کے فوراً بعد نکاح کیا گیا ہو تو شوہر کے لیے اس سے جنسی استمتاع جائز رہتا ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ ایک ماہ انتظار کر لے اور وطی سے احتیاط کرے، ہندیہ کے اس جزئیہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے:

" و إذا رأیٰ امرأۃ تزنی فتزوجھا حل وطؤھا قبل أن یستبرأھا عندھما و قال محمد رحمه الله لاأحب له أن یطأھا ما لم یستبرأھا . " (۲)

اگر زنا کی وجہ سے حمل ٹھہر گیا ہو تو جب تک حمل برقرار رہے شوہر کے لیے ایسی بیوی سے صحبت جائز نہیں۔ (۳) البتہ ایک ساتھ رہنا، کھانا پینا جائز ہے، اگر زانیہ کا

---

(۱) ابوداؤد، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، نسائی، باب ما یحرم من الرضاع
(۲) ھندیه: ۱/۲۸۱ (۳) ھندیه: ۱/۲۸۰

نکاح زانی ہی سے کر دیا جائے تو اس کے لیے "ایام" کے گزرنے کا انتظار ضروری نہیں، اسی طرح وہ حمل کی صورت میں بھی صحبت کر سکتا ہے (کیوں کہ حمل اسی کا ہے۔)

کیا زنا کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے گا؟

سوال: اگر کوئی شادی شدہ عورت زنا کی مرتکب ہو جائے تو کیا اپنے شوہر سے اس کا نکاح برقرار رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ میں نے سنا ہے کہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(ع د خ، القنفذہ)

جواب: چاہے شادی شدہ عورت زنا کرے یا شادی شدہ مرد، اگر یہ جرم کسی اجنبی کے ساتھ سرزد ہوا ہو تو اس کی وجہ سے شوہر و بیوی کے درمیان نکاح نہیں ٹوٹتا۔(۱)

جائز و ناجائز رشتے

سوال: میں اپنی بڑی خالہ کی لڑکی سے شادی کا خواہشمند ہوں، جب کہ میں نے اور میری سب سے چھوٹی خالہ نے اپنی نانی جان کا ایک ساتھ دودھ پیا ہے، میرے گھر والے اور دوسرے رشتہ دار یہ کہہ کر بات کو ختم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ رشتہ حرام ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں، تاکہ میں کسی گناہ کا مرتکب نہ بنوں۔

(محمد عبدالرشید، جبیل)

جواب: اگر آپ نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے تو تمام خالائیں آپ کی رضاعی بہنیں بھی ہو گئیں اور ان کی بیٹیاں، رضاعی بھانجیاں، لہٰذا بڑی خالہ کی لڑکی سے آپ کا رشتہ شرعاً درست نہیں، اگر آپ اپنی نانی کا دودھ نہ پیے ہوتے تو یہ رشتہ آپ کے لیے جائز ہوتا۔

دورانِ حیض نکاح؟

سوال: جس طرح حیض کے دوران طلاق دینا درست نہیں، اسی

(۱) ھندیہ: ۲۸۱/۱

طرح کیا دورانِ حیض نکاح کرنا بھی درست نہیں؟

(محمد سلیم، ریاض)

جواب: حالتِ حیض میں بیوی کو طلاق دینا گناہ اور ناجائز ہے، لیکن اس سے طلاق پڑ جائے گی، اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو چاہیے کہ پاکی کے ایام میں رجوع کرلے، صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

" و إذا طلق الرجل امرأته في حالة الحيض وقع الطلاق ، و يستحب له أن يراجعها . " (۱)

"اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ وہ اس کو لوٹا لے۔"

پھر اگر طلاق دینا ہی ہو تو دوسری پاکی میں طلاق دے۔ حالتِ ناپاکی میں نکاح درست ہے، ناجائز نہیں لیکن ایسی صورت میں جب تک عورت پاک نہ ہو اس سے صحبت جائز نہ ہوگی، دوبارہ نکاح کرنا ضروری نہیں ہے۔

مروجہ حلالہ بڑا گناہ ہے

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، پھر اس عورت کا نکاح دوسرے شخص سے بلکہ اس شوہر کے بھائی سے ہوا اور وہ غالباً اس مقصد سے ہوا کہ دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح حلال ہو جائے، یہ ممکن ہے کہ موجودہ شوہر نے بیوی سے صحبت و تعلق بھی قائم نہ کیا ہو، اب یہ بیوی کو طلاق دینے والا ہے، کیا اس عورت کے لیے پہلے شوہر سے نکاح درست ہوگا؟

(محمد شہزاد، بحرین)

جواب: حلالہ کی نیت سے نکاح کرنیوالے پر رسولِ کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، (۲) لہٰذا یہ بہت بڑا گناہ ہے، اگر اسی مقصد سے نکاح کیا گیا ہو، بلکہ کسی شرط اور طلاق دینے

---

(۱) هدايه : ص/۳۳۷ ط : ديوبند انڈيا (۲) نسائی عن عبد الله ، باب احلال المطلقة ثلاثا و ما فيه من التغليظ

کے ارادہ کے بغیر نکاح ہونا چاہیے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دوسرا شوہر اگر صحبت و تعلق کے بغیر ہی طلاق دے دے تو ایسی عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی اور اس کا نکاح درست نہیں رہتا ہے، چاہے وہ دوسرے شوہر کے ساتھ کتنا ہی عرصہ گزار دے۔ اس سلسلہ میں کتبِ حدیث میں سیدنا رفاعہ اور ان کی بیوی کا واقعہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔(۱)، ہاں صحبت کے بعد طلاق ہو اور عدت گزر جائے تو اب وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گی۔

خالہ زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح

سوال : میرا ارادہ اپنے ایک خالہ زاد بھائی کی لڑکی سے شادی کرنے کا ہے، کیا یہ رشتہ جائز ہے، جبکہ لڑکی رشتے سے میری بھتیجی ہوتی ہے؟

جواب : خالہ زاد بہن، خالہ زاد بھانجی اور خالہ زاد بھتیجی سے نکاح درست ہے، لہٰذا آپ کیلئے یہ رشتہ جائز ہے، کہ یہ رشتہ قرآنی اصول "وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ" کے تحت آتا ہے، بشرطیکہ آپ دونوں کے درمیان حرمتِ رضاعت کا رشتہ نہ پایا جاتا ہو۔

تایازاد بہن یا تایہ زاد بھتیجی سے نکاح

سوال : میرے ایک دوست کا رشتہ اس کی سگی تایازاد بہن سے ہو گیا اور چند دنوں میں شادی ہونے والی ہے، کیا یہ رشتہ جائز ہے، جبکہ دونوں آپس میں اس رشتہ سے بہن بھائی ہوتے ہیں؟ میرے ایک اور دوست کا رشتہ تایازاد بھائی کی لڑکی سے ہونے والا ہے، جب کہ یہ کوئی سگے تایا نہیں، لڑکا لڑکی رشتہ میں چچا بھتیجی ہوتے ہیں، کیا یہ رشتہ شرعاً جائز ہے؟

(م ع ب، ریاض)

جواب : حقیقی بھائی بہن، حقیقی چچا بھتیجی اور حقیقی ماموں بھانجی کے درمیان کبھی نکاح نہیں ہو سکتا، ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے حرمت ہے، جب کہ خالہ زاد، ماموں زاد،

---

(۱) بخاری عن عائشہؓ، باب من اجاز الطلاق الثلاث : ۲/ ۷۹۱

پھوپھی زاد اور تایازاد بھائی بہنوں اور ان کی اولاد کے درمیان کوئی حرمت نہیں، ان کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے، چاہے ان رشتوں سے لڑکا لڑکی آپس میں بھائی بہن ہوں، چچا بھتیجی ہوں یا ماموں بھانجی، ہاں اگر ان کے درمیان رضاعت کا رشتہ پایا جائے تو رضاعت کی وجہ سے حرمت پیدا ہو جائے گی، آپ کے دونوں دوستوں کا رشتہ جائز ہے بشرطیکہ ان کے درمیان حرمتِ رضاعت نہ پائی جاتی ہو۔

ماہِ صفر میں شادی

سوال: عید کے موقع پر وطن جاکر شادی کا پروگرام تھا، لیکن کفیل اس پر تیار نہ ہوا، وہ کہتا ہے کہ محرم بعد بھیجوں گا، کیا صفر کے مہینہ میں شادی کی جاسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں ماہِ صفر میں شادی نہیں کرنی چاہیے، کیا یہ درست ہے؟

(محمد غلام سندھی، جیزان)

جواب: ماہِ صفر میں شادی کی جاسکتی ہے، نیز سال کے بارہ مہینوں میں کوئی دن بھی ایسا نہیں کہ جس میں شادی کرنا درست نہ ہو، خصوصاً ماہِ صفر کو بعض لوگ منحوس تصور کرتے ہیں، اس لیے اس میں کوئی اہم کام یا خوشی کی تقریب انجام نہیں دی جاتی، لیکن شرعاً یہ عقیدہ غلط ہے، احادیث میں اس کی تردید مذکور ہے۔ بعض ایام کو شادی بیاہ کیلئے مبارک و مسعود یا منحوس سمجھنا یہ دراصل ہندوانہ عقیدہ ہے جس سے مسلمانوں کو احتراز کرنا چاہئے۔

کپڑا ڈالنے سے نکاح

سوال: کیا بھائی کی لڑکی پر کپڑا ڈالنے سے نکاح ہو جاتا ہے؟ جب وہ بڑی ہو جائے تو انکار کر سکتے ہیں؟ جب کہ نکاح نہیں پڑھا گیا، کپڑے ڈالتے وقت والد موجود تھا؛ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

(ابو طاہر، طائف)

جوابـ : نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کے ذریعے ہوتا ہے نہ کہ لڑکی پر کپڑے ڈالنے سے، صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

"و لا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاھدین ." (۱)

"مسلمانوں کا نکاح گواہوں کے بغیر درست نہیں۔"

نکاح کا یہ طریقہ غلط ہے، جس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں اور پھر بھائی کی لڑکی (یعنی بھتیجی) سے تو نکاح شرعاً حرام ہے، جیسا کہ سورہ النساء آیت: ۲۳ میں صراحت موجود ہے۔

سوتیلی ماں سے نکاح

سوال: ایک صاحب جن کی عمر تقریباً ۷۰ سال تھی، بیوی کے انتقال کے بعد ایک جوان لڑکی کو اپنے نکاح میں لے آئے، وہ لڑکی تقریباً ایک سال ان کے ساتھ رہی، پھر موصوف کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد مرحوم کے بیٹے نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا، کیا یہ نکاح جائز ہے؟ جب کہ لڑکی کا کہنا ہے کہ ایک سال تک کبھی ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوا، میں صرف ان کی خدمت کرتی رہی۔

(سید محمد اسلم، دمام)

جوابـ : باپ کی منکوحہ (یعنی سوتیلی ماں) سے نکاح کے حرام ہونے کے لئے ازدواجی تعلق کا قائم ہونا ضروری نہیں، صرف نکاح صحیح کے ذریعے بھی یہ حرمت پیدا ہو جاتی ہے،(۲) مثلاً اگر باپ نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس میں صحتِ نکاح کی تمام شرائط پائی گئیں تو صرف اس نکاح سے وہ عورت بیٹوں (شوہر کی اولاد) کے لیے حرام ہو جائے گی، البتہ نکاحِ فاسد کے ذریعے حرمت نہیں ہوتی، لیکن نکاحِ فاسد کی صورت اگرچہ ازدواجی تعلق حرام ہے لیکن اگر یہ قائم ہو گیا تو پھر حرمت پیدا ہو جائے گی، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

---

(۱) ھدایہ : ۲ / ۲۸٦ (۲) نساء : / ۲۲

"ثم حرمة المصاهرة تثبت بالعقد الصحيح ...... و كذا تثبت بالوطء في النكاح الفاسد ." (۱)

"پھر حرمتِ مصاہرت عقدِ صحیح سے ہی ثابت ہوتا ہے، اسی طرح نکاحِ فاسد کی صورت میں ہونے والی وطی سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔"

یہی حکم زنا کا بھی ہے۔ اس مسئلے کا تعلق حرمتِ مصاہرت سے ہے۔ اس سے قبل ایک سوال کے جواب میں ہم نے وضاحت کی تھی کہ امام شافعیؒ کے سوا دیگر ائمہ کے نزدیک حرمتِ مصاہرت زنا کی وجہ سے بھی پیدا ہو جاتی ہے (۲)۔ نکاحِ صحیح کے ذریعے تو بہر حال حرمتِ مصاہرت پیدا ہو جائے گی، چاہے ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو لہٰذا مذکورہ لڑکے کے لیے اپنے والد کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں۔

کیا تجدیدِ نکاح ضروری ہے؟

سوال: بیوی سے چھ ماہ دور رہنے کے بعد جب دوبارہ صحبت کریں تو کیا دوبارہ نکاح کرنا یا یوں کہنا ضروری ہے کہ میں نے تجھ کو اپنے نکاح میں قبول کیا؟ جب کہ میں یہاں سعودی عرب میں دو سال سے ہوں، میرا ایک دوست چھٹی پر گیا تو اس نے ایسا ہی کیا، کیا یہ ضروری ہے جب کہ ہر ماہ خط اور فون پر بات چیت ہوتی رہتی ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں میری پریشانی دور کریں۔

(عبدالرشید، سراۃ عبیدہ)

جواب: بیوی سے چھ ماہ یا اس سے بھی زیادہ دوری کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا، نکاح کا تعلق تو شوہر کے طلاق دینے یا میاں بیوی میں سے کسی ایک کے انتقال کر جانے سے ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح بعض صورتوں میں شرعی قاضی کے نکاح فسخ کر دینے یا بیوی کے خلع کرا لینے کی وجہ سے بھی رشتہ نکاح ختم ہو جاتا ہے، صرف شوہر و بیوی کا طویل

---

(۱) بدائع : ۵۳۵/۲ ط : بیروت (۲) الفقه الاسلامی و أدلته : ۱۳۵/۷

عرصہ تک جدا رہنا نکاح کے ختم ہو جانے کا سبب نہیں، لہٰذا صحبت و تعلق سے پہلے نہ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے اور نہ یہ کہنے کی کہ میں نے تجھ کو اپنے نکاح میں قبول کیا، البتہ بیوی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر طویل عرصہ جدائی جائز نہیں۔

نکاح میں کفو کا اعتبار

سوال: اسلام میں کس قوم کا رشتہ کس قوم سے جائز ہے اور کس سے ناجائز؟ ہمارے چند ساتھیوں کے درمیان اس بارے میں شدید اختلاف ہے کہ سیدزادی کا رشتہ کسی دوسرے (غیر سید) سے جائز ہے یا نہیں، کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(اورنگ زیب عباسی، ریاض)

جواب: اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی بھی انسان کا حسب نسب نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کا عمل دیکھا جاتا ہے، نوح علیہ السلام نے اپنے کافر مشرک بیٹے کو جب اپنے اہل اور اپنی آل یعنی اپنے اہل بیت میں سے قرار دیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت جواب یہ تھا: "وہ تمہارا بیٹا نہیں ہے، اس کا عمل ٹھیک نہیں ہے۔" (۱) اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد، لوط علیہ السلام کی بیوی اور نبی اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب نے انبیاء کی قرابت کے باوجود اسلام قبول نہ کیا اور نبیوں کی رشتہ داری ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکی۔ رسول اللہ کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔" (۲) اس لیے خاندان اور برادری کے لحاظ میں غلو اسلام کے مساوات اور خوت و بھائی چارہ کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا امتیاز اور آباء واجداد پر فخر کو ختم کر دیا ہے، انسان یا تو مومن متقی ہے یا فاجر شقی۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے خود اپنے عمل سے اس کی مثال

---

(۱) سورہ ہود، آیت: ۴۵ (۲) مسلم: رقم الحدیث ۲۵۶۴ (۳) ابوداؤد، باب التفاخر بالانسان عن ابی ہریرۃؓ (۳) بیہقی: ۱۳۴/۲ (۳) حوالہ سابق (۴) بیہقی: ۱۳۵/۷

پیش فرمائی، آپ ﷺ نے اپنے چچازاد بہن سید ناز ینب رضی اللہ عنہا کا اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا۔(۱) اسامہ رضی اللہ عنہ کا نکاح آپ ﷺ نے فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا سے کردیا جو قریشی خاتون تھیں۔ (۲) ضباعہ بنتِ زہیر بن عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا نکاح مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ (۳) اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی حیات میں اس طرح کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

رشتہ طے کرتے وقت رہن سہن، دین، حالت، دیانت اور اخلاق ہی ملحوظ رکھے جانے چاہئیں، یہ بالکل غلط ہے کہ ایک خاندان کا رشتہ دوسرے خاندان میں نہیں کرسکتے، اس کا خیال رکھنے کی اجازت تو ہے لیکن اس کو اوّلین حیثیت دیتے ہوئے دوسرے خاندان میں نکاح کو ناجائز قرار دینا بالکل درست نہیں۔

سود کے کاروباری کے یہاں نکاح

سوال: اسلام میں سود کھانا اور سودی کاروبار کرنا یقیناً ناجائز ہے، لیکن میں جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اتفاق سے اس کا باپ سودی کاروبار کرتا ہے، کیا اس کی لڑکی سے میرا نکاح ہوسکتا ہے؟

(راحیل علی، جدہ)

جواب: سود لینا یا سودی کاروبار میں کسی بھی قسم کی شرکت حرام ہے، وہ گھرانے جن کی آمدنی کا وحد ذریعہ صرف یہی سودی پیسہ ہو، اس قسم کے لوگوں کے یہاں کھانا پینا بھی منع ہے، اگر آپ کا رشتہ ایسے گھرانے میں ہو رہا ہے تو آپ بلا کسی جھجک کے یہ رشتہ منظور کرلیں، تاکہ آپ کی وجہ سے کم از کم ایک فرد تو حرام غذا سے بچ جائے، اس نیت کے ساتھ یہ رشتہ منظور و قبول کرلیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین اجر و ثواب سے نوازے گا اور آپ کا یہ نکاح بلاشبہ ایک بڑی نیکی متصور ہوگا۔

---

(۱) بیهقی : ۱۳٤/۲ (۲) حواله سابق (۳) بیهقی : ۱۳٥/۷

جائز رشتہ

سوال: ایک عورت کی شادی تقریباً بیس سال قبل ایک رشتہ دار کے ساتھ ہوئی، تقریباً آٹھ سال بعد شوہر کا انتقال ہو گیا، رشتہ داروں نے اس کا نکاح دوبارہ شوہر کے چھوٹے بھائی سے کر دیا، ابھی کچھ عرصہ قبل اس شخص کا بھی انتقال ہو گیا، اس کا نکاح شوہر ہی کے ایک دوسرے (بڑے) بھائی سے ہونے والا ہے، کیا یہ رشتہ جائز ہے؟ نیز کیا عدت کے اندر نکاح ہو سکتا ہے یا عدت کے بعد؟ اور کیا عورت تمام شوہروں سے حصہ پائے گی؟ امید ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں گے؟

(حاجی محمد اشرف، مدینہ منورہ)

جواب: اگر حرمت کا اور کوئی سبب نہ پایا جائے تو شوہر کے انتقال کے بعد اس کے چھوٹے یا بڑے بھائی سے نکاح جائز ہے اور نکاح عدت گزرنے کے بعد ہوگا، عدت کے اندر نکاح جائز نہیں، ہندیہ میں ہے:

"لایجوز للرجل أن یتزوّج زوجة غیره و کذٰلك المعتدة" (۱)

"غیر کی منکوحہ اور اسی طرح غیر کی معتدہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔"

عورت تمام شوہروں کی میراث سے اپنا شرعی حق اور حصہ پائے گی۔ (۲) کیوں کہ اصول یہی ہے کہ کسی بھی شخص کے انتقال کے وقت اس کے جتنے بھی ورثاء موجود و زندہ ہوں ان تمام کے درمیان وراثت تقسیم کی جائے گی، اگر وراثت کی تقسیم تک کسی وارث کا انتقال ہو جائے تب بھی وہ اپنے حق سے محروم نہ ہوگا، گزشتہ دونوں شوہر کے انتقال کے وقت عورت ان کی زوجیت میں تھی، اس لیے عورت دونوں شوہر سے وراثت کی حقدار رہے گی۔

---

(۱) هندیه ۱/۲۸۱ (۲) سراجی: ۱۲

عیسائی لڑکی سے نکاح

سوال: ہمارا ایک دوست عیسائی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، وہ لڑکی بھی اس پر راضی ہے لیکن شادی کے بعد وہ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتی ہے، کیا شرعاً ایسا ممکن ہے؟ نیز غیر مسلم لڑکی سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ شرعی طور پر رہنمائی فرمائیں۔

(محمد فتح اللہ، سکا سکا، شوکت علی اعوان، عنک)

جواب: مسلمان لڑکی کا نکاح اہلِ کتاب (عیسائی و نصرانی یا یہودی) کے لڑکے سے نہیں ہو سکتا، لیکن ان کی لڑکی کا نکاح مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ." (۱) اگرچہ یہ افضل و بہتر ہرگز نہیں، (۲) اور یہ نکاح بھی اسی وقت جائز ہے جب کہ وہ واقعی عیسائی ہو، اگر صرف نام کی عیسائی ہو اور عقائد ملحدانہ ہوں تو پھر اس سے نکاح جائز ہی نہیں۔ بہر حال مسلمان لڑکی سے نکاح کریں، اہلِ کتاب کے علاوہ کسی کافر و مشرک مرد و عورت کا نکاح مسلمان مرد و عورت سے کسی صورت میں نہیں ہو سکتا، ہاں صدق دل سے اسلام قبول کر لیں تو مسلمان ہونے کی وجہ سے نکاح جائز ہو جائے گا۔

غیر مسلم سے نکاح

سوال: ایک صاحب اس بات پر بضد ہیں کہ عورت کا کوئی مذہب نہیں، وہ صرف اپنے خاوند کے تابع ہے، اس کا جو مذہب ہے عورت کا وہی مذہب ہے، جیسے اکثر بڑے لوگ بغیر مسلمان کیے ہر مذہب کی عورت سے شادی کر لیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ارشد محمود الخبر)

جواب: عورت مذہب اور دیگر معاملات میں خود مختار ہے، شریعت نے عورت کو شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا ہے نہ یہ کہ وہ عقیدہ و عمل میں بھی شوہر کی تابع

(۱) بقرة: ۲۲۱ (۲) هندیه: ۱/۲۸۱

رہے، شوہر اگر کوئی غلط راہ اختیار کرے یا کسی گناہ و نافرمانی کا حکم دے تو بیوی کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس معاملہ میں شوہر کی اطاعت و اتباع کرے، ورنہ عند اللہ وہ جوابدہ ہوگی۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔''(۱) نکاح کے لیے بیوی کا مسلمان ہونا ضروری ہے، (اہلِ کتاب کے علاوہ) غیر مسلم عورت سے نکاح کو شریعت نے جائز نہیں رکھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ . " (۲)

چنانچہ اسلام قبول کیے بغیر غیر مسلم عورت سے کیا گیا نکاح باطل ہوگا، اسی طرح غیر مسلم شوہر و بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے یا مسلمان شوہر و بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو نکاح باقی نہیں رہتا۔ دکتور وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

" أما فرق الفسخ غير المتوقفة على القضاء فهي ...... الفسخ بسبب ردة الزوج في رأي أبي حنيفةؒ و أبي يوسف ، فإن ارتد الزوجان فلايفرق بينهما بمجرد الردة في الراجح عند الحنفية . " (۳)

''فسخ نکاح کی وہ قسم جو قضاءِ قاضی پر موقوف نہیں، تو شیخین کے نزدیک یہ شوہر کا ارتداد ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں راجح قول کے مطابق صرف ارتداد سے دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔''

کتنی اور کس کو ادا کرے؟

سوال: مہر کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟ مہر نکاح سے پہلے دینا چاہیے یا نکاح کے بعد؟ اگر نکاح کے بعد دینا ہو تو کیا نکاح کے فوراً بعد دینا ضروری ہے؟ اور کیا مہر کی ادائیگی کے وقت ولی یا گواہوں کا ہونا

(۱) ابن ماجہ باب طاعة الامام (۲) ... (۳) (الفقه الاسلامي و أدلته : ۳۵۵/۷)

ضروری ہے؟ نیز مہر بیوی کو دینا چاہیے یا بیوی کے والد کو؟ اس بارے میں رہنمائی فرمائی جائے تو مہربانی ہوگی۔

(محمد علیم، ریاض)

جواب: مہر کی شریعت نے کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے، باہمی رضامندی سے آدمی اپنی استطاعت کے بقدر مہر مقرر کرے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، اس سے کم مہر نہیں ہو سکتا، جب کہ جمہور ائمہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار متعین نہیں، مہر کا وجوب نکاح کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا نکاح سے قبل مہر کی ادائیگی بے معنی ہے اور اسے مہر نہیں کہا جا سکتا، البتہ نکاح کے بعد مہر کب ادا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ مہر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک مہر معجّل یعنی نکاح کے وقت مہر جلد یا فوراً ادا کرنے کی شرط ہو، اس صورت میں نکاح کے وقت ہی یا نکاح کے بعد فوراً مہر کی ادائیگی ضروری ہے، تاخیر کی صورت میں بیوی "حق صحبت" سے انکار کر سکتی ہے، البتہ یہ بیوی کا حق ہے، لہٰذا وہ خود تاخیر پر راضی ہو اور مطالبہ نہ کرے تو تاخیر میں کوئی گناہ نہیں، مہر کی دوسری صورت "مہر مؤجل" کی ہے، یعنی نکاح کے وقت مہر فوراً ادا کرنے کی شرط نہ ہو بلکہ حسبِ سہولت دیر سے دینے پر عورت راضی ہو، اس صورت میں بیوی نکاح کے بعد فوراً مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور عدمِ ادائیگی مہر کی وجہ سے اس کی طرف سے اعراض وانکار بھی درست نہیں، اب مہر کب تک ادا کرنا چاہیے؟ یہ شوہر کے حالات پر منحصر ہے، یہ اس کے ذمہ بیوی کا قرض ہے، جتنی جلدی ہو سکے ادا کرے، بلاوجہ تاخیر درست نہیں، زندگی میں ادا نہ کر سکے تو مرنے کے بعد اس کے مال سے پہلے یہ قرض ادا کیا جائے گا، پھر وراثت تقسیم ہوگی۔

مہر بیوی کا حق ہے، اس لیے بیوی ہی کو دینا چاہیے نہ کہ اس کے والد کو، بیوی کو اختیار ہے کہ وہ جہاں چاہے خرچ کرے۔ ڈکتور وہبہ زحیلی رقمطراز ہیں:

" اتفق الفقهاء على أن للمرأة الرشيدة أن تتصرف في مهرها بماتشاء بيعا أوهبة و نحوهما ، وتصرفها نافذ ، لأن المهرملكها ،

فتتصرف فيه كما تتصرف في سائر أملاكها . " (۱)

"فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ذی شعور عورت کو اپنے مہر میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے، چاہے تو وہ بیچ دے یا ہبہ کر دے یا کچھ اور کرے، عورت کا تصرف نافذ ہوگا، اس لیے کہ مہر کی وہ خود مالک ہے، لہٰذا وہ اس میں تصرف کر سکتی ہے، جیسا کہ اپنی دوسری املاک میں تصرف کا حق رکھتی ہے۔"

ادائیگی مہر کے وقت ولی یا گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، لیکن کسی بھی معاملہ میں گواہ بنا لیے جائیں تو بہتر ہے، تاکہ اختلاف ونزاع کی صورت میں دشواری نہ ہو، مثلاً آپ مہر ادا کر چکے ہوں اور بعد میں بیوی سے اختلاف ہو جائے اور وہ مہر کے نہ ملنے کا دعویٰ کر کے مہر کا مطالبہ کرے اور آپ کے پاس ادائیگی کا ثبوت نہ ہو تو ظاہر ہے قاضی (دوبارہ) آپ کو مہر ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ یہی بات دیگر معاملات میں بھی ہے، اس لیے شریعت اس طرح کے معاملات کو لکھ لینے اور اس پر دو گواہ بنا لینے کی ترغیب دیتی ہے، لیکن ہر معاملہ میں یہ چیز قانوناً ضروری نہیں، طرفین کی صوابدید پر منحصر ہے۔

مہر کے بدلے زیور

سوال: میں نے اب تک بیوی کا مہر ادا نہیں کیا، اب اگر میں مہر میں طے شدہ رقم کے بدلے اسی پونجی سے کوئی زیور بنا دوں اور بیوی کو دے دوں تو کیا میری طرف سے مہر کی ادائیگی ہو جائے گی؟

(زاہد حسین، بٹ، جدہ)

جواب: بیوی اگر اس پر راضی ہو تو اس سے مہر کی ادائیگی ہو جائے گی، بیوی کی اطلاع اور اس کی رضامندی کے بغیر اگر آپ اپنے طور پر زیور دیں اور دل میں مہر کی ادائیگی کی نیت کر لیں تو اس طرح مہر کی ادائیگی درست سمجھی جائے گی اور بعد میں بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں رہے گا، ہدایہ میں ہے:

---

(۱) الفقه الاسلامی و أدلته : ۲۸٤/۷

" من بعث إلى امرأته شيئا فقالت هو هدية ، وقال الزوج : هو من المهر ، فالقول قوله ، لأنه هو المملك فكان اعرف بجهة التمليك ، كيف و إن الظاهر أنه يسعى في اسقاط الواجب ، إلا في الطعام الذي يوكل ، فالقول قولها و المراد منه ما يكون مهياء للأكل ، لأنه يتعارف هدية . " (۱)

"اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجے، عورت اس کے بارے میں کہے کہ وہ ہدیہ ہے اور شوہر کہے کہ وہ مہر ہے تو شوہر کی بات معتبر ہوگی کہ وہی مالک بنانے والا ہے۔ لہٰذا وہی مالک بنانے کی جہت سے واقف ہوگا، ظاہر ہے کہ کسی بھی شخص کی پہلی کوشش یہی رہے گی کہ وہ اپنے ذمہ اداطلب حق سے سبکدوش ہو جائے، سوائے خوردنی اشیاء کے، کہ اگر شوہر نے مہر میں خوردنی چیزیں دی ہوں تو بیوی کے دعویٰ کا اعتبار ہوگا، خوردنی اشیاء سے مراد وہ چیز ہے جس کو کھانے کے لیے ہی تیار کیا گیا ہو، اس لیے کہ عُرفِ عام میں اس طرح کی چیزیں ہدیہ ہی کے طور پر دی جاتی ہیں۔"

کیا ادائیگی مہر سے قبل ہونے والی اولاد ناجائز ہے؟

سوال: ہمارے ایک دوست نے کہا کہ اگر کوئی شخص شادی کے دن مہر ادا نہ کرے اور بیوی سے صحبت کرلے، پھر ادائیگی مہر سے پہلے ہی اولاد ہو جائے تو وہ ساری اولاد ناجائز کہلائے گی، کیا یہ بات درست ہے؟ اس طرح تو بہت سے افراد کا وجود ناجائز ٹھہرے گا، کیوں کہ ہمارے یہاں مہر کی ادائیگی میں عموماً تاخیر کی جاتی ہے، اس سلسلے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

(محمد افضل ایاز، نجران)

جواب: مہر شوہر کے ذمہ بہر حال واجب الادا رہے گا، لیکن مہر کی ادائیگی سے قبل

---

(۱) هدايه : ۲/۲۱۷ ط : دهلی

ہونے والی اولاد ناجائز نہیں ہوگی، کیوں کہ نکاح میں ایجاب و قبول کے بعد شوہر و بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال ہو جاتے ہیں۔

مہر دو طرح کا ہوتا ہے، ایک مہر مؤجل اور دوسرا مہر معجّل، مہر مؤجل کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے وقت ہی اس بات کی صراحت کر دی جائے کہ مہر کی ادائیگی تاخیر سے ہوگی، ایسی صورت میں تو ظاہر ہے مناسب تاخیر اور حسبِ سہولت مہر کی ادائیگی کی شرعاً گنجائش ہے، مہر معجّل کا مطلب یہ ہے کہ مہر فوراً ادا کرنے کا وعدہ ہو اور اسی (مہر معجّل) پر نکاح ہوا ہو، تو ایسی صورت میں بھی میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال تو رہتے ہیں، لیکن عورت کو اس بات کا حق حاصل رہتا ہے کہ وہ مہر کی وصولی تک شوہر کو اپنے نفس پر قدرت نہ دے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کرے۔ علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

" فإن منعت نفسها حتی تسلم صداقها و کان حالا ، فلها ذلك ، قال ابن المنذر : أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم أن للمرأة أن تمتنع من دخول الزوج حتی يعطيها مهرها " (۱)

"اگر مہر ادا کرنے تک اپنے کو شوہر کے سپرد کرنے سے انکار کر دے تو اس کو اس کا اختیار ہے۔ ابن منذرؒ کہتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت شوہر کو دخول سے روک سکتا ہے، تا آنکہ وہ مہر نہ ادا کر دے۔"

یہ اس کا ذاتی حق ہے، اگر وہ خود ہی اپنے حق مہر کو مؤخر کر دے اور مطالبہ نہ کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

حرمتِ رضاعت سے لا علمی

سوال: میں نے اپنی پھوپھی کی چوتھی بیٹی سے شادی کر لی ہے، ہماری شادی کو ۹ / سال ہوئے ہیں اور ابھی ہمارے ہاں تین بچے ہیں، اردو

---

(۱) المغنی : ۱۰ / ۱۷۱

نیوز میں دینی مسائل پڑھتے ہوئے کئی بار یہ مسئلہ پڑھنے کو ملا جو میرے ساتھ بھی پیش آیا ہے، میں نے اپنی پھوپھی کا ان کے دوسری بیٹی کے ساتھ اکٹھے دودھ پیا ہے، نکاح کے وقت ہمیں اس کا کچھ علم نہ تھا، قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ اب میں کروں؟

(رحمت علی، جدہ)

جواب: اگر آپ نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے تو وہ آپ کی رضاعی ماں اور ان کی ساری اولاد رضاعی بہن بھائی ہوئے اور حقیقی بہن کی طرح رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز نہیں۔ نکاح کے وقت حرمت کا علم نہ رہا ہو تو اس سے نکاح جائز نہیں ہو جاتا، مسئلہ کا علم ہو جانے کے بعد جدائی اختیار کرنا ضروری ہے، کیوں کہ نکاح شرعاً ہوا ہی نہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی پیش آیا تھا، آپ کے اطمینان کے لیے اس کو ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ابواہاب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا میں نے عقبہ کو اور ابواہاب کی بیٹی کو جس سے عقبہ نے شادی کی ہے، دودھ پلایا ہے، (لہٰذا عقبہ اور ابواہاب کی بیٹی چوں کہ دودھ شریک بھائی بہن ہوئے اس لیے ان کا نکاح باطل ہوا) عقبہ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے (اس سے پہلے) اس بارے میں بتایا، پھر عقبہ نے ایک آدمی کو ابواہاب کے خاندان والوں کے پاس یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ اس عورت نے تمہاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو، اس کے بعد عقبہ سوار ہو کر مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے اپنے نکاح کے بارے میں پوچھا (کہ یہ صورت پیدا ہو گئی ہے آیا میرا نکاح باطل ہو گیا ہے یا باقی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تم اس لڑکی کو کس طرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جب یہ بات کہی گئی کہ وہ تمہاری دودھ شریک بہن ہے؟ چنانچہ عقبہ نے اس لڑکی کو علاحدہ کر دیا اور اس

لڑکی نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔(۱) اس حدیث کی بناء پر بعض ائمہ تو ایک عورت کی گواہی سے حرمتِ رضاعت کو ثابت قرار دیتے ہیں جب کہ بعض ائمہ کا رجحان یہ ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح حرمتِ رضاعت بھی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے اور اس روایت کو احتیاط و تقویٰ پر محمول کیا ہے، یعنی ایک عورت کی گواہی سے بھی جب شک پیدا ہو گیا تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ میاں بیوی جدائی اختیار کرلیں، آپ کا معاملہ تو شک پر مبنی نہیں بلکہ آپ کو خود اس کا اقرار ہے، لہٰذا آپ کو چاہیے کہ بیوی کو طلاق دے دیں، عدت کے بعد وہ دوسرے کسی مرد سے نکاح کرسکتی ہے اور آپ بھی اپنے لیے کوئی دوسرا جائز رشتہ تلاش کرسکتے ہیں۔

دودھ بخشنا

سوال: کیا ماں کی وفات سے پہلے دودھ بخشوانا لازمی ہے؟

(محمد سلیم، ریاض)

جواب: یہ ایک رسم ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، البتہ دودھ پلانے کا حق یہ ہے کہ آپ ماں کی اتنی خدمت کریں کہ جنت کا استحقاق ہو، حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ ﷺ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادرِ مبارک بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئی، جب وہ چلی گئیں تو بتایا گیا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔(۲) محدثین لکھتے ہیں کہ یہ خاتون حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے پوچھا: کس چیز سے رضاعت کا حق ادا ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (خدمت کا) ایک غلام یا ایک باندی سے۔(۳) یعنی یا تو خدمت کے لیے غلام یا باندی دے کر یا خود خدمت کرکے دودھ کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دودھ بخشوانے کی رسم کی شرعاً کوئی حیثیت

---

(۱) بخاری عن عقبة، باب شهادة المرضعة، كتاب النكاح، ترمذی عن عقبة بن الحارث، باب ما جاء في شهادة المرأة الواحدة في الرضاع (۲) ترمذی عن ابی الطفیل، باب مایذهب مذمة الرضاعة (۳) حوالہ سابق

نہیں، اصل چیز خدمت ہے، اس لیے خدمت کر کے دودھ کا حق ادا کرنا چاہیے۔

مدتِ رضاعت

سوال: ہمارے ایک دوست نے کہا کہ اگر دو سال کی عمر میں بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے، اگر بڑی عمر میں پیے تو وہ رضاعی ماں نہیں بن سکتی، کیا یہ بات درست ہے؟

(محمد شبیر، ریاض)

جواب: جی ہاں، یہ بات درست ہے، مدتِ رضاعت دو سال ہی ہے، دو سال کی عمر کے اندر اگر کوئی لڑکا یا لڑکی کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ عورت اس کی رضاعی ماں ہوگی اور اس کی اولاد رضاعی بھائی بہن، اس طرح ان کے درمیان حرمتِ رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا، دو سال کی عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پینا پلانا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی پی لے تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور وہ عورت دودھ پینے والے کے لیے رضاعی ماں نہیں بنے گی۔ امام ترمذیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب سنن ترمذی میں اس کے لیے باب ما جاء أن الرضاعة لاتحرم إلا فی الصغر دون الحولین کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

" لا یحرم من الرضاع إلا ما فتق الامعاء فی الثدی و کان قبل الفطام . " (۱)

امام ترمذیؒ حدیث نقل کرنے کے بعد فقہاء کا مذہب نقل کرتے ہیں:

" و العمل علی هذا عند أکثر أهل العلم من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم و غیرهم أن الرضاعة لاتحرم إلا ما کان دون الحولین و ما کان بعد الحولین الکاملین ، فإنه لایحرم شیئا . " (۲)

---

(۱) ترمذی عن أم سلمه باب ماجاءان الرضاعة لاتحرم الافی الصغر دون الحولین

(۲) ترمذی عن أم سلمة باب ماجاء أن الرضاعة لاتحرم إلا فی الصغر دون الحولین

”صحابہ وغیرہ میں سے اکثر اہل علم کا عمل اس پر ہے کہ ۲/ سال کے اندر رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور ۲/ سال کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی۔“

رضاعی بھانجی سے نکاح

سوال: میں نے ایک عورت کا دودھ پیا جس کی ایک بڑی لڑکی ہے، اس کے بعد دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، پانچویں نمبر پر بیٹی کی ولادت کے وقت میں چھوٹا تھا، میں نے اس لڑکی کے ساتھ اس کی ماں کا دودھ پیا، لڑکی کی ماں ہماری قریبی رشتہ دار نہیں بلکہ دور کا رشتہ ہے، اب میں اس عورت کی سب سے بڑی بیٹی کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا یہ رشتہ میرے لیے جائز ہے یا اس میں بھی دودھ کا کوئی رشتہ موجود ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: آپ کے لیے یہ رشتہ شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ جس عورت کا آپ نے دودھ پیا وہ آپ کی رضاعی ماں اور اس کی تمام اولاد (بیٹے بیٹیاں) آپ کے رضاعی بھائی بہن ہو گئے، لہٰذا اس رشتہ سے جس لڑکی سے آپ نکاح کرنا چاہ رہے ہیں وہ آپ کی رضاعی بھانجی ہوئی، جس طرح سگی بہن اور بھانجی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی بہن اور رضاعی بھانجی سے بھی نکاح جائز نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ (۱) مدتِ رضاعت میں جس عورت کا بھی دودھ پیا جائے اس کی تمام اولاد سے رضاعت کا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے نہ کہ صرف اس سے جس کے ساتھ دودھ پیا ہو۔

مدتِ حمل اور ثبوتِ نسل

سوال: اگر ایک شخص شادی کے بعد پردیس آجائے پھر تین سال یا

---

(۱) ابوداؤد عن عائشة باب مایحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، کتاب النکاح (۱) المغنی ۱۲۴/۸

اس سے زیادہ عرصہ گھر نہ جائے، تقریباً تین سال بعد اس کے گھر ولادت ہو تو کیا بچہ جائز ہو گا یا ناجائز؟ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ عام طور پر عورتوں کو ۹ ماہ بعد ولادت ہوتی اور کسی کو سات یا آٹھ ماہ بعد بھی، ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ عورت کو تین ساڑھے تین سال بعد بھی ولادت ہو سکتی ہے، یعنی اتنی مدت تک بچہ اس کے پیٹ میں رہ سکتا ہے، اس سلسلے میں کتاب و سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(شجاعت و حکیم خان، ریاض)

جواب: ثبوتِ نسب کے سلسلے میں شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ جب تک کوئی مجبوری نہ ہو نسب کی نفی نہیں کرنی چاہیے، یعنی کسی لڑکی یا لڑکے کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ حرامی یا ناجائز اولاد ہے اور اس بات پر تقریباً ائمہ کا اتفاق ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، یعنی زیادہ سے زیادہ دو سال تک رحم مادر میں بچہ رہ سکتا ہے، چنانچہ نکاح کے چھ ماہ بعد ہی اگر کسی کو ولادت ہو جائے تو اس لڑکی یا لڑکے کا نسب شوہر سے ثابت ہو گا، عورت کو زانیہ نہیں کہہ سکتے، بلکہ مشہور حنبلی عالم علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں نکاح کے بعد چھ ماہ کے اندر پیدا ہونے والے نومولود کو بھی صحیح و ثابت النسب قرار دینے کو ترجیح دی ہے، (۱) اسی طرح اگر کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور وہ دوبارہ کسی سے نکاح نہ کرے، پھر طلاق کے بعد دو سال کے اندر اس کو ولادت ہو جائے تو طلاق دینے والے شوہر سے اس کا نسب ثابت ہو گا، عورت کے کردار پر شبہ کرنا درست نہ ہو گا، اگر کوئی عورت کو زانیہ کہے اور اس پر زنا کی تہمت لگائے تو اسلامی حکومت میں چار گواہ پیش نہ کر سکنے کی صورت میں اس پر حد قذف (تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے) جاری کی جائے گی، اگر جرم ثابت ہو جائے تو زانی و زانیہ (محصن یعنی شادی شدہ ہونے کی صورت میں) سنگسار کر دیئے جائیں گے، ورنہ ان پر سو کوڑے لگائے جائیں گے۔

---

(۱) المغنی : ۱۲۴/۸

یہ تو اس صورت میں ہے کہ عورت غیر شادی شدہ ہو یا تہمت لگانے والا شخص اجنبی شخص ہو شوہر نہ ہو، اگر عورت منکوحہ ہے تو بغیر کسی بنیاد کے شوہر کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی بیوی سے ہونے والی اولاد کے نسب کی نفی کرے، ہاں اگر قوی قرائن ہوں یا اس نے خود گناہ میں مبتلا دیکھا ہو لیکن چار گواہ پیش نہ کر سکتا ہو تو ایسی کسی صورت میں اگر وہ عورت پر زنا کا الزام لگائے یا اولاد کی نفی کرے تو شوہر و بیوی کے لیے اسلامی شریعت نے ایک خاص حکم دیا ہے، جسے ''لعان'' کہتے ہیں، یعنی شوہر و بیوی چار مرتبہ اپنے سچے ہونے کا اقرار کریں اور پانچویں مرتبہ جھوٹے ہونے کی صورت میں اپنے اوپر اللہ کی لعنت بھیجیں، شوہر بیوی میں سے جو بھی لعان سے انکار کرے اس پر حد نافذ کی جائے گی، اگر دونوں لعان کرلیں تو قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے گا اور اب لڑکا ماں کی طرف منسوب ہوگا، باپ سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، یعنی وہ ماں کا وارث ہوگا نہ کہ باپ کا۔

لعان کے بعد بھی عورت پر زنا کا الزام یا لڑکے کو ولد الزنا کہنا درست نہیں، اگر کوئی ایسا کہے تو اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی، عورت کے منکوحہ ہونے کی صورت میں جب تک شوہر اولاد کا انکار نہ کرے ان کا نسب اس سے ثابت ہوگا، چاہے ظاہری طور پر قرائن اس کے خلاف کیوں نہ ہوں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورت پر زنا کا الزام لگائے یا لڑکے کو ولد الزنا کہے، ورنہ اس پر حدِ قذف جاری ہوگی، ہاں اگر شوہر بیوی پر الزام لگائے یا لڑکے کا انکار کرے تو دونوں کے درمیان لعان ہوگا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، اگر شوہر خاموشی اختیار کرے تو لڑکا وراثت وغیرہ تمام احکامِ شرعیہ میں اس سے ثابت النسب سمجھا جائے گا، یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حدود کے نفاذ کا تعلق اسلامی حکومت سے ہے، جہاں اسلامی حکومت نہ ہو، حدود نافذ نہ ہوں گے۔

کیا غیر مسلم رشتہ دار محرم ہے؟

سوال: ایک ہندو خاتون مسلمان ہو گئی، اس کے سسر اس خاتون کو اس کے حقیقی بھائیوں سے ملنے نہیں دیتے اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چوں کہ تم مسلمان ہو اور بھائی کافر، لہٰذا وہ قرآن کریم کی رو سے غیر محرم ہو گئے، فتنہ کا خطرہ تو ضرور محسوس ہوتا ہے، لیکن کیا واقعی خونی رشتہ غیر محرم ہو گیا؟ اس کے ہر پہلو سے اگر وضاحت ہو سکے تو اچھا ہے، تاکہ ان خاتون کو وضاحت نامہ بھیجا جا سکے۔

(محمد عامل عثمانی، مکہ مکرمہ)

جواب: اسلام دین رحمت ہے، اس نے غیر مسلم والدین اور غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، حتی کہ غیر مسلم پڑوسیوں اور ان تمام غیر مسلموں سے بھی جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ نہ ہوں، ارشادِ باری ہے: "اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے بارے میں جو تم سے دین کے معاملے میں نہ جھگڑتے ہوں اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی و نیکی کرو اور ان سے انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" (۱) اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلے میں امام سیوطیؒ نے مسندِ احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیوی قتیلہ جنہیں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی، وہ اپنی بیٹی اسماء بنتِ ابی بکر کے پاس کچھ تحائف لے کر آئیں تو اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو قبول کرنے اور اپنی ماں کو گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے امّ المومنین سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیجا، رسولِ رحمت ﷺ نے ماں کے تحائف قبول کرنے اور انہیں گھر میں داخل کرنے کا حکم دیا، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲) یہ روایت الفاظ کے

(۱) الممتحنہ: ۸ (۲) الجامع لاحکام القرآن ۱۸/ ۴۰ ط: بیروت

معمولی فرق کے ساتھ صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے، جس میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی طرف سے یہ صراحت موجود ہے کہ میری ماں جو کہ مشرکہ تھیں میرے پاس آئیں تو میں نے رسول کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی و حسن سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حدیث میں اور قرآن پاک میں بھی والدین کے بارے میں تو صراحت ہے کہ وہ اگر کافر و مشرک بھی ہوں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔(۱) سورہ الممتحنہ کی مذکورہ بالا آیت کے شانِ نزول میں اگرچہ مشرک ماں کا ذکر ہے، لیکن آیت کا مفہوم عام ہے کہ کافر و مشرک کے ساتھ بھی حسن سلوک اور نیکی و بھلائی دین رحمت کی تعلیم ہے۔

والدین کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی تاکید قرآن و حدیث میں کثرت سے وارد ہوئی ہے، اس کی بنیاد قرابت اور رشتۂ رحم (رحمِ مادر) میں منسلک ہونا ہے نہ کہ مذہب، اگر کوئی غیر مسلم رشتہ دار ہو تو اس کے ساتھ بھی حتی الامکان حسن سلوک اور صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کا اندازہ اس متفق علیہ روایت سے لگایا جا سکتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "آلِ ابی فلاں میرے دوست نہیں ہیں، میرا دوست تو اللہ اور نیک مؤمن ہیں، لیکن ان سے (یعنی آلِ ابی فلاں سے) رحم کا تعلق ہے، چنانچہ میں صلہ رحمی کے تقاضے کو پورا کروں گا۔(۲) اسی طرح جب سورہ الشعراء کی آیت ۲۱۴ نازل ہوئی کہ: "آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔" تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مختلف قبیلے و خاندان کے لوگوں کو جمع فرمایا اور نام لے لیکر ان سے وعظ فرمایا کہ تم اپنے آپ کو (اسلام قبول کر کے) آگ سے بچالو، پھر ارشاد فرمایا: "میں اللہ کے نزدیک تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہاں تم سے رحم (رشتہ داری) کا تعلق ہے (اس دنیا میں) اس کے تقاضے کو پورا

---

(۱) سورۃ لقمان ، آیت : ۱۵ (۲) صحیح البخاری ، کتاب الأدب ، باب تبل الرحم ببلالها حدیث نمبر: ۴۹۹۰، صحیح مسلم ، کتاب الأیمان ، باب موالاة المؤمنین ومقاطعة غیرهم والبراءة منهم ، حدیث نمبر: ۲۱۴

کروں گا۔"(۱) اسی صلہ رحمی اور حسن سلوک کی تعلیم کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کوئی حرج نہیں سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں ہدیہ کیا گیا "حلہ" (لباس) اپنے ایک ماں شریک مشرک بھائی کو ہدیہ کردیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے ایک مرتبہ یہودی غلام کی عیادت کی، اسی طرح جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ ان سے ملاقات وعیادت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: "اے چچا جان! لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے، تاکہ میں اس کے ذریعہ اللہ کے پاس سفارش کرسکوں (کیوں کہ کافرومشرک شفاعت کا مستحق نہیں۔) "حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مشرک رشتہ دار کی زیارت، اس سے ملاقات اور اس کی عیادت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔(۲)

ان آیات و احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ غیر مسلم رشتہ داروں سے ملاقات اور ان کے ساتھ حسن سلوک ناجائز نہیں بلکہ مطلوب وپسندیدہ ہے، البتہ حالات و ماحول کے اعتبار سے اس کے درجات مختلف ہوسکتے ہیں، مثلاً ملاقات کی صورت میں ظلم وزیادتی کا اندیشہ یا اپنے دین وایمان کی خطرہ ہو تو دور رہ کر خط وکتابت کے ذریعہ یا وقتِ ضرورت ان کی مدد وغیرہ کے ذریعہ بھی حسن سلوک اور صلہ رحمی کا تقاضا پورا کیا جاسکتا ہے، اگر ایسا کوئی خطرہ نہ ہو تو غیر مسلم رشتہ داروں سے ملاقات یا ان کی عیادت وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آخر میں ہم اس بات کی وضاحت کردیں کہ کوئی بھائی کفر کی وجہ سے غیر محرم نہیں ہوتا، رشتے دراصل دو طرح کے ہوتے ہیں محرم اور غیر محرم، محرم ان رشتہ داروں کو کہتے ہیں جن کے درمیان ایسا رشتہ ہو کہ شرعاً آپس میں ان کا نکاح کبھی بھی نہ ہوسکتا ہو، جیسے اولاد کا رشتہ والدین سے، اسی طرح بھائی بہن، ماموں بھانجی، چچا بھتیجی وغیرہ، ان کو "ذی رحم محرم" بھی کہتے ہیں، یعنی ان کے درمیان رحم (رشتہ

---

(۱) مسلم باب وانذر عشیرتک الاقربین، کتاب الایمان (۲) فتح الباری: ۱۴۹/۷

داری) کا تعلق بھی ہے اور محرمیت کا تعلق بھی کہ ان کا آپس میں کبھی بھی نکاح شرعاً جائز نہیں و دوسرے وہ رشتہ دار جو صرف "ذی رحم" ہیں، ان کے درمیان محرمیت کا تعلق نہیں، ان کے درمیان کبھی بھی رشتۂ نکاح قائم ہو سکتا ہے، ایسے رشتہ داروں کو "غیر محرم" کہتے ہیں، جیسے ماموں زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور چچازاد بھائی بہن وغیرہ، اسی طرح اجنبی مرد و عورت وغیرہ بھی "غیر محرم" ہوں گے، اگر کوئی رشتہ دار "غیر محرم" ہو تو اس سے ملاقات وغیرہ کے لیے بھی مسلمان عورت کے لیے پردہ کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اگر غیر مسلم محرم رشتہ دار ہوں، جیسے، والد، بھائی، دادا، نانا وغیرہ، تو مسلمان عورت کا ان کے سامنے آنا درست ہے۔

بہو پر اہل سسرال کی خدمت

سوال: ہمارے ہاں شادی کے بعد بہو نہ صرف ساس سسر بلکہ تمام سسرال والوں اور جوان دیوروں اور نندوں سب کی خدمت کرتی ہے، صبح سے شام تک ان سب کی خدمت میں مصروف رہتی ہے لیکن اگر کبھی شوہر کے ان قریبی رشتہ داروں سے کسی بات پر تکرار ہو جائے، تو اس کی سابقہ تمام خدمات فراموش کر دی جاتی ہیں، اور نوبت یہاں تک آجاتی ہے کہ اسے اپنے ماں باپ کے یہاں بھیج دیا جاتا ہے، واضح ہو کہ شوہر کی شروع ہی سے ذہن سازی کی جاتی ہے کہ تمہاری بیوی پر گھر کے ان تمام افراد کی خدمت کرنا ضروری ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بہو پر ساس، سسر اور سسرال والوں کی خدمت کرنا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر سے آگاہ کیا جائے۔

(عابدہ تبسم چوہدری، الخبر)

جواب: اسلام نے انسانی رشتوں کی حرمت و اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، یہ سرکارِ دو عالم ﷺ ہیں جو تمام رشتوں کے حقوق بار بار بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

کہ: ''ہر (رشتہ دار) حقدار کو اس کا حق دو۔''(۱) انسان پر اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ حق اس کے والدین کا ہے، لیکن والدین کے حقوق کی ادائیگی کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق غصب کیے جائیں، جہاں تک شوہر کے والدین اور اس کے بہن بھائیوں کی خدمت کا تعلق ہے تو اس بارے میں قرآن وحدیث، عمل صحابہؓ بلکہ کسی بھی دور میں کسی بھی صاحب علم کا یہ قول موجود نہیں ہے جو بتائے اور حکم دے کہ بہو پر سسرال والوں کی خدمت واجب ہے۔

شوہر، اولاد اور گھربار کی خدمت اور گھریلو کام کاج کرنا بیوی کے لیے اگرچہ ضروری اور واجب نہیں ہے لیکن ہر مسلم بیوی تمام گھریلو کام کاج کرتی ہے اور یہ بات خود ازواجِ مطہرات امہات المومنین اور صحابیاتؓ سے ثابت ہے، رسول کریم ﷺ کے لیے ازواجِ مطہرات کھانا بناتی تھیں، آپ ﷺ کے کپڑے دھوتی تھیں، خوشبو لگاتی تھیں، چکی میں آٹا پیستی تھیں، گھر کی صفائی اور دوسرے تمام لوازمات انجام دیتی تھیں۔ سیدہ کائنات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب کبھی کچھ کھانے پینے کی اشیاء دستیاب ہوتیں تو خود محبت سے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتیں اور اپنے شوہر کی خدمت میں پیش کرتیں، سیدہ فاطمہؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہن اجمعین اپنے گھروں میں سارے کام خود انجام دیا کرتی تھیں۔ وہ مشہور واقعہ تو تقریباً ہر کتابِ حدیث میں موجود ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آٹا پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں پر چھالے پڑ جاتے ہیں، سیدہ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما اپنے شوہر سید نا زبیر رضی اللہ عنہ کے سارے کام کاج خود اپنے ہاتھوں سے کرتیں، حتی کہ شوہر کی سواری، گھوڑے کا چارہ پانی والی خدمت بھی خود انجام دیتیں۔

کوئی بھی مسلم خاتون عموماً اور ہمارے معاشرے کی مشرقی بیوی خصوصاً شوہر، بچوں اور گھربار کی خدمت کرنا اپنے لیے واجب سمجھتی ہے اور یہ یقیناً ایک اچھا انسانی بلکہ اعلیٰ اخلاقی وصف ہے، یہ مشرقی مسلمان عورت ہی ہے جو نہ صرف شوہر کی

---

(۱) بخاری عن أبي جحيفة ، باب من أقسم على أخيه ليفطر ، كتاب الصوم

خدمت کرتی ہے بلکہ اپنے تمام بچوں اور گھربار کی دوسری ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے زندگی بھر انجام دیتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اسلام عورت (بیوی) پر بہت زیادہ بوجھ اور ذمہ داریاں نہیں ڈالنا چاہتا، لہٰذا بیوی کو شوہر اور بچوں کی خدمت وغیرہ کا پابند نہیں بنایا گیا، فقہاءِ احناف، مالکیہ اور شوافع کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیوی پر شوہر کا کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور دوسرے گھریلو کام کاج کرنا ضروری اور واجب نہیں ہے اور نہ ہی شوہر بیوی سے ان کاموں کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

جب بیوی پر شوہر کی خدمت کرنا (کھانا پکانا اور دوسرے گھریلو کام کاج وغیرہ) واجب اور ضروری نہیں ہے تو ساس سسر اور نندوں دیوروں کی خدمت کہاں سے واجب ہو گئی؟ شوہر خود اپنے والدین کی خدمت کرے یا اس کا انتظام کرے اگر بیوی سے یہ خدمت انجام دلوانا ہے تو اس کا طریقہ رغبت اور محبت ہے نہ کہ زبردستی یا سختی وشدت، لیکن بہو پر شرعی نقطہ نظر سے یہ واجب نہیں ہے۔

ہمارے معاشرے میں ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ مخصوص حالات (بعض اوقات کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں) اور رسم ورواج کی وجہ سے پورا خاندان ایک ہی گھر میں رہنے پر مجبور ہوتا ہے، ایسے میں نہ شرعی پردہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی الگ تھلگ رہنا ممکن ہوتا ہے، ایسی صورت میں شوہر اور بیوی دونوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکمت ونرمی اور احسن طریقے سے تمام گھر والوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ ایک گھر میں رہ کر بھی کچھ آداب اور پابندیاں ایسی ہیں جو ہم سب کو قبول کرنی ہیں، ایک پابندی پردے کی ہے کہ بہو بلا روک ٹوک جوان دیوروں اور گھر کے دوسرے مردوں کے سامنے نہ آئے، جب کہ دوسری پابندی یہ ہے کہ والدین اپنے بیٹے بہو کو شادی کے بعد اپنی خدمت پر اور اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہ کریں، اولاد اگر خود یہ دیکھتی اور سمجھتی ہے کہ والدین معذور ہیں، بہت زیادہ بوڑھے ہیں یا بیمار ہیں تو ایسی صورت میں صلہ رحمی کے تقاضے پورا کرنا اولاد اور بہو دونوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بوڑھے، بے سہارا والدین کے ساتھ رہیں، ان کی خدمت کریں اور ان کی دعائیں لیں۔

آخر میں نصیحت کے طور پر والدین، اولاد اور بہوؤں کے لیے یہ بات لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے گھروں کے بڑے چھوٹوں پر شفقت کرنا شروع کردیں اور سب اولاد کو برابری کے ساتھ دیکھیں اور عدل وانصاف سے کام لیں، دوسری طرف اولاد اور بہوئیں بڑوں کی خدمت کرنا اپنے لیے خوش نصیبی سمجھیں تو ہمارے سارے گھر سکون و آرام کے محل کدے بن جائیں اور ہم سب کی زندگی راحت و آرام والی زندگی بن جائے، لیکن کاش کہ ایسا ہو۔

اجنبی مردوں سے پردہ

سوال: کیا بیرونِ ملک مقیم خواتین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا چہرہ کھلا رکھیں، کیوں کہ ہم لوگ اپنے وطن سے دور ہوتے ہیں اور ہمیں کوئی نہیں پہچانتا؟

(راحیلہ فیروز، جدہ)

جواب: عورت اپنے وطن میں ہو یا وطن سے باہر ہر غیر محرم مرد سے پردہ کرنا ضروری ہے، چاہے وہ عورت کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ." (۱)

"اے نبی! آپ اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں سے فرمادیجئے (جب مجبوری کی بنا پر گھر سے باہر جانا پڑے تو) اپنے (چہروں کو) اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکالیا کریں۔"

اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) پردہ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کے ساتھ دوسری تمام مسلمان عورتوں کے لیے بھی ہے۔

---

(۱) احزاب: ۵۹

(۲) آیت میں پردہ کے لیے چہرہ پر چادر لٹکانے کا حکم ہے۔

(۳) پردہ کے لیے جلباب استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، جو استعمالی کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ آیت میں حکم دیا گیا کہ عورتیں جسم کے ساتھ ساتھ چہروں پر لٹکالیا کریں۔ موجودہ دور میں برقعہ اسی جلباب کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ البتہ یورپ اور بعض دوسرے ممالک میں رہائش پذیر مسلمان عورتوں کے لیے وہاں کے مخصوص ماحول اور بعض دوسری مجبوریوں کی وجہ سے بعض اہل علم نے یہ فتوی دیا ہے کہ مسلمان عورت اپنا چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے۔

بیوی کو بھائی کہنا

سوال : ہمارے ایک دوست نے اپنی بیوی کو تین بار بھائی صاحب کہہ دیا ہے، کیا وہ اس صورت میں بیوی سے ازدواجی تعلقات رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ (محمد مشتاق، ینبع البحر)

جواب : بیوی کو اس طرح مخاطب کرنے اور یہ لفظ کہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا وہ حسبِ سابق بیوی برقرار رہے گی۔

ستائیس رمضان کو عقدِ نکاح

سوال : میرے ایک دوست کی شادی اس کے گھر والوں نے دونوں عیدوں یعنی عید الفطر اور بقر عید کے درمیان کسی تاریخ میں طے کی ہے، جب کہ کچھ دوست احباب کا کہنا ہے کہ ان دو عیدوں کے درمیان شادی نہیں ہوتی؛ کیا یہ خیال درست ہے؟ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ۲۷/ رمضان کی شب نکاح پڑھایا جائے اور شادی رسم عید کے بعد ادا کی جائے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(محمد اختر، الجبیل)

جواب : یہ اصل میں ہندوانہ عقیدہ ہے کہ شادی کے لیے بعض زمانہ مبارک و مسعود

ہوتے ہیں اور بعض زمانے منحوس اور نامبارک، ہندوؤں سے یہ توہم پرستی مسلمانوں میں منتقل ہوئی ہے، شرعی اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں، ہر زمانہ، سال کے ہر ماہ، ماہ کے ہر ہفتہ اور ہفتہ کے ہر دن اور دن میں کسی وقت بھی نکاح ہو سکتا ہے، اس لیے عید و بقر عید کے درمیان بھی اور ۲۷/ رمضان کو بھی عقدِ نکاح درست ہے۔

جہیز لینا

سوال: لڑکی والے تو کسی نہ کسی طرح جہیز دیتے ہیں، مگر ہم لوگ بالکل جہیز لینا نہیں چاہتے، ایک چیز بھی نہیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

(حمید خان، جدہ)

جواب: لڑکی والے اپنی مرضی و خوشی سے کچھ دیں تو اس کو قبول کیا جا سکتا ہے، لیکن مطالبہ کسی بھی شکل میں جائز نہیں، نہ زبان سے اور نہ اپنے عمل و کردار سے، پھر لڑکی والے لڑکی کو جہیز میں کچھ دیں تو وہ اصلاً لڑکی ہی کی ملکیت ہے۔ (۱)

بھائی کی مدد

سوال: میرا ایک چھوٹا بھائی بہت ہی ناکارہ ہے، دن بھر آوارگی کرتا رہتا ہے، کام ٹھیک نہیں کرتا، اس کی آوارگی و بے روزگاری دیکھ میں بھی پریشان ہو جاتا ہوں، مگر جب میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں تو بیوی مجھ سے لڑتی ہے، چوں کہ میرے والدین نہیں ہیں، لہٰذا مجھ پر اب میرے بھائی کے کیا حقوق ہیں؟ اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں۔

(یامین غلام، جدہ)

جواب: قرآن و حدیث میں رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے، اس پر بڑا اجر و ثواب ہے اور ایسے لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی کو تنہا نہ چھوڑیں، بلکہ حسبِ استطاعت مالی مدد کے ساتھ نرمی و حکمت سے اصلاح کی فکر کریں اور اس سے بری عادتوں کو

---

(۱) ردّ المحتار: کتاب الھبہ

چھڑانے کی کوشش کریں، بیوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس سلسلے میں شوہر کے لیے رکاوٹ بنے، ہاں اگر بیوی کے حقوق ادا نہ ہو رہے ہوں تو وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتی ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی کی مدد واعانت کو بیوی سے مخفی رکھیں اور مالی مدد سے زیادہ اخلاق و کردار کو سدھارنے کی فکر کریں۔

بیوی یا شوہر کو خون کا عطیہ

سوال: کیا مرد اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے مرد کو بحالتِ ضرورت اپنا اصل خون دے سکتے ہیں یا نہیں؟ (ارشد محمود، الخبر)

جواب: شوہر و بیوی کا ضرورت کے وقت (آپس میں) خون دینا جائز ہے۔

شوہر کی اجازت کی بغیر سفر

سوال: کیا عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنا گھر چھوڑ کر دس پندرہ دن کیلئے کسی دوسرے شہر (رشتہ دار وغیرہ کے یہاں) جاسکتی ہے؟
نیز شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے یا سسرال کی اجازت کافی ہے؟

(شیر خان، بحرین)

جواب: ایک دن یا اس سے بھی کم وقت کے لیے کہیں جانا ہو تو شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر عورت کے لیے نفل روزہ رکھنے کی بھی شرعاً گنجائش نہیں تو اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا کیسے جائز ہوگا ؟اس سلسلے میں شوہر کی اجازت ہی معتبر ہوگی، ہاں اگر شوہر خود والدین یا گھر کے کسی اور فرد کی اجازت کو کافی سمجھتا ہو اور اسے اپنی طرف سے بھی اجازت تصور کرتا ہو تو الگ بات ہے، نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ دوسرا شہر اگر ۴۸ میل یا اس سے زیادہ دور ہو تو پھر بغیر محرم کے سفر کرنا بھی عورت کے لیے جائز نہ ہوگا۔

علاتی اور اخیافی رشتہ

سوال: علاتی اور اخیافی رشتہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: باپ شریک رشتہ کو علاتی اور ماں شریک رشتہ کو اخیافی کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ان سے جو اولاد ہوگی وہ آپس میں علاتی بھائی بہن کہلائیں گے، کیوں کہ ان کی ماں الگ الگ ہے اور باپ ایک ہی ہے، اسی طرح کوئی عورت شوہر کے انتقال یا طلاق دے دینے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور اس سے بھی اولاد ہو تو اس عورت کی اولاد جو پہلے اور دوسرے شوہر سے ہے وہ آپس میں اخیافی بھائی بہن ہوں گے، کیوں کہ ان کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہے، جن کے ماں باپ ایک ہی ہوں ان کو حقیقی بھائی بہن کہا جاتا ہے۔

رشتہ داری نبھائیں

سوال: چند سال قبل میرے والدین اور ماموں کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا، مجھے علم نہ تھا کہ زیادتی کس کی طرف سے ہے، دونوں طرف سے الزام تراشیاں تھیں، میں اس کا مناسب حل چاہتا تھا کہ برادری کے افراد مسئلہ کو حل کریں، جس کی غلطی ہو وہ دوسرے سے معافی مانگ لے، لیکن کوئی اس کے لیے تیار نہ ہوا، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ میرے بھائی اور بیوی بچے ماموں کی غمی اور خوشی میں شریک نہیں ہو سکتے اور والدہ محترمہ سے کہا آپ پر کوئی پابندی نہیں، آپ اگر اپنے بھائی کے گھر جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں، مگر والدہ بھی ہمارے نہ جانے کی وجہ سے بھائی کے گھر نہیں جاتی تھیں، تین سال قبل میری والدہ انتقال کر گئیں، مجھے یہ وہم ہے کہ میری والدہ میری وجہ سے اپنے بھائی سے جدا رہی ہیں، اگرچہ والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ تمہاری والدہ تمہاری وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے ماموں کی زیادتی کی وجہ سے ان کے گھر نہیں جاتی تھیں، اب ہمارے گھر ماموں آتے جاتے ہیں، میں ان کے گھر نہ جاؤں تو دوبارہ ناراضگی پیدا ہو جائے گی، مگر مجھے یہ خیال ستاتا ہے کہ والدہ کو تو زندگی میں بھائی سے جدا رکھا اور اب ان

کے گھر جاتا ہوں تو کہیں میں والدہ کے حق میں مجرم تو نہیں، اگر ایسا ہے تو میں زندگی بھر ان کے گھر نہ جاؤں گا، قرآن وحدیث کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیں۔ (محمد یونس طاہر، جدہ)

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار صلہ رحمی نبھانے کا حکم دیا ہے، قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ہمیں رشتوں کے جوڑنے اور ملانے کا حکم ملتا ہے اور ہمیں قطع رحمی سے سختی سے منع کیا جاتا ہے، ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو صلہ رحمی کو جوڑے میں اسے جوڑوں گا اور جو صلہ رحمی کو توڑے میں اسے توڑوں گا۔ (۱) آپ کی والدہ صاحبہ اور آپ کے ماموں کے درمیان جو بھی ناراضگی تھی اس سے قطع نظر آپ کو اپنے ماموں کے یہاں جانا چاہیے تھا اور رشتہ داری نبھانی چاہیے تھی، اب جب کہ آپ کی والدہ صاحبہ انتقال کر چکی ہیں، (اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اور ان کی مغفرت فرمائے) تو اب آپ کے لیے ممانعت نہیں ہے کہ آپ اپنے ماموں کے یہاں جائیں، تمام رشتہ داروں کے ہاں آنا جانا اور حسن سلوک قائم ودائم رکھیں اور کبھی بھی قطع رحمی نہ کریں۔

نہ مرد نہ عورت

سوال: میرے دوست کے گھر ولادت ہوئی، لیکن نومولود نہ لڑکا ہے نہ ہی لڑکی، وہ تیسری جنس کی مخلوق ہے، ان کے والدین بہت پریشان ہیں، اس کا علاج کہیں نہیں ہو سکتا، اس کا شمار کن میں کیا جائے؟ خاندان والوں نے آنا جانا بند کر دیا ہے، کس کس سے چھپایا جائے؟ انہوں نے ایک دفعہ بچے کو پھینک دیا تھا پھر ہمارے سمجھانے پر لے آئے، کیا یتیم خانے میں دیا جائے جائے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(سعد، جدہ)

جواب: آپ نے نومولود کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نہ لڑکا ہے اور نہ لڑکی بلکہ وہ

---

(۱) ترمذی عن عبداللہ بن عمرو باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین ابواب البر والصلۃ

تیسری قسم کی مخلوق ہے، مزید کوئی وضاحت آپ نے نہ کی اور نہ ہی علامات ذکر کی ہیں تاہم اس طرح کی پیدائش کوئی بعید نہیں، عجیب الخلقت ولادت کے واقعات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس کی قدرت اور مشیت وارادہ میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ یقیناً اس طرح کے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور یہ چیز والدین کے لیے اور خود اس نومولود کے لیے (آئندہ) امتحان و آزمائش بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے، یہاں مختلف طریقوں سے ہر ایک کی آزمائش کی جاتی ہے، بہر حال والدین کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کی اس مخلوق کو ضائع کر دیں یا اسے کوئی گزند پہنچائیں، اس کی پرورش ان پر لازم ہے جس طرح کہ سالم الخلقت لڑکی یا لڑکے کی پرورش ان پر لازم ہے، ہاں نومولود میں موجود کسی نقص کا علاج ممکن نہ ہو تو اس پر صبر کریں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے و تقدیر پر راضی رہیں، انشاء اللہ انہیں اس کا بہترین اجر و صلہ ملے گا، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا میں نہیں تو آخرت میں یقیناً۔

اس سلسلے میں مزید احکامات کتبِ فقہ میں موجود ہیں، یعنی شادی بیاہ، وراثت، امامت، پردہ وغیرہ کے احکامات جن میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہے، ان میں ایسے نومولود کو کس زمرہ میں رکھا جائے گا؟ اسے مرد تصور کیا جائے یا عورت؟ تقریباً ہر مسلک کی کتبِ فقہ میں اس کے احکامات کی تفصیل موجود ہے، فقہاء ایسے نومولود کو "خنثیٰ" سے تعبیر کرتے ہیں، ابن قدامہ حنبلیؒ نے المغنی میں اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "خنثیٰ وہ ہے جس میں مرد و عورت دونوں کی علامت ہو یا اس جگہ ایک سوراخ ہو جس سے اس کی پیشاب گاہ نکلتا ہو، اس کی دو قسمیں ہیں مشکل اور غیر مشکل، وہ جس میں مردوں یا عورتوں کی علامات نمایاں ہوں جس سے یہ جانا جا سکے کہ وہ مرد ہے یا عورت، یہ خنثیٰ غیر مشکل ہے"، یہ حقیقت میں مرد ہی ہے جس میں کچھ عورتوں والی علامات زائد ہیں یا پھر یہ عورت ہے جس میں کچھ مردوں والی

خلقت زائد ہے، وراثت اور دیگر احکامات میں اس کا حکم وہی ہوگا جو علامات نمایاں ہوں۔ اس سلسلے میں اہل علم کا یہ قول ہے کہ اس کے پیشاب کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ مردوں والی جگہ سے پیشاب کرے تو وہ مرد اور اگر عورتوں والی جگہ سے پیشاب کرے تو وہ عورت سمجھا جائے گا، پھر ابن قدامہؒ نے اس کی دلیل میں نبی کریم ﷺ سے مرفوع ایک روایت بھی ذکر کی، جس میں آپ ﷺ کا یہی ارشاد ہے۔ اگر اسے پیشاب دونوں دونوں جگہوں سے آتا ہے تو بعض فقہاء اس معاملہ میں سبقت اور بعض کثرت کا اعتبار کرتے ہیں اور بعض اس میں توقف کرتے اور اسے "خنثیٰ" "مشکل" کہتے ہیں، اس میں بلوغ کے وقت ظاہر ہونے والی علامات کا اعتبار کیا جاتا ہے، اگر اس وقت بھی برابری ہو یا دونوں طرح کی علامات نمایاں ہوں تو یہ "خنثیٰ" "مشکل ہے۔ (۱)

مزید تفصیلی یا جزئی احکام جاننے کے لیے کتبِ فقہ کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے، بہر حال جو منشاءِ سوال ہے یا سوال میں سائل کا جو مقصد ظاہر ہو رہا ہے، اس سلسلے میں حکمِ شرعی یہی ہے کہ والدین اس کی پرورش کریں اور اسے اللہ کا فیصلہ سمجھ کر قبول کریں، اس معاملہ میں کوتاہی اور اس سے لاپرواہی یا اسے پھینکنا، قتل کرنا وغیرہ ہرگز جائز نہیں، اس بنیاد پر خاندان کے لوگوں کا والدین سے قطع تعلق بھی ناجائز اور جہالت پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے اگر کسی کو ایسی اولاد دی ہے جس کی پیدائشی عیب کی بناء پر طبیعت قبول نہ کرے تو اس میں اس اولاد کا یا والدین کا کیا قصور ہے کہ ان سے قطع تعلق کریں اور ان کے یہاں آنا جانا بند کردیں، جو کہ شریعت میں بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی قرآن و حدیث میں بڑی وعید آئی ہے۔

جیسا کہ ہم نے بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت ہے اور اس میں سب کے لیے عبرت و درس ہے، چوں کہ یہ مخلوق بھی ہماری ہی جنس سے ہے بلکہ ہمارے گھروں ہی میں پیدا ہوئی ہے، لہٰذا اچھوت یا منحوس سمجھنا یقیناً گناہ کبیرہ اور حرام ہے، گھر والوں اور خاندان والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کے بچوں کی صحیح پرورش اور اچھی

---

(۱) باختصار المغنی: ۷ / ۱۱۳، فصل ف احکام میراث الخنثیٰ

تربیت کریں، یہی ذمہ داری ہمارے مسلم معاشرے پر بھی عائد ہوتی ہے کہ اس قسم کے لوگوں سے بدسلوکی نہ کی جائے انہیں کسی دوسری دنیا کی مخلوق نہ سمجھا جائے بلکہ ان کا دوسروں کی نسبت زیادہ خیال رکھا جائے۔افسوس ہے کہ ہمارے معاشرہ میں اس جنس سے بدسلوکی اور زیادہ کی جاتی ہے، مخصوص تقریبات میں ناچنے گانے اور محفل سجانے کے لیے انہیں بلایا جاتا ہے اور انہیں معاشرہ میں گھٹیا اور دوسرے غلط کام انجام دینے پڑتے ہیں، معاشرے کی بے راہ روی اور فتنہ وفساد کی کثرت کا عالم یہ ہے کہ اس جنس سے زنا اور غیر فطری برائی جیسے کام لیے جاتے ہیں، جو یقیناً حرام ہیں، ہمارے معاشرہ کے اہل علم، اہل اقتدار اور دوسرے ذمہ دار لوگوں کو اس اہم مسئلے پر توجہ دینی چاہیے، تاکہ معاشرے میں پھیلے ہوئے حرام کاموں میں سے ایک دراوزہ تو بند ہو۔

گناہ کس پر؟

سوال: شوہر بیوی سے چار پانچ سال جدا رہے اور اس درمیان عورت برائی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ شوہر یا بیوی پر؟

(عامر، جدہ)

جواب: شریعت کا اصول ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں لادا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" (۱) "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ." (۲) عورت نے برائی کا ارتکاب کیا تو اس کا گناہ اور وبال بھی عورت ہی پر ہوگا، البتہ شوہر پر حق تلفی کا گناہ ہوگا کہ اس نے طویل عرصہ بیوی سے دور رہ کر اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے، شوہر کی طرف سے حق تلفی اور حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں بیوی کو یہ حق رہتا ہے کہ وہ شوہر سے طلاق یا خلع لے لے یا پھر اسلامی عدالت کی طرف رجوع کر کے شرعی قاضی سے نکاح فسخ کرالے۔

☆☆☆

(۱) نجم: ۳۹ (۲) انعام: ۱٦٤

سوال و جواب

حصہ : چہارم

دوسرا باب

طلاق و تفریق


الله
خالق كل شيء
بسم الله الرحمن الرحيم

کیا طلاق دینا گناہ ہے؟

سوال: میرا ایک قریبی دوست جو رشتہ دار بھی ہے، دو سال سے ذہنی پریشانی میں ہے، اس کی مشکل یہ ہے کہ اس نے پانچ سال قبل ایک لڑکی سے (محض اس کی زندگی بچانے کے لیے) شادی کی تھی، شادی کے بعد وہ سعودی عرب آگیا، سال بھر بعد وہ گھر گیا، تو بیوی کے طور طریقے اور تھے، اس نے بیوی کو روکا، لیکن اس نے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا کہ میں تم سے طلاق لینا چاہتی ہوں، اسے اپنی خوبصورتی پر ناز تھا کہ طلاق لے کر فلاں دوسرے مرد سے شادی کرلوں گی، لڑکے نے غیرت میں آکر بیوی کو تیزاب سے جلا دیا، پھر علاج بھی کروایا، جس سے وہ کافی حد تک ٹھیک ہوگئی، مگر وہ حسن نہ رہا، پھر بھی وہ طلاق پر بضد تھی، بالآخر طلاق کی نوبت آگئی، میرا دوست یہ گناہ کرکے پچھتا رہا ہے اور لڑکی بھی پچھتا رہی ہے کہ اس نے طلاق لے کر اچھا نہیں کیا، اب وہ پھر اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے؛ اب آپ رہنمائی فرمائیں کہ میرا دوست کیا کرے؟

(محمد اکمل عباسی، مدینہ منورہ)

جواب: آپ نے سوال میں اپنے قریبی دوست کے بارے میں زیادہ تفصیل تو نہیں لکھی، لیکن جو کچھ لکھا وہ بہر حال اپنی جگہ عبرتناک اور افسوسناک بات ہے، اگر بیوی سے شکایت تھی تو اس کا حل بھی اچھے اور مناسب طریقے سے کیا جانا چاہیے تھا،،

بالفرض اگر سزا ہی دینی تھی تو اس کے لیے شریعت نے شوہر کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو سزا دے، بشرطیکہ یہ سزا وحشیانہ اور نامناسب نہ ہو، کسی کے چہرے پر تیزاب ڈالنا بدترین جرم اور سنگین ظلم وگناہ ہے، اسلام میں کسی انسان کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اس طرح کی وحشیانہ سزا دے، بلکہ رسولِ کریم ﷺ نے جانوروں تک کے چہرے پر مارنے سے منع کیا ہے(۱) آپ کے دوست کو اپنے اس گھناؤنے فعل پر اپنی بیوی سے معافی مانگنی چاہیے تھی، جہاں تک طلاق کا معاملہ ہے، تو یہ گناہ کی بات نہیں ہے، میاں بیوی جب اکٹھے نہ رہ سکیں، صلح وصفائی اور اصلاح کے تمام طریقے آزمائے جاچکے ہوں، پھر بھی صلح صفائی نہ ہو تو اس کا حل طلاق ہے کہ شوہر بیوی کی پاکی کے ایام میں اسے ایک مرتبہ طلاق دے دے، اس طرح طلاق کوئی گناہ یا عیب نہیں ہے، چوں کہ آپ کے دوست نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، لہٰذا اب دونوں آزاد ہیں، دونوں دوسری جس جگہ چاہیں نکاح کرلیں اور ایک دوسرے کو معاف کریں اور اگر دونوں پھر سے شادی کرنے پر باہم رضامند ہوں اور سمجھتے ہوں کہ اب اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے تو یہ بھی ممکن ہے، بشرطیکہ آپ کے دوست نے تین طلاقیں نہ دی ہوں۔

طلاق کا مسئلہ

سوال: چند سال قبل میری شادی پاکستان میں ہوئی تھی، میرے شوہر پہلے سے صاحبِ اولاد تھے، جس کا مجھے اور میرے گھر والوں کو علم تھا، کچھ عرصے بعد اس کا علم میرے شوہر کی پہلی بیوی اور ان کے رشتہ داروں کو ہوا تو انہوں نے بہت ہنگامہ کیا، ہنگامے کو ختم کرنے کے لیے ایک تحریر ان کے حوالے کی گئی، جس پر یہ تحریر تھی کہ میں نے فلاں بنتِ فلاں کو ہوش وحواس کے ساتھ طلاق دی اور اس کا حق مہر جو کہ اتنا اتنا ہے، ادا کردیا (حالانکہ مجھے مہر ادا نہیں کیا گیا) پھر وہ میرے پاس

---

(۱) الفقه الاسلامی وادلة ۷/ ٧٦٤

آئے اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ میں دل سے تمہیں طلاق نہیں دی، اللہ گواہ ہے کہ تم میری بیوی اور میں تمہارا شوہر ہوں، اس کے بعد اس بات کا علم ان کی بیوی کو ہوا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق نہیں دی، بلکہ رخصتی کے بعد میں ان کے ساتھ رہ رہی ہوں، تو اس نے پھر ہنگامہ کھڑا کر دیا اور لوگ میری جان کے درپے ہو گئے، میری جان چھڑانے اور ہنگامہ ختم کرنے کے لیے میرے شوہر نے ان سب کے سامنے کہا کہ میں پہلے بھی آپ لوگوں کے سامنے اسے طلاق دے چکا ہوں، کیوں اس کا پیچھا کرتے ہیں، آپ لوگوں کو یقین نہیں تو (قرآن سامنے رکھ کر) دوبارہ طلاق دیتا ہوں، پھر وہی ہوا کہ میرے شوہر آ کر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ حقیقت نہیں، اللہ گواہ ہے کہ میرا طلاق کا کوئی ارادہ نہیں، کیا مجھ پر طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟ عملی طور پر میرے اور ان کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہے۔

(ف،و، جدہ)

جواب: اس صورت میں آپ پر طلاق پڑ چکی ہے، اس لیے اب آپ دونوں کے درمیان اب وظیفۂ زوجیت شرعاً درست نہیں، کیونکہ طلاق کے صحیح ہونے کے لیے نیت وارادہ کا ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی شخص سنجیدگی میں طلاق دے، تب بھی طلاق پڑ جاتی ہے اور اگر ہنسی مذاق میں بھی (بغیر ارادۂ طلاق کے) طلاق دے دے تب بھی بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے۔(۱)

بیوی کے کہنے سے طلاق

سوال: اگر بیوی اپنے شوہر سے کہے کہ مجھے طلاق دے دو، میں تمہاری ماں بہن کی طرح ہوں، یا کہے کہ مجھے چھوڑ دو، مجھے آزاد کر دو؛ تو کیا یہ نکاح ٹوٹ گیا، پھر کہے کہ میں تو مذاق کر رہی تھی، مجھے معاف کر دو۔

(بابو حسین، راس)

---

(۱) ابوداؤد عن أبي هريرة، باب في الطلاق على الهزل

جواب: طلاق دینے کا اختیار شوہر کو ہے، بیوی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ اس قسم کی باتیں مذاق میں بھی نہیں کرنی چاہیے، ہو سکتا ہے کہ ایسی مذاق میں طلاق واقع ہو جائے۔

طلاق کا مناسب طریقہ

سوال: میں یہاں سعودی عرب میں رہتا ہوں اور دو اُن میں میرے والد صاحب، میرے چچا جو میرے سسر بھی ہیں، کا آپس میں اختلاف اور جھگڑا ہو گیا، والد صاحب نے مجھے فون کر کے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، میں نے انہیں بہت سمجھایا، مگر وہ نہ مانے اور اپنی بات پر اٹل رہے اور مجھے مجبوراً طلاق دینی پڑی، میں سفارت خانے گیا اور ایک کاغذ لے کر لکھوایا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں اور پھر اس کی تصدیق کروا کر ایک کاپی بیوی کو اور ایک یونین کونسل کو بھیج دیا؛ کیا شرعی لحاظ سے یہ طلاق ہو گئی، جب کہ کاغذ پر صرف ایک بار لکھا ہوا تھا کہ میں طلاق دیتا ہوں؟

(محمد عارف، عسفان)

جواب: خط کے ذریعہ دی گئی اس طلاق سے طلاقِ رجعی واقع ہو گئی آپ چاہیں تو عدت کے اندر رجوع کر سکتے ہیں اور اگر عدت گزر جائے تو دوبارہ نکاح (اسی بیوی سے) ہو سکتا ہے، یہ غلط تاثر اور خیال ہے کہ طلاق کے صحیح ہونے کے لیے تین طلاقیں ضروری ہے، بلکہ یہ تو طلاق کی سنگین قسم ہے، جس میں ائمۂ اربعہ کے نزدیک بیوی تا حلالۂ شرعی حرام رہتی ہے، دوبارہ اس سے نکاح بھی نہیں ہو سکتا، میاں بیوی کے درمیان نباہ نہ ہو سکے اور صلح صفائی کی کوئی صورت نہ ہو اور شوہر طلاق دینے پر شرعاً مجبور ہو جائے تو اس کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ عورت کی پاکی کے ایام میں جس میں اس سے صحبت بھی نہ کی ہو اسے (لفظِ طلاق سے) ایک طلاق دے دے، اس طلاق کو ''طلاقِ رجعی'' کہتے ہیں، اس صورت میں شرعاً شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ بیوی کی عدت گزرنے سے پہلے اپنی طلاق کو واپس لے لے اور اگر عدت گزر جائے تو تجدید

کے صحیح ہونے کے لیے گواہوں کی موجودگی یا بیوی کے سامنے طلاق دینا یا اس تک طلاق کی تحریر پہنچنا بھی ضروری نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ بلاوجہ (شرعی عذر کے بغیر) والدین یا کسی رشتہ دار کے کہنے پر بیوی کو طلاق دے دی جائے۔

طلاق نہ دیں

سوال: میں شادی شدہ اور بچوں والا ہوں، عرصۂ دراز سے بیوی کی بداخلاقی، بدتمیزی، بے ادبی، بدکلامی اور نافرمانی کی حرکات سے تنگ ہوں، میں اسے وکیل یا خط کے ذریعے طلاقِ رجعی کا نوٹس بھیجنا چاہتا ہوں، چوں کہ وہ اس وقت تین ماہ کے حمل سے ہے اور میں اپنی چھٹی میں گھر جاؤں گا، اس لیے اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں مجھے مشورہ دیں کہ میرا یہ اقدام صحیح ہوگا یا غلط؟

(ع،ع،م، ریاض)

جواب: فیکس پر بھیجے گئے چار پانچ صفحات پر مشتمل اپنے طویل سوال میں آپ نے جا بجا اپنی بیوی کی بدتمیزی اور بداخلاقی کا ذکر کیا ہے اور اس عیب کے علاوہ کوئی دوسری اہم بات تحریر نہیں کی، اگرچہ بداخلاقی خود سب سے بڑا عیب ہے، لیکن صرف اس گناہ کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا مناسب نہیں، آپ اپنی بیوی کو اچھی کتابیں اور اچھے دینی کیسٹ دیں، جن کی وجہ سے شاید ان کا اخلاق سدھر جائے اور وہ اپنی اصلاح کرلیں، خاندان میں دونوں طرف کے بزرگوں کو بیچ میں ڈال کر ان کے ذریعے نصیحت اور اصلاح کی کوشش کریں، خود بھی نرمی و حکمت سے اپنی بیوی کو سمجھاتے رہیں، بار بار کی نصیحت اور یاد دہانی سے برسوں کی سختی و بے مروتی ختم ہو جاتی ہے اور انسان اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مؤمن مرد مؤمن عورت اپنی بیوی سے عداوت (مکمل قطعِ تعلق) نہ کرے، اس لیے کہ اگر اسے اس کی کوئی ایک عادت و خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ ہوگی (۱) اس حدیث کی روشنی میں آپ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء حدیث نمبر: ۱۴۶۹

اپنی بیوی کی اس ایک برائی اور اس ایک عیب کے مقابلے میں دوسری کئی خوبیاں سامنے لائیے اور اپنے آپ کو طلاق دینے سے باز رکھئے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس بابت بہت اہم ہدایت دی ہیں، فرمایا:

" عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ." (۱)

"ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئ کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔"

بلاوجہ طلاق دینا مناسب نہیں

سوال: ایک صاحب کی بیوی پابندِ صوم وصلوٰۃ ہے اور ان کی خدمت بجالانے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی، لیکن وہ اپنے سسر کی خدمت نہیں کرتی اور انہیں کسی نہ کسی بہانے تنگ کیے رکھتی ہے، ان کے سسر نابینا اور ضعیف ہیں، اس بناء پر ان صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے؛ کیا اس بنیاد پر بیوی کو طلاق دینا درست ہے؟

(عبد اللہ، بریدہ)

جواب: اسلام جس بلند اخلاق و کردار کی تعلیم دیتا ہے، اس کی روشنی میں بیوی کی یہ اخلاقی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے ضعیف اور نابینا سسر کی خدمت کر کے ثواب اور اخروی فائدہ حاصل کر لیتی، اگر وہ اخلاص اور اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے ایسا کرتی تو یقیناً اللہ کے یہاں اس کی یہ نیکی ضائع نہ ہوتی اور اس کا درجہ بلند ہوتا؛ تاہم شریعت نے قانونی طور پر بیوی کی یہ ذمہ داری نہیں قرار دی کہ وہ ساس و سسر کی خدمت کرے، یہ فرض شوہر کا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے، خود نہ کر سکتا ہو تو کسی خادم و ملازم کو رکھے، چنانچہ بیوی کے اس قصور پر اسے طلاق دینا درست نہیں اور

---

(۱) نساء: ۱۹

پھر طلاق تو نصیحت، افہام و تفہیم اور صلح صفائی کی تمام کوششوں کے بعد آخری مرحلے میں دی جانی چاہیے، نہ کہ کسی بات پر ناراض ہو کر فوراً طلاق دے کر کسی کی زندگی اور مستقبل سے کھلواڑ کیا جائے، جو لوگ اس طرح کی معمولی باتوں پر طلاق دیتے ہیں، ان کا انجام ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

شوہر نامرد ہو تو؟

سوال: اگر شوہر قوتِ مردانگی سے محروم ہو تو کیا بیوی کو طلاق لینے کا حق حاصل ہے؟

(محمد جمیل اختر، حفرالباطن)

جواب: جو شخص بیوی کی جنسی خواہش کی تکمیل پر قادر نہ ہو، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں عنین کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ عنین کی بیوی شرعی دارالقضا میں علاحدگی کی درخواست دے، جس کے پاس عورت نے درخواست دی ہے، اس کو چاہیے کہ شوہر سے خود پوچھے کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر شوہر نامردی کا اقرار کرے تو پھر اس کو ایک سال علاج کی مہلت دے، اب اگر ایک سال کے علاج کے بعد مرد قوتِ مردمی کے قابل ہو جائے اور عورت بھی مطمئن ہو جائے تو پھر عورت کو اس سے تفریق کا حق نہ ہوگا اور اگر عورت نے اطمینان کا اظہار نہ کیا، بلکہ تفریق کا مطالبہ کیا یا شوہر نے خود اقرار کر لیا کہ اب بھی وہ ناکارہ ہے تو دونوں صورتوں میں اگر عورت اس سے علاحدگی ہی چاہتی ہے، شوہر سے طلاق دینے کو کہا جائے گا، اگر شوہر طلاق دے دے تو مقصود حاصل ہے، لیکن اگر شوہر طلاق نہ دے تو قاضیٔ شریعت دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا، تاہم اتنی بات واضح ہونی چاہیے کہ نامرد شوہر سے تفریق کے لیے درجِ ذیل چند شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) شوہر کے نامرد ہونے کا بیوی کو پہلے سے علم نہ ہو، اگر پہلے سے نامرد ہونے کا علم تھا، پھر بھی نکاح کیا تو تفریق کا حق نہیں ملے گا۔

(۲) نکاح کے بعد ایک بار بھی مباشرت نہ کیا ہو، اگر ایک بار بھی مباشرت ہو تو اب تفریق کا حق باقی نہیں رہے گا۔

(۳) شوہر کی نامردی سے واقفیت کے باوجود بیوی نے ساتھ رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو، اگر رضامندی ظاہر کی ہو تو پھر تفریق کا حق نہ ہوگا۔

(۴) یہ تفریق عورت خود بخود نہیں کر سکتی، بلکہ شرعی دارالقضاء قاضیٔ شریعت ہی تفریق کرے گا۔

یہ شرطیں پائی جائیں تو تفریق صحیح ہوگی، ورنہ نہیں۔

طلاق کا مطالبہ:

سوال: ایک عورت اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے اور اس کا شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا اور بیوی کے حقوق بھی ہر طرح سے پورے کرتا ہے؛ ایسی صورت میں طلاق کا مطالبہ کیسا ہے؟

(منیر حسین، ریاض)

جواب: بیوی کا بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو عورت بلا کسی وجہ اور تکلیف کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو جنت کی خوشبو بھی اس پر حرام، جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے بھی محسوس ہوتی ہے (۱) ہاں اگر شوہر بیوی کے حقوق پورے نہ کرے اور باہمی مصالحت بھی نہ ہو سکے اور اس سلسلہ میں خاندان کے بڑوں کی کوششیں ناکام ہو جائیں، تو ایسی صورت میں طلاق دینا اور طلاق کا مطالبہ کرنا دونوں صحیح ہیں، بلکہ شوہر حقوق بھی پورے کرتا ہو اور طلاق بھی نہ دیتا ہو تو شریعت میں شرعی عدالت سے رجوع ہو کر نکاح فسخ کرانے کی صورتیں بھی موجود ہیں۔

بلا وجہ طلاق کا مطالبہ

سوال: کیا کوئی عورت بلا سبب اور بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق مانگ سکتی ہے؟

(۱) مسند احمد ۵/۲۷۷

جواب: اگرچہ طلاق دینا شوہر کے اختیار و مرضی پر منحصر ہے، لیکن اگر بیوی کسی معقول اور جائز وجہ کی بناء پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے، تو اسے یہ حق حاصل ہے، وہ عورت جو بلاوجہ اور بغیر کسی معقول سبب کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، ایک بڑے گناہ اور جرمِ عظیم کا ارتکاب کرتی ہے کہ اسلام انسانی رشتے جوڑنے اور انہیں باہم مضبوط کرنے کا حکم دیتا ہے، کہ رشتوں کو توڑنے اور باہم نزاع کو اسلام نے کبھی بھی پسند نہیں کیا، رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی سببِ معقول کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق مانگنے والی عورت پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔(۱)

والد کے کہنے پر بیوی کو طلاق

سوال: تیرہ سال قبل ماموں کے گھر میری شادی ہوئی، شادی کے دوران کچھ اختلافات سسرال اور والدین کے درمیان پیدا ہوگئے، بات یہاں تک پہنچی کہ میں روزانہ اپنی بیوی کو مارتا، پیٹتا، گالیاں دیتا اور سسرال والوں کو بھی گالیاں دیتا، تو میرے والدین اور بھائی خوش تھے، لیکن جب میں یہاں آیا، اللہ نے مجھے توفیق دی اور صلہ رحمی کا احساس ہوا تو اپنی غلطی پر ندامت ہوئی، پھر جب میں چھٹی پر گیا تو بیوی اور سسرال والوں کے ساتھ میرا رویہ مختلف تھا، والدین نے دیکھ کر میرے ساتھ ضد شروع کردی، میں نے سمجھایا کہ جو کچھ ہوا بھول جائیں اور اللہ کے لیے معاف کردیں، لیکن انہوں نے نہ مانا، میرے آنے کے بعد دروازے کو تالے لگا دیئے اور میری بیوی سے کہا کہ تم اپنے والدین کے گھر نہیں جاؤ گی اور مجھ پر اصرار ہے کہ بیوی کو طلاق دے دوں؛ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ اگر بیوی اور سسرال والوں سے اچھے اخلاق سے پیش آتا ہوں تو والدین کی نافرمانی ہوتی ہے، تو کیا میری نماز و عمرہ اور دوسری عبادات قبول ہوں گی کہ نہیں؟

---

(۱) ترمذی: عن ثوبان، باب ما جاء فی المختلعات

میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ میری بڑی ہمشیرہ بیوہ ہو گئی ہیں، ان کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ہیں، میں ان کے لیے فی سبیل اللہ خرچہ روانہ کرتا ہوں تو میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ اس کو پیسے وغیرہ دیتے ہو تو میں اس گھر میں نہیں رہوں گا؛ کیا میں ان کا خرچہ بند کر دوں؟

(عبدالمنان، ابہاء)

جواب: تمام رشتوں کی حرمت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خطبۂ نکاح میں سب سے پہلے سورہ النساء کی پہلی آیت پڑھی جاتی ہے، جس کا مقصد صرف ثواب کی خاطر اسے سننا نہیں ہے، بلکہ اس آیت اور تمام آیات پر غور کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اس اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہو، جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں کے بارے میں (اللہ سے ڈرتے رہو) والدین کے حقوق اپنی جگہ اہم اور واجب الاداء ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ والدین کے کہنے پر بیوی بچوں پر ظلم و ستم کیا جائے، ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں یہی شکایت کی کہ میرے ماں باپ میری بیوی سے خوش نہیں ہیں اور میرے ماں باپ نے سختی سے کہا ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، جب میں نے انکار کیا تو باپ نے کہا کہ کیا تم نے وہ صحیح حدیث نہیں پڑھی، جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول کریم ﷺ کے پاس گئے تھے تو آپ ﷺ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ جس طرح تمہیں تمہارے والد کہتے ہیں اس پر عمل کرو اور ان کی بات مانو (۱) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر غصے کے عالم میں فرمایا کہ کیا تمہارا باپ (اور ہر باپ) عمر بن الخطابؓ کی طرح ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے اپنی بیوی کو طلاق دینا مناسب نہیں ہے، اسے طلاق مت دو اور باپ کا کہنا نہ مانو۔

اگر آپ کے والدین آپ کی بیوی کے ساتھ نہیں رہ سکتے تو آپ اپنی بیوی

---

(۱) بخاری عن ابن عمرؓ، باب تحریم طلاق الحائض

کو الگ رکھیں اور دونوں کو صلہ رحمی، تحمل مزاجی اور صبر و برداشت کی نصیحت کرتے رہیں، اپنی ہمشیرہ کے ساتھ تعاون اور حسن سلوک بھی آپ جاری رکھیں اور والدین کو ادب و حکمت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے رہیں اور یاد رکھیں کہ اگر والدین کسی غلط بات یا کام کا حکم دیں تو اس کی تعمیل ضروری نہیں اور یہ والدین کی نافرمانی شمار نہیں ہوگی، نیز والدین کی بلاوجہ ناراضگی سے عبادات کی قبولیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تو میرے لیے حرام ہے

سوال: زید نے اپنی بیوی سے غصہ میں کہا کہ تو میرے لیے حرام ہے، پھر فوراً غصہ اترنے کے بعد نادم ہوا! اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(عبد القدوس، حفر الباطن)

جواب: اس لفظ سے ایک طلاقِ بائن پڑ جاتی ہے(۱) یعنی زید کی بیوی مطلقہ ہو چکی تو زید کے لیے جائز نہیں کہ تجدیدِ نکاح سے پہلے اس سے صحبت و تعلق قائم کرے، مالکیہ کے نزدیک اسی طرح طلاق کی نیت ہونے کی صورت میں شوافع کے نزدیک بھی اس لفظ سے طلاق واقع ہوگی، جب کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مرد کی نیت جیسی ہوگی اتنی ہی طلاق واقع ہوگی اور کسی طرح کی نیت نہ ہو تو صرف ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی، المغنی میں ہے: "أنت علی حرام ...... عن احمد روایتان واحدهما أنها ثلاث و الثانیة ترجع إلی ما نواه و إن لم ینو شیئا فواحدة کسائر الکنایات. (۲)

فقہاءِ احناف نے طلاق کے معنی میں اس لفظ کا استعمال عام ہونے کی وجہ سے نیت کو بھی ضروری قرار نہیں دیا ہے، جیسا کہ لفظِ طلاق کے ذریعہ بلاارادہ نیت بھی طلاق پڑ جاتی ہے، البتہ حقیقی حرمت طلاقِ بائن ہی میں ہوتی ہے (نہ کہ طلاقِ رجعی میں اس لیے فقہاءِ متاخرین نے اس لفظ کے ذریعہ بلا نیت بھی طلاقِ بائن ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ (۳)

---

(۱) هندیة: ۱/۳۷۵ (۲) المغنی: ۷/۳۰۱ (۳) کان الحرام فی الاصل کنایة یقع بها البائن لأنه لما غلب استعماله فی الطلاق لم یبق کنایة و لذا لم تتوقف علی النیة أو دلالة الحال (ردالمحتار: ۲/۴٦۴)

ایک طلاق

سوال: مجھے اپنی بیوی سے اور بیوی کو مجھ سے محبت ہے، لیکن میرے والدین اور میرے سسرال والوں کی آپس میں نہیں بنتی، اِدھر کچھ عرصہ قبل میرے والد نے خط لکھا کہ ہمیں اپنی بہو کو کسی قیمت پر نہیں لانا ہے، اگر تمہیں لانا ہو تو تو ہمارا اور تمہارا تعلق ختم، میں نے ۱۶/ اپریل کو صرف ایک طلاق لکھ کر بھیجی تھی، لیکن میں بیوی کو چھوڑنا نہیں چاہتا، اس کا کیا حل ہے، اگر میں باقی دو طلاقیں نہ دوں تو کیا یہ طلاق نہیں ہوگی یا یہ طلاق صحیح ہو جائے گی، اب بیوی سے فون پر ہی بات ہو سکتی ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: طلاق کے صحیح ہونے کے لیے تین مرتبہ تین طلاق دینا یا ایک دفعہ تین طلاقوں کا دے دینا ضروری نہیں، بلکہ طلاق دینے کا (جب کہ واقعی طلاق دینے کی مجبوری اور شرعی جواز موجود ہو تو) صحیح طریقہ یہی ہے کہ پاکی کی حالت میں ایک طلاق دے دی جائے، اس صورت میں عدت گزرنے کے بعد خود بخود بیوی شوہر سے الگ ہو جائے گی اور شرعاً دونوں کے درمیان میں نکاح کا تعلق ختم ہو جائے گا اور عدت گزرنے سے پہلے شوہر کو اپنی طلاق سے رجوع کرنے کا حق حاصل رہے گا اور اگر عدت گزرنے سے پہلے رجوع نہ کیا جائے تو عدت کے بعد تجدیدِ نکاح کے ذریعہ دوبارہ شوہر و بیوی کے درمیان تعلق قائم ہو سکتا ہے۔

آپ نے چوں کہ ایک طلاق دی ہے، لہٰذا اپنی طلاق سے رجوع کر سکتے ہیں، اس سلسلے میں زبان سے رجوع کے علاوہ عملاً بیوی سے تعلق و صحبت کا قیام بھی ضروری ہے، البتہ بیماری یا دوری کی وجہ سے صرف زبان سے رجعت بھی کافی ہے، یعنی صرف اتنا کہنا بھی کافی ہے کہ "میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا۔" یا "طلاق سے رجوع کر لیا" اور اس کی اطلاع آپ بذریعہ فون بیوی کو دے سکتے ہیں۔

آپ والدین اور سسرال والوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کی کوشش

کریں، بغیر کسی معقول سبب کے والد کا بہو کو طلاق دینے کا مطالبہ بھی درست نہیں، اگر آپس میں اتفاق کی صورت فی الوقت پیدا نہ ہو سکے تو آپ بیوی کے والدین اور سسرال والوں سے الگ ہو کر والدین اور سسرال والوں کے ساتھ اچھے اخلاق و برتاؤ اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہیں اور جائز امور میں والدین کی نافرمانی نہ کریں۔

واضح رہے کہ طلاق کی عدت طلاق دینے کے بعد سے تین حیض آنا ہے اور اگر بیوی حمل سے ہو تو وضع حمل عدت ہے، چاہے وہ طلاق کے چند دنوں بعد ہی کیوں نہ ہو۔

الفاظِ کنایہ سے طلاق

سوال: اگر بیوی نافرمان ہو اور شوہر تنگ آکر اصلاح کے طور پر اس سے یہ کہے کہ جاؤ اپنے باپ کے گھر، پھر نہیں آنا، تم سے میرا کوئی تعلق نہیں، تم کو میری طرف سے آزادی ہے، جو مرضی ہو کرو، کیا اس طرح کے الفاظ سے طلاق سمجھی جائے گی۔

جواب: صراحتاً لفظِ طلاق کے ذریعے طلاق دی جائے تو اس سے طلاق پڑ جاتی ہے، چاہے طلاق دینے کی نیت ہو یا نہ ہو، نیز یہ طلاقِ رجعی ہوتی ہے، عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق رہتا ہے، ایسے الفاظ جو طلاق کے مفہوم کے لیے صریح نہیں بلکہ اس سے طلاق کے معنی بھی لیے جا سکتے ہوں اور دوسرے بھی، انہیں الفاظِ کنایہ کہتے ہیں (۱) ایسے الفاظ سے شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی، یعنی ایسی طلاق پڑے گی کہ عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق نہیں رہے گا، البتہ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت نہ ہو، صرف ڈرانا، دھمکانا اور اصلاح کرانا مقصود ہو تو اس سے طلاق نہیں پڑے گی۔

عدت اور اس کی مدت

سوال: طلاق کی عدت گزرنے کے بعد عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے،

---

(۱) شامی میں ھے: كناية عند الفقهاء ما لم يوضع له (أي الطلاق) و احتمله و غيره فالكنايات لاتطلق بهما قضاء إلا بنية أو دلالة الحال . (درمختار: ۲/۴۶۳)

یہ عدت کے کیا معنی ہیں؟اور عدت کیا ہے؟اس کی مدت کتنی ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(اشفاق خان، مکہ مکرمہ)

جواب: عدت کے لفظی معنی شمار کرنے کے ہیں، اصطلاحِ شریعت میں اس مدتِ انتظار کو کہتے ہیں جو نکاح کے ختم ہو جانے پر عورت کیلئے شریعت نے مقرر کی ہے (۱) اور نکاح کا رشتہ دو صورتوں میں منقطع ہوتا ہے یا تو شوہر و بیوی میں سے کسی کا انتقال ہو جائے یا پھر آپس میں طلاق و خلع ہو جائے، اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی کے لیے شریعت نے چار مہینے دس دن عدت مقرر کی ہے (۲) اور اگر طلاق کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے تو مدتِ عدت تین حیض (تین مرتبہ ماہواری کا آجانا) ہے (۳) لیکن اگر عورت کو کم سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے (۴) اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل یعنی حمل کا ساقط ہو جانا ہے، چاہے طلاق کی عدت ہو یا موت کی۔(۵)

عدت سے نکاح کی کو اہمیت ذہن نشین کرانا ہے کہ نکاح حقیقتاً ایک مضبوط، پائیدار اور مستحکم رشتہ ہے، جسے بغیر کسی شدید مجبوری اور عذر کے نہیں توڑنا چاہیے، دوسرے یہ یقین حاصل کرنا ہے کہ عورت کو سابقہ شوہر سے کوئی حمل تو نہیں ہے، تاکہ دوسرے شخص سے اگر وہ نکاح کرے تو اولاد کا نسب مشتبہ نہ ہو جائے، چنانچہ عدت کے اندر عورت کے لیے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں اور اگر کوئی نکاح کر بھی لے تو یہ نکاح شرعاً باطل اور ناجائز ہے۔

اسی طرح عدت کے اندر عورت کیلئے بلا کسی شدید ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا یا زیب و زینت اختیار کرنا اور بناؤ سنگار کرنا بھی جائز نہیں، البتہ اگر شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہو تو بیوی کیلئے زیب و زینت اختیار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ یہ بہتر و پسندیدہ ہے، تاکہ شوہر رجعت کی طرف راغب ہو اور ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے بحال ہو جائے۔

---

(۱) ہندیہ میں ہے: ھی انتظار مدۃ معلومۃ یلزم المرأۃ بعد زوال النکاح۔ (ھندیۃ: ۵۲۶/۱)

(۲) سورہ البقرۃ، آیت نمبر: ۲۲۸ (۳) حوالہ سابق (۴) طلاق: ۱۴ (۵) طلاق: ۱۴

عدت کے دوران نفقہ

سوال: کچھ عرصہ قبل یہاں سعودیہ میں میرا نکاح ہوا، میری بیوی اور اس کے والدین بھی یہاں رہتے ہیں، شادی کے بعد سے اب تک پاکستان جانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا، اس وقت طلاق کی نوبت آچکی ہے، لڑکی والے مجھ سے عدت کے خرچ کے علاوہ پاکستان کا ٹکٹ بھی مانگ رہے ہیں، کیا عدت کا خرچہ شرعاً میرے اوپر ضروری ہے اور پاکستان جانے کا ٹکٹ بھی، جب کہ ہمارے یہاں کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی، خرچہ کتنا دینا ہوگا اور عدت کی مدت کتنی ہے؟ نیز مہر کے علاوہ جو سونا میں نے بیوی کو دیا ہے، کیا میں اس کا مطالبہ کر سکتا ہوں؟ شرعی اعتبار سے میری رہنمائی فرمائیں۔

(محمد اسماعیل اداسی، مکہ مکرمہ)

جواب: طلاق کے بعد بیوی شوہر ہی کے گھر عدت گزارے گی، رہائش کا انتظام اور دورانِ عدت کھانے پینے کا خرچہ شوہر کو دینا ہوگا(۱)، چاہے اس بیوی سے اولاد ہو یا نہ ہو، لیکن عدت کے بعد پاکستان پہنچانے وغیرہ کا خرچ آپ کے ذمہ نہیں، عدت کا خرچ اپنی مالی حیثیت کے اعتبار سے متوسط طور پر جتنا ہوتا ہو، اتنا ہی ادا کرنا ضروری ہے، حیثیت و استطاعت سے زیادہ کا شوہر مکلّف بھی نہیں، عدت تین حیض (ماہواری) کا آنا ہے اور اگر طلاق کے وقت بیوی حمل سے ہو تو وضع حمل (یعنی ولادت یا حمل کے ساقط ہونے) تک عدت ہے، مہر کے علاوہ جو چیز آپ نے (سونا وغیرہ) بیوی کو دی ہے، اس کا مطالبہ آپ نہیں کر سکتے، اسی طرح بیوی کی طرف سے آپ کو کوئی چیز ملی ہو تو وہ بھی آپ سے مطالبہ نہیں کر سکتی۔

طلاق کے بعد عورت کا نفقہ

سوال: اگر ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، تو اسے کب تک

---

(۱) و تجب لمطلقة الرجعی و البائن و الفرقة بلا معصية كخيار عتق و بلوغ و تفريق بعدم كفاءة النفقة و السكنى و الكسوة (هندية: ۱/۶۶۹)

مطلقہ بیوی کونان نفقہ دینا ہوگا؟

جواب: مطلقہ کی عدت گزرنے تک یعنی تین ماہواری کے ایام ختم ہونے یا اگر حمل سے ہو تو ولادت تک شوہر پر ضروری ہے کہ وہ بیوی کو نان و نفقہ دے اور اس کی رہائش کا انتظام کرے، عدت گزرنے کے بعد سابقہ شوہر کی ذمہ داری کچھ بھی نہیں۔

خلع کی شرعی حیثیت

سوال: خلع کیا ہے؟ کیسے حاصل کیا جاتا ہے اور کن باتوں پر خلع ہو جاتا ہے؟ جب کہ شوہر ہر جائز مطالبہ ماننے کو تیار ہے، اسی طرح اگر شوہر وطن سے دور دوسرے ملک میں ہو اور بیوی عدالت میں خلع کی درخواست داخل کرے تو کیا کوئی جج شوہر کی بات سنے بغیر خلع کا فیصلہ کر سکتا ہے؟ نیز خلع کے کچھ عرصے بعد کیا وہی عورت دوسرا نکاح کیے بغیر پہلے شوہر کے پاس آسکتی ہے اور ایسی صورت میں ان کے درمیان ازدواجی تعلق کیا صحیح ہوگا؟

جواب: خلع ایک طریقہ سے مال وغیرہ دے کر بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ کرنے یا دوسرے لفظوں میں کچھ دے کر شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا نام ہے، اس میں ابتداء اگرچہ بیوی کی طرف سے ہوتی ہے، لیکن فریقِ مخالف یعنی شوہر کی رضامندی بھی اس معاملہ میں ضروری ہے، شوہر اگر اس چیز کو قبول نہ کرے تو تنہا بیوی کی طرف سے یا بیوی کے کہنے سے خلع واقع نہیں ہوتا۔ رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت "طلاق" کی ہے (جو کہ معروف ہے) جس کا اختیار شریعت نے صرف "مرد" یعنی شوہر کو دیا ہے، جس کے تفصیلی احکام کتاب و سنت اور کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بیوی نافرمان ہو، شوہر کی بات نہ مانتی ہو اور اس کی اطاعت نہ کرتی ہو، یا کوئی اور شرعی عذر یا ایسی جسمانی کمزوری ہو جس کی بناء پر ایسی بیوی کے ساتھ شوہر کا نباہ مشکل ہو تو پھر ابتدائی تدبیریں یعنی وعظ و نصیحت، افہام و تفہیم اور ہلکی پھلکی مار پیٹ سے بھی کام نہیں چلے اور اصلاح کی کوئی

کوشش کارگر نہ ہوسکے تو مجبوراً آخری درجہ میں شوہر کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ پاکی کی حالت میں بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔(۱)

دوسری صورت خلع کی ہے، جو ایک طرح سے بیوی کے لیے ظالم و جابر شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک شرعی راستہ ہے، مثلاً شوہر بیوی کے حقوق پورے نہ کرتا ہو، یا اس پر ظلم وزیادتی کرتا ہو اور طلاق بھی نہ دیتا ہو، بیوی چاہتی ہو کہ کم از کم ایسے شوہر سے آزادی ملے تو کہیں دوسری جگہ شادی کرے، تو ایسی صورت میں بیچاری کیا کرے؟ کیوں کہ طلاق کا حق اور اختیار تو مرد کو ہے، عورت کو نہیں، ایسی صورت میں شریعت نے بیوی کے لیے دو راستے رکھتے ہیں، ایک راستہ خلع کا ہے کہ بیوی اپنا پورا مہر یا آدھا مہر معاف کرنے کی شرط پر یا کچھ مال دے کر یا کسی چیز کے عوضِ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اس کو اپنے سے جدا کرنے پر آمادہ کرے، اگر شوہر بیوی کی طرف سے پیش کردہ کسی عوض کو قبول کرلے تو وہ اس چیز کا حقدار ہوگا اور دونوں کے درمیان جدا ہو جائے گی، اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو اور بیوی کی طرف سے نافرمانی نہ پائی جائے تو شوہر کے لیے جائز نہیں کہ وہ طلاق کے عوض بیوی سے کچھ مال وغیرہ لے۔

چوں کہ خلع میں بھی شوہر کی رضامندی ضروری ہے، اگر شوہر کوئی بھی چیز لے کر چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو، نیز بیوی پر ظلم وزیادتی بھی کرتا ہے تو شریعت نے یہ راستہ مقرر کیا کہ بیوی اسلامی عدالت میں اپنا مقدمہ داخل کرے اور شرعی قاضی کے سامنے اپنی صورتِ حال بیان کرے، قاضی دونوں فریقوں اور ان کے گواہوں کے بیانات سن کر اسلامی اصولِ قضا کی روشنی میں فیصلہ کرے گا، اگر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے تو وہ دونوں کے درمیان نکاح فسخ کرادے گا(۲) اس طرح اگر شوہر طلاق نہ بھی دے تو شرعی قاضی (جج) کے نکاح فسخ کردینے سے

---

(۱) طلاق کی بابت ان احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے کے سلسلہ میں قرآنی تعلیمات وہدایات ملاحظہ ہوں النساء: ۳۴
(۲) جدید فقہی مسائل: ۲ / ۱۵۷

نکاح ٹوٹ جائے گا، عورت طلاق کی عدت گزار کر دوسرے کسی بھی مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اگر کسی وجہ سے پھر سابقہ شوہر ہی کے ساتھ زندگی گزارنے پر مصالحت ہو تب بھی قاضی کی طرف سے نکاح فسخ کرنے کے بعد نکاح کی تجدید ضروری ہے، شرعی قاضی (جج) کا مسلمان ہونا اور علوم شرعیہ سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

شرعی قاضی کا فیصلہ اس درجہ معتبر ہے کہ اگر وہ جانب داری سے غلط فیصلہ بھی کرے تب بھی وہ نافذ العمل ہوگا، البتہ عند اللہ جواب دہ اور سخت گنہگار ہوگا اور حاکم وقت ایسے قاضی کو معطل کر سکتا ہے، نکاح و طلاق کے معاملے میں غیر اسلامی یا غیر شرعی عدالت یا غیر مسلم جج کے فیصلے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اگر کوئی غیر مسلم جج کسی کا نکاح فسخ کردے تو اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ (سابقہ شوہر سے ہی) برقرار رہتا ہے، اس لیے اس طرح کے معاملات میں اسلامی عدالت کی طرف ہی رجوع ہونا چاہیے، شوہر کی بات سنے بغیر کوئی قاضی خلع کا فیصلہ نہیں کر سکتا، بلکہ قاضی کو خلع کا حق نہیں ہے، وہ شوہر و بیوی کے درمیان نکاح فسخ کر سکتا ہے، فسخِ نکاح کی صورت میں شوہر کے لیے بیوی پر کچھ مال وغیرہ دینا بھی لازم نہیں۔

بچوں کا حقِ پرورش

سوال: طلاق یا خلع یا فسخ نکاح کے بعد بچے کس کے پاس رہیں گے؟

جواب: میاں بیوی کے درمیان جدائی کے بعد بچوں کی پرورش کا حق شرعاً ماں کو حاصل ہے اور اس سلسلے میں ہونے والے اخراجات کا باپ ذمہ دار ہے (۱) لڑکا جب تعلیم و تربیت اور عقل و شعور کی عمر کو پہنچ جائے، اسی طرح لڑکی جب بلوغ کی عمر (ماہواری کی ابتداء) تک پہنچ جائے تو باپ اپنی اولاد کو ماں سے حاصل کرنے کا شرعاً حقدار ہے، (۲) پرورش کی مدت کے دوران بھی باپ کو بچوں کی ملاقات سے روکنا شرعاً درست نہیں۔ (۳)

---

(۱) بقرۃ: ۲۳۳ نیز دیکھیے: درمختار مع الرد: ۳/۶۱۰، باب الحضانۃ (۲) بلغت الجاریۃ مبلغ النساء أن بکرا ضمها الاب إلی نفسه (درمختار مع الرد: ۳/۶۲۳ط: بیروت)
(۳) تنویر الابصار علی الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۶۵، ط: بیروت

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

سوال : ۱۹۷۸ء میں افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو کمیونسٹ حکومت کے خلاف جنگ شروع ہوئی تھی، جس کے نتیجہ میں کئی اسلام پسند افراد کو گرفتار کیا گیا، اس طرح ۱۹۷۹ء میں ہمارے گاؤں کے ایک نوجوان عالم دین مولانا عبدالجلیل کو گرفتار کیا گیا، جن کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مر گئے، تقریباً پندرہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے، اب کیا ان کی بیوی دوسری شادی کر سکتی ہے، عبد الجلیل کے والد کہتے ہیں کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے اور ایسے شخص کی بیوی دوسری شادی نہیں کر سکتی، بلکہ اسے ۷۲/ سال تک انتظار کرنا پڑے گا؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر نہیں تو صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

(سید عبید اللہ، جیزان)

جواب : جب شوہر لاپتہ ہو جائے تو اس سے طلاق یا خلع کی صورت ممکن نہیں رہی، اس لیے بعض متقدمین فقہاءِ احناف سے یہ بات منقول ہے کہ ایسی عورت اس وقت تک شادی نہ کرے جب تک کہ شوہر کے مرنے کا یقین نہ ہو جائے، بعض نے کہا کہ اس کے ہم عمر دوست احباب جب سب انتقال کر جائیں تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اس لاپتہ شخص کا بھی انتقال ہو گیا، لیکن اس سلسلہ میں فقہاءِ مالکیہ نے صرف چار سال انتظار کرنا ضروری قرار دیا ہے، اس کے بعد دوسری شادی کی اجازت ہے۔(۱)

حالاتِ زمانہ کی رعایت اور عورتوں کی عفت و عصمت کی حفاظت کے پیش نظر متأخرین فقہاءِ احناف نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے، لیکن واضح رہے کہ چار سال کے انتظار کے بعد عورت خود شادی نہیں کر سکتی، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ شرعی عدالت میں اپنا مقدمہ دائر کرے، پھر شرعی قاضی صورتِ حال کا جائزہ لے کر نکاح فسخ کر دے گا،(۲) قاضی شرع کی طرف سے سابقہ نکاح فسخ ہو جانے کے بعد یہ عورت دوسرے کسی بھی شخص سے شادی کر سکتی ہے۔

---

(۱) المدونۃ الکبریٰ : ۲/۹۲ - ۹۳ (۲) تفصیل کے لیے دیکھئے جدید فقہی مسائل ۲/ ۱۴۳

تحریر یا فون سے طلاق

سوال: اگر ادھر سے پاکستان کسی کو طلاق بھیجنی ہو تو شرعاً اس کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: شرعاً طلاق کے واقع ہونے یا صحیح نہ ہونے کے لیے بیوی کا سامنے ہونا ضروری ہے نہ گواہوں کا ہونا ضروری ہے، البتہ چوں کہ طلاق سے عدت وغیرہ کے مسائل وابستہ ہیں، اس لیے بیوی کو اس کی اطلاع دی جانی چاہیے، لیکن کوئی شوہر بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق دیدے، بیوی کو اس کی اطلاع نہ ہو سکے تب بھی طلاق پڑ جائے گی۔ درّ مختار میں ہے:

" أما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق و تلزمها العدة من وقت الكتابة . " (۱)

"اگر طلاق کا خط ان الفاظ کے ساتھ لکھ کر بھیجا: امابعد تم کو طلاق ہے، پس جیسے ہی طلاق کا جملہ لکھا، طلاق واقع ہو جائے گی اور جملۂ طلاق لکھنے کے وقت سے ہی اس پر عدت واجب ہو گی۔"

کیا طلاق واقع ہو گئی؟

سوال: میں نے ایک گھریلو مسئلہ پر اپنی بیوی کو بذریعۂ خط دو طلاقِ بائنہ بھیجی، دو آدمیوں کے سامنے طلاق لکھا اور خط پوسٹ کر دیا، مگر اپنی غلطی کا احساس ہونے پر میں نے والدین سے وہ خط بیوی تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع کروا دیا، کیا اس صورت میں بیوی پر طلاق واقع ہو گئی؟

(اے ایس ڈی، ابہاء)

جواب: جس وقت آدمی اپنی زبان سے یا تحریر کے ذریعہ بیوی کو طلاق دیتا ہے اسی وقت طلاق واقع ہو جاتی ہے، بیوی کو اطلاع یا تحریر ملنے موقوف نہیں رہتی (۲)، لہٰذا جس وقت آپ نے تحریری شکل میں بیوی کو طلاقِ بائن دی، اسی وقت بیوی مطلقہ ہو گئی،

---

(۱) درّمختار: ۴۲۸/۲، ط: بیروت (۲) حوالہ سابق

شرعاً آپ دونوں میں رشتۂ زوجیت باقی نہیں، البتہ نکاح کی تجدید ہو سکتی ہے۔

شوہر و بیوی کے درمیان جدائی کی صورتیں

سوال: میاں بیوی کے درمیان علاحدگی کی کیا صورت ہے؟ اور طلاق و خلع میں کیا فرق ہے؟

(ایک سائل، مکہ مکرمہ)

جواب: میاں بیوی میں علاحدگی کی تین صورتیں ہیں:

(الف) شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے دے۔

(ب) عورت شوہر سے طلاق کی طالب ہو، وہ شوہر کو اپنی طرف سے کچھ دے کر یا مہر معاف کر کے اس کے بدلہ طلاق حاصل کر لے، اس صورت کو خلع کہتے ہیں، اور اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، طلاق اور خلع میں یہی فرق ہے کہ طلاق بلا عوض ہوتی ہے، اور خلع مال کے عوض ہوتا ہے۔

(ج) اگر شوہر طلاق نہ دے اور بیوی کے ساتھ کسی طرح کا ظلم روا رکھتا ہو، تو بیوی کو حق ہے کہ وہ قاضی شریعت سے رجوع کرے، قاضی تحقیق حال کے بعد اس کا نکاح فسخ کر دے گا، اس صورت کو تفریق کہتے ہیں۔

بیوی کے مطالبہ طلاق پر شوہر نے کہا: ایک دو تین

سوال: ایک شخص نے بیوی سے جھگڑتے ہوئے کہا کہ ''میں تجھ کو کل ایک طلاق دوں گا'' بیوی نے اس کے جواب میں کہا کہ ''کل کے بجائے آج ہی دے دو'' تو شوہر نے اس کے جواب میں کہہ دیا: ''ایک دو تین'' اور اس کے بعد کہا: ''جا گھر سے چلی جا'' اس معاملہ کے بعد لوگ اس شخص کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تم نے کیوں طلاق دے دی، تو اس شخص نے کہا کہ میں نے دل سے طلاق نہیں دی تھی، بلکہ خوف اور ڈرانے کے واسطے اس طرح کے جملے ادا کئے، میری

نیت طلاق واقع کرنے کی نہیں تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بیوی مطلقہ ہو گئی؟ اگر مطلقہ ہو گئی تو اس پر کتنی طلاق واقع ہوئی؟ (ایک سائل، جدہ)

جواب: غصہ کی حالت میں شوہر کا یہ کہنا کہ "میں تجھ کو کل ایک طلاق دوں گا"، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ اس میں صرف وعدۂ طلاق ہے، البتہ بیوی کے مطالبۂ طلاق پر شوہر کا "ایک دو تین" کہنا موجب طلاق ہے، اور چونکہ اس نے تین کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، اس لئے تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، اور وہ بیوی اس شخص پر حرام ہو گئی، چنانچہ خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

وفی الفتاوی: قال لا مرأته: "ترا یکے وتراسہ" اوقال: "تو یکے توسہ" قال ابو القاسم الصفارؒ لایقع شیئی وقال الصدر الشهید یقع اذا نوی، قال: وبه یفتی، قال القاضی: وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان ذالك فی حال مذاکرة الطلاق اوفی حال الغضب یقع الطلاق ...... (۱)

کتب فتاوی میں ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "تجھے ایک اور تین" یا کہا: "تو ایک تو تین" تو ابو قاسم صفار نے کہا کہ کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی، لیکن صدر الشہید نے فرمایا کہ اگر شوہر کی نیت طلاق واقع کرنے کی ہو تو طلاق پڑ جائے گی، اور اسی پر فتوی ہے، اور قاضی نے فرمایا کہ مناسب ہے کہ جواب کچھ تفصیل سے ہو، وہ یہ کہ اگر یہ جملہ مذاکرۂ طلاق یا غضب کی حالت میں کہا گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

الفاظ کنائی استعمال کرنے کے بعد طلاق کی نیت مشکوک ہو جائے

سوال: بیوی سے نزاع کے وقت شوہر نے اس سے کہا کہ "نکل جا اپنی ماں کے گھر چلی جا" ان الفاظ کے تکلم کے بعد جب نیت کا خیال ہوا تو وہ

---

(۱) خلاصة الفتاوی: ۹۸/۲

پڑ گیا کہ میں نے طلاق واقع کرنے کی نیت کی تھی یا نہیں؟ تو کیا مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہو گئی جبکہ نیت مشکوک ہے؟ اگر طلاق واقع ہو گئی تو رجوع کرنے کی کیا صورت ہو گی؟ (ایک سائل: مکہ مکرمہ)

جواب: شوہر کے یہ الفاظ: "نکل جا، اپنی ماں کے گھر چلی جا" الفاظ کنائی میں سے ہیں، جس سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت پڑتی ہے اور چونکہ نیت مشکوک ہے، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی:

علم انه حلف ولم يدر بطلاق اوغيره لغا كما لوشك أطلق ام لا. (۱)

کسی شخص کو قسم کھانے کا تو علم ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس نے طلاق کی یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائی ہے، تو اس قسم کا اعتبار نہیں ہو گا، جیسا کہ کسی کو طلاق واقع کرنے اور نہ کرنے میں شک ہو جائے (تو طلاق نہ پڑنے کا حکم لگایا جاتا ہے)

طلاق کا مطالبہ اور مہر و نفقہ کے مسائل

سوال: میری بیوی خود طلاق مانگ رہی ہے، کیا اس صورت میں میرے اوپر اس کا مہر واجب ہے یا نہیں؟ اس کے وطن تک کا ٹکٹ میرے ذمہ ہے یا وہ خود اس کا انتظام کرے گی؟ زیر استعمال زیور جو دونوں کی مشترکہ رقم سے بنوایا گیا تھا میرا حق ہے یا میری بیوی کا؟ میری بیوی تقریباً گیارہ سال میرے نکاح میں رہی اور میں نے اس کا خرچ برداشت کیا، کیا میں وہ خرچ مہر سے کاٹ سکتا ہوں؟ یا پورا مہر دینا ہو گا؟ (عبد اللہ، مکہ مکرمہ)

جواب: بغیر کسی مجبوری اور ضرورت کے صرف "تجدید لذت" کے لیے عورتوں کو طلاق دینا یا عورتوں کا مردوں سے طلاق و خلع کا مطالبہ کرنا سخت ناپسندیدہ اور گناہِ کبیرہ ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "بلا شبہ اللہ تعالیٰ مزہ چکھنے والے مردوں اور مزہ چکھنے والی عورتوں کو پسند نہیں فرماتا" ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ

---

(۱) در مختار: ۲/ ۷٤٥

ارشادِ گرامی ہے کہ: "جس عورت نے بغیر کسی سبب کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا اس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔"(۱) ہاں اگر کوئی شرعی عذر یا مجبوری ہے جیسے شوہر عورت کے حقوق ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا اس پر ظلم وزیادتی کرتا ہو یا دونوں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض ادا نہ کر سکتے ہوں اور اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں اور ایسی صورت میں بیوی شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، لیکن طلاق کا اختیار شریعت نے چوں کہ صرف شوہر کو دیا ہے اور وہ طلاق نہ دے رہا ہو تو شریعت نے عورت کے لیے خلع و تفریق کی شکل رکھی ہے۔ خلع کا مطلب یہ ہے کہ عورت مہر کے عوض یا مہر مل چکا ہو تو مہر کے بقدر مال کے عوض شوہر سے خلع کر لے یعنی آزادی حاصل کر لے یا شوہر کے ذمہ اس کے جو حقوق ہیں اس کو معاف کر کے خلع لے لے، مثلاً یہ کہے کہ "میں مہر معاف کر کے تم سے خلع لیتی ہوں۔" یا یہ کہ "میں مہر معاف کرتی ہوں، مجھے تم آزاد کر دو وغیرہ۔" اگر شوہر اس کو قبول کر لے تو یہ خلع ہو جائے گا، عورت پر ایک طلاقِ بائن پڑ جائے گی، اگر شوہر خلع پر راضی نہ ہو تو تنہا عورت کے کہنے سے خلع نہیں ہوتا، خلع کے بجائے اگر بیوی مال دے کر طلاق کا مطالبہ کرے کہ میں تم کو اتنی رقم دوں گی، مجھے طلاق دے دو اور شوہر اس کو قبول کر کے طلاق دے تو اس صورت میں مہر معاف نہیں ہوگا، البتہ جتنے مال پر طلاق طے ہوئی اتنی رقم کا عورت کی طرف سے شوہر مستحق ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ میاں بیوی میں اگر شوہر قصوروار ہو اور بیوی طلاق یا خلع کا مطالبہ کرنے میں شرعاً حق پر ہو تو پھر ایسی صورت میں شوہر کے لیے جائز نہیں کہ وہ بیوی سے مال لے یا مہر معاف کرائے، اگر ایسا کرے گا تو وہ گناہگار ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ آتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ، اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا . "

اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے

---

(۱) ترمذی عن ثوبان ، باب ماجاء فی المختلعات ، ابواب الرضاع والطلاق ، ابوداؤد عن ثوبان ، باب فی الخلع ، کتاب الطلاق

کسی کو تم نے ڈھیر سا مال دے رکھا ہے، تو بھی اس میں سے کچھ مت لو، کیا
تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔ (نساء : ۲۰)

ہاں اگر شوہر حق پر ہو، بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہو اور بیوی بغیر کسی وجہ کے شوہر سے طلاق یا خلع چاہ رہی ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ مہر کی معافی یا مال کی شرط رکھے تو یہ اس کے لیے جائز ہے، لیکن اس صورت میں بھی مال مہر کی مقدار سے نہ بڑھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

" لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ . "

تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دیا ہے، اس میں سے کچھ بھی لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدود قائم نہ رکھنے کا خوف ہو، اس لئے اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے، اس میں دونوں پر گناہ نہیں۔ (بقرہ : ۲۲۹)

اگر شوہر خود طلاق دیدے (بیوی خلع نہ چاہے) یا بیوی کے مطالبۂ طلاق کو قبول کر کے مال کی شرط یا معافی مہر کی شرط کے بغیر ہی طلاق دیدے تو طلاق کا مہر سے کوئی تعلق نہیں، جیسی طلاق دی ہو (یعنی طلاقِ رجعی یا بائن) وہ طلاق پڑ جائے گی اور مہر بھی شوہر کے ذمہ مکمل واجب الادا ہوگا (صرف بیوی کی طرف سے مطالبۂ طلاق پر مہر معاف نہیں ہوتا) شوہر خود بیوی کو طلاق دے یا مال کی شرط پر طلاق دے یا بیوی خلع کرلے، ان تمام صورتوں میں عدت گزرنے تک کا خرچ اور رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ رہے گا، اسی طرح اب تک جو خرچ آپ نے برداشت کیا یہ آپ کا شرعی فرض تھا، مہر کی رقم سے اس کو کاٹ نہیں سکتے، بیوی کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام شوہر کی ذمہ داری ہے جب تک بیوی اس کی زوجیت میں رہے بلکہ عدت کا نفقہ بھی

---

(۱) الفقه الاسلامی و أدلته : ۵۰٤/۷

شوہر کے ذمہ ہے جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا۔ ڈکتور وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

" يسقط بالخلع في رأى أبي حنيفةؒ كل الحقوق الواجبة بسبب الزواج لأحد الزوجين على الآخر كالمهر و النفقة الماضية المتجمدة أثناء الزواج ، لكن لاتسقط نفقة العدة ، لأنها لم تكن واجبة قبل الخلع فلايتصور اسقاطها بالخلع .

أما الطلاق على المال : فلا يسقط به شئ من حقوق الزوجين و يجب به فقط المال المتفق عليه . " (۱)

"امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں خلع سے وہ تمام حقوق ختم ہو جاتے ہیں جو زوجین کو ایک دوسرے پر نکاح کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے مہر اور گذرے ہوئے زمانہ کا نفقہ، تاہم عدت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ نفقہ خلع سے پہلے واجب نہیں کہ خلع کی وجہ سے ساقط ہو جائے۔

لیکن طلاق بالمال کی صورت میں زوجین کے باہمی حقوق ساقط نہیں ہوتے اور اس سے صرف وہ مال واجب ہوتا ہے جس پر باہم بات طے پائی ہو۔"

البتہ عدت گزرنے کے بعد اس کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری اور خرچ شوہر کے ذمہ نہیں، بیوی خود اس کا انتظام کرے گی۔ جہاں تک زیور کا تعلق ہے وہ بیوی کا ہوگا، اگرچہ وہ آپ دونوں کی مشترکہ رقم سے بنوایا گیا ہو۔

حالتِ حیض میں طلاق

سوال: "ابھی طلاق واقع ہوگئی" کے عنوان سے اخبار میں ایک سائل کے سوال کا جواب پڑھا، جو میرے معاملہ کے بالکل مشابہ ہے، میرے شوہر نے مجھے کہا کہ اگر ۲۴ گھنٹے کے اندر یہ جھگڑا ختم نہ ہوا تو تجھے طلاق ہوگی، میں رو پڑی اور ضد کرتی رہی کہ اپنے الفاظ واپس لے لو، آخر ہمارے درمیان یہ بات طے ہوگئی کہ آئندہ چاہے کوئی بات ہو،

کوئی جھگڑا ہو وہ طلاق کا لفظ استعمال نہیں کریں گے، یہی نہیں بلکہ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے طلاق کے الفاظ واپس لیتے ہیں، اس کے بعد ۲۴ گھنٹوں کے اندر ہمارے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی یعنی جھگڑا برقرار رہا، لیکن انہوں نے اپنے الفاظ واپس لے لیے تھے، اس لیے میں مطمئن تھی کہ ایسا کچھ نہ ہوگا، یہ بدھ کی بات ہے اب جمعہ کے اخبار میں مسئلہ پڑھا تو اندازہ ہوا کہ مجھے بھی طلاق واقع ہو گئی، میرے شوہر کا کہنا ہے کہ طلاق میں رجوع کی گنجائش ہے، جب کہ آپ نے لکھا کہ رجوع صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جب ایک یا دو طلاق دی گئی ہو، میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کہ ایک یا دو طلاق کی بات ہو بلکہ صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر جھگڑا ختم نہ ہو تو تجھے طلاق ہو گئی، میرے شوہر نے حلفیہ کہا کہ وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتے بلکہ وہ ان الفاظ کے ذریعہ مجھ سے اپنی ناجائز بات منوانا چاہتے تھے کہ ڈر کر میں مان لوں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ طلاق ہو جائے گی تو میں ان کے ساتھ زندگی نبھانے کے لیے یہ بات بھی مان لیتی، دوسری بات یہ کہ شوہر نے جب یہ الفاظ کہے تو میں ایام سے تھی، میں نے غالباً کہیں پڑھا تھا کہ شاید ان دنوں میں طلاق واقع نہیں ہوتی؛ اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟ امید ہے کہ جلد از جلد رہنمائی فرمائیں گے۔

(ایک بہن، جدہ)

جواب: شوہر کے جو الفاظ آپ نے لکھے ہیں، اس سے آپ پر ایک طلاق واقع ہوتی ہے (دو یا تین نہیں) لہٰذا اس میں عدت کے اندر رجوع کی گنجائش ہے، آپ کے شوہر کو چاہیے کہ رجوع کر لیں، طلاقِ رجعی (یعنی جس طلاق میں رجعت کی گنجائش رہتی ہے) میں عدت کے اندر اگر رجعت کے ارادہ کے بغیر بھی میاں بیوی میں بوس و کنار یا جنسی تعلق قائم ہو جائے تو اس سے رجعت ہو جاتی ہے، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں بیوی کو چاہیے کہ زیب و زینت اختیار کرے اور شوہر کی پسند و

---

(۱) هدایه: ۳۷۹/۲

ناپسند کا خیال کر کے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے، تاکہ رشتۂ زوجیت منقطع ہو کر گھر اجڑنے اور برباد ہونے سے بچ جائے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

" و المطلقة الرجعية تتشوف و تتزين لأنها حلال للزوج إذالنكاح قائم بينهما ثم الرجعة مستحبة و التزين حامل عليها ، فيكون مشروعاً . " (۱)

"مطلقہ رجعیہ زیب و زینت اختیار کرے گی، کیوں کہ وہ شوہر کے لیے حلال ہے اور ان کے درمیان نکاح اب بھی باقی ہے، چوں کہ طلاقِ رجعی میں رجعت مستحب ہے اور زینت و آرائش رجعت کا باعث اور سبب بنتا ہے، اس لیے رجعت مشروع ہے۔"

آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ ایام میں طلاق واقع نہیں ہوتی، بلکہ ان دنوں میں بھی طلاق پڑجاتی ہے، البتہ اس حالت میں طلاق دینا گناہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

" فإن طلق للبدعة و هو أن يطلقها حائضا أو فى طهر أصابها فيه ، أثم ، و وقع طلاقه . " (۲)

"اگر طلاق بدعت دیا تو وہ گنہ گار ہوگا اور طلاقِ بدعت یہ ہے کہ وہ بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع کیا ہو۔"

طلاقِ رجعی میں بیوی کی عدت گزر جائے اور قول و فعل کے ذریعہ شوہر رجعت نہ کرے تو اب دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، بغیر نکاح کے وظیفۂ زوجیت جائز نہیں، کیوں کہ عدت گزرتے ہی نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

بغیر طلاق یا خلع کے نکاح

سوال: میرے ایک عزیز دوست کی بہن کا نکاح کوئی ۱۷ سال قبل ایک عمر رسیدہ شخص سے ہوا، اس وقت ان کی عمر پچپن (۵۵) یا ساٹھ

---

(۱) هداية : ۳۷۹/۲ (۲) المغنى ۲۷۹/۷ ط : دارالفكر بيروت

(۶۰) سال کے قریب تھی اور لڑکی کی عمر تقریباً ۲۲ سال، یہ شخص حق زوجیت ادا کرنے سے قاصر تھا، جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی ناقص رہی، کبھی کبھی وہ دونوں مل لیتے اور یہ سلسلہ بھی صرف چند سال رہا و اب وہ دونوں صرف نام کے میاں بیوی ہیں، لڑکی اس شوہر سے طلاق لے کر دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے، لیکن شوہر طلاق دینے پر راضی نہیں، کیوں کہ اس کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں، البتہ اس کا یہ کہنا ہے کہ میں تم کو خلع دوں گا، تم دوسری شادی کرلو، لیکن تم میرے گھر میں رہنا، کیوں کہ میرا کوئی نہیں، ہم نے یہاں بعض لوگوں سے سنا کہ میاں بیوی ساتھ رہتے ہوئے اگر تین ماہ تک نہ ملیں تو یہ "طلاق" ہو جاتی ہے، کوئی کہتا ہے کہ ایک سال میں طلاق ہو جاتی ہے، اب جب کہ کئی سال سے ان کے درمیان تعلق نہیں، تو کیا لڑکی شوہر کو بغیر بتائے دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر خلع لے تو دوسری شادی کر کے پہلے شوہر کے گھر میں رہ سکتی ہے؟ نیز کیا خلع کے بعد اس لڑکی کے لیے عدت گزارنا بھی ضروری ہے؟ (کیوں کہ ان کے درمیان کوئی ازدواجی زندگی نہیں۔)

جواب: شادی شدہ لڑکی کا دوبارہ نکاح کسی اور مرد سے اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک شوہر کا انتقال نہ ہو جائے، شوہر کی زندگی میں دوسرے مرد سے نکاح کی یہی صورت ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دیدے یا اس سے خلع لیا جائے یا شرعی عدالت سے رجوع ہو کر قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرایا جائے (یہ اختیار شرعی عدالت یا حاکم وقت کی طرف سے مقرر کردہ مسلمان قاضی ہی کو ہے، غیر مسلم کا فسخ نکاح مسلمان بیوی کے حق میں شرعاً معتبر نہیں۔) یہ خیال صحیح نہیں کہ میاں بیوی ساتھ رہتے ہوئے تین ماہ یا سال بھر نہ ملیں تو بھی خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی بلکہ نکاح کے بعد زندگی بھر بھی شوہر و بیوی آپس میں نہ ملیں تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں اس بنیاد پر (یعنی حق زوجیت کی عدم ادائیگی) اور اس طرح کے بعض اعذار کی بنیاد پر عورت کو یہ

حق ہے کہ وہ شرعی عدالت میں فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور شرعی قاضی سے نکاح فسخ کرواکر عفت وپاکدامنی کے لیے دوسری شادی کرلے، چنانچہ صاحبِ ہدایہ کا بیان ہے:

" إذا كان الزوج عنينا أجله الحاكم سنة فإن وصل إليها فبها و إلا فرق بينهما إذا طلبت المرأة ذلك . " (۱)

"اگر شوہر نامرد ہو تو قاضی یا حاکم ایک سال کی مہلت دے، اگر ایک سال تک میں اس سے مل لیا تو بہتر ہے، ورنہ دونوں میں تفریق کردی جائے گی، بشرطیکہ عورت جدائیگی کا مطالبہ کرے۔"

شوہر کی وفات یا طلاق وخلع اور فسخ نکاح وغیرہ یعنی شرعاً شوہر سے جدائی کی تمام صورتوں میں عورت پر عدت گزارنا ضروری ہے، عدت کے اندر کسی دوسرے مرد سے نکاح شرعاً درست نہیں، عدت میں کیا گیا نکاح باطل اور غیر معتبر ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

" لايجوز أن يتزوج زوجة غيره و كذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج ، سواء كانت العدة عن طلاق أو وفاة أو نكاح فاسد أو شبهة نكاح ، كذا في البدائع . " (۲)

"کسی کے لیے جائز نہیں کہ غیر کی منکوحہ سے نکاح کرے، ایسے ہی معتدہ کا بھی یہی حکم ہے، چاہے عدت طلاق کی ہو یا وفات کی، نکاحِ فاسد کی عدت ہو یا شبہ نکاح کی۔"

عدت کا تعلق صرف ازدواجی تعلق ہی سے نہیں بلکہ یہ حکم رشتۂ زوجیت کے احترام کے پیش نظر بھی دیا گیا ہے، البتہ یہ لڑکی شوہر سے طلاق یا خلع لے کر عدت گزرنے کے بعد دوسرا نکاح کرلے تو اب یہ پہلے شوہر کے گھر رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ خود اس کے اور اس کے دوسرے شوہر کی صوابدید پر منحصر ہے کہ اس کی تنہائی اور لاوارثی کو دیکھتے ہوئے چاہیں تو اس کو ساتھ رکھیں، لیکن عورت اور سابقہ شوہر کے درمیان شرعاً کوئی تعلق یا رشتہ باقی نہ رہے گا، جدائی کے بعد وہ اجنبی کی طرح ہوں گے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس سے الگ رہ کر اس کی دیکھ بھال کا انتظام کیا جائے۔

---

(۱) هداية : ۲/ ۴۰۱ (۲) هندية : ۱/ ۲۸۰

بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی

سوال: زید تین سال سے یہاں سعودی عرب میں تھا، وطن میں بیوی کو ولادت ہوئی لوگوں کے اصرار پر اس نے جواب دیا کہ زید کے باپ (میرے سسر) نے زبردستی میرے ساتھ سال بھر سے ناجائز تعلق رکھا، زید جب ملک گیا تو اس کو یہ سب حالات معلوم ہوئے، پھر وہ بیوی کو گھر لا کر آرام سے زندگی گزار رہا ہے، کیا زید کے لیے اس کی بیوی حلال ہے؟ یا نیا نکاح کرنا ہوگا؟ اور زید کے والد کے لیے (بیوی ہوتے ہوئے) بہو کے ساتھ یہ سلوک کرنے پر کیا سزا ہے؟

(اب، م، تبوک)

جواب: اگر زید کے باپ نے بہو کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کیا ہو تو اب زید کے لیے اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اس سے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا، چنانچہ درّ مختار کی عبارت "و حرم ایضاً بالصهرية اصل مزنيته" "سسرالی رشتہ میں مزنیہ کے اوپر رشتہ دار بھی حرام ہو جاتے ہیں۔" کے ذیل میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

" قال في البحر : أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة على أصول الزاني و فروعه نسبا و رضاعاً و حرمة أصولها و فروعها على الزاني نسباً و رضاعاً كما في الوطي الحلال . " (۱)

" حرمتِ مصاہرت سے چار طرح کی حرمتیں متعلق ہیں: (۱) عورت کا زانی کے اصول یعنی اوپری رشتہ داروں، (۲) فروع نیچے کے رشتہ داروں نسبی ہوں یا رضاعی ہوں، کے لیے حرام ہونا، (۳) (۴) اسی طرح مزنیہ کے نسبی یا رضاعی اصول و فروع کا زانی کے لیے حرام ہونا، جیسا کہ وطی حلال میں یہ حکم ہے۔"

لہٰذا زید کو چاہیے کہ دوسری عورت سے نکاح کرے اور اس کی بیوی کو بھی

---

(۱) ردّ المحتار : ۲/۲۷۹ ، ط : بیروت

چاہیے کہ عدت گزار کر اپنے لیے نیا رشتہ تلاش کرے۔ اسلامی حکومت میں شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا رجم یعنی انہیں سنگسار کر دینا ہے، البتہ اگر عورت کو اس پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو تو وہ سزا کی حقدار نہیں، لیکن جہاں اسلامی حکومت نہ ہو اور مسلمانوں کا کوئی حاکم و امیر نہ ہو تو وہاں یہ سزا نافذ نہ ہو گی، مجرموں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کریں۔

خوف دور کرنے کے لیے ایک اور خوف

سوال: میری بیوی میری چھوٹی بہن سے اتنا ڈرتی ہے کہ میری کسی بات کو نظر انداز کر سکتی ہے لیکن میری بہن کی بات پتھر کی لکیر ہے، اس لیے ایک مرتبہ میں نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ اگر تم اسی طرح ڈرتی رہی تو میں تو کو طلاق دیدوں گا، میں نے یہ بات اس لیے کہی کہ میری بیوی بہن سے ڈرنا چھوڑ دے، کیا طلاق دیتا ہوں یا طلاق دوں گا کہنے سے طلاق پڑ جائے گی؟

(زمان اللہ غلام، رحما)

جواب: "طلاق دیدوں گا" ایک طرح کا وعدہ یا دھمکی ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ "تجھ کو طلاق دیتا ہوں" یا "تجھ کو طلاق" کہنے سے طلاق پڑ جائے گی، اسی طرح طلاق کو کسی کام پر موقوف کر دیا جائے یعنی کسی شرط پر طلاق دی جائے تو یہ بھی درست ہے، ایسی صورت میں اس کام یا شرط کے پائے جانے پر طلاق پڑ جائے گی، البتہ اس میں بھی الفاظ مستقبل کے استعمال ہوں (یعنی یہ کہے کہ تم فلاں کام کرو گی تو طلاق دیدوں گا) تو اس سے طلاق واقع نہ ہو گی، کیوں کہ یہ طلاق نہیں بلکہ طلاق کی دھمکی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مسئلہ کا حکم ہے، لیکن طلاق کا اس طرح بے جا استعمال کسی طرح درست نہیں، بیوی کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں کہ اس کو طلاق سے ڈرایا جائے یا اس کی دھمکی دی جائے، اکثر اس طرح بیوی کی اصلاح تو نہیں ہوتی، لیکن جہالت اور ناواقفیت میں کچھ کے کچھ الفاظ استعمال کرنے اور زبان سے نکالنے کی وجہ سے بیوی پر طلاق

پڑجاتی ہے، کیوں کہ طلاق کا معاملہ بڑا نازک ہے، بلاارادہ اور بغیر نیت کے بھی طلاق کے الفاظ استعمال کیے جائیں تو طلاق پڑجاتی ہے، جیساکہ حدیثِ رسول ﷺ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

غصے میں طلاق لکھ دی

سوال: ایک آدمی یہاں سے چھٹی پر گیا اور گھر والوں نے اس کی مرضی کے خلاف شادی کردی پھر وہ یہاں چلا آیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا، کچھ عرصہ بعد گھر سے خط آیا کہ تمہاری بیوی ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتی، اس آدمی نے غصہ میں آکر طلاق لکھ دی، لیکن ارسال نہیں کی، البتہ گھر والوں کو اور اس کی بیوی کو پتہ چل گیا کہ اس نے طلاق لکھی ہے، انہوں نے اصرار کیا کہ طلاق نہیں دینی ہے؛ کیا یہ طلاق واقع ہو گئی؟

(منظور احمد، ریاض)

جواب: جس وقت اس شخص نے بیوی کو طلاق لکھ دی، طلاق واقع ہو گئی، اس کے لیے نہ بیوی کا سامنے ہونا ضروری ہے، نہ اس کو علم و اطلاع ہونا اور نہ تحریر کا ارسال کرنا، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

" و إن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ أو لم ينو ، ثم المرسومة لاتخلوا إما أن ارسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق ، فكما كتب هذا يقع الطلاق و تلزمها العدة من وقت الكتابة . " (۱)

"اگر طلاق کے کلمات بالکل واضح ہوں تو طلاق واقع ہو گی، چاہے وہ نیت کرے یا نہ کرے، پھر طلاق نامہ میں اگر اس طرح لکھ کر بھیجا کہ "امابعد! تم کو طلاق ہے" تو جیسے ہی یہ جملے لکھے طلاق واقع ہو جائے گی اور لکھنے ہی کے وقت سے عدت لازم ہو گی۔"

---

(۱) ھندیہ : ۳۷۸ ، ط : بیروت

لیکن ظاہر ہے شوہر طلاق دے گا تو اس کی اطلاع بیوی کو دینا ضروری ہے، تاکہ وہ عدت وغیرہ کے احکام پر عمل کر سکے اور عدت کے بعد دوسرا رشتہ تلاش کر سکے، بیوی کو طلاق کی اطلاع ہی نہ دی جائے تو وہ کیسے اپنے آپ کو "مطلقہ" سمجھے گی؟ لیکن طلاق کا وقوع بیوی کی اطلاع تک موقوف نہیں رہے گا، البتہ ایک یا دو طلاق دینے کی صورت میں شریعت نے شوہر کو رجعت (لوٹا لینے) کا حق دیا ہے، اگر اس شخص نے ایک یا دو طلاق دی ہو تو واقع ہو گئی، البتہ عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، عدت گزر جائے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

کیا یہ طلاق ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تم میری بات نہیں مانتی اس لیے جو مرضی ہے کرو تم میرے سے آزاد ہو، اس کے بعد میں تم کو کچھ نہیں بولوں گا، کیا اس طرح کے الفاظ سے طلاق واقع ہو گی، جب کہ اس کا مقصد طلاق نہ ہو بلکہ طلاق کا دل میں خیال تک نہ ہو اور طلاق کا لفظ بھی نہیں لیا گیا ہو؟

جواب: طلاق کی نیت نہ ہونے کی صورت میں (ایسے الفاظِ طلاق سے) طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں اگر نیت اور ہو، طلاق کے موضوع پر گفتگو کے دوران ایسی بات کہی جائے تو پھر طلاقِ بائن واقع ہو گی، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"و لو قال: أنت مطلقة بتسكين الطاء لايكون طلاقا إلا بالنية." (۱)

"اگر انت مطلقۃ (یعنی تم آزاد ہو) کہا تو نیت کیے بغیر طلاق واقع نہیں ہو گی۔"

اور علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ نے بھی لکھا:

"و إذا قال لها في الغضب: أنت حرة..... فقد وقع الطلاق

---

(۱) هدايه: ۲/ ۳٤۰

، الکلام فی ھذہ المسئلة فی فصلین : أحدھما : فی أن ھذا اللفظ کنایة فی الطلاق ، إذا نواہ به وقع ، و لایقع من غیر نیة و لادلالة حال ، و لانعلم خلافا فی أنت حرة أنه کنایة ."(۱)

"اگر غصہ میں کہا: تم آزاد ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس مسئلہ میں دو باتیں ہیں: طلاق کے لیے یہ لفظ کنایہ ہے، اگر وہ طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے اور نیت یا دلالتِ حال کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی اور أنت حرة کنایہ ہونے میں ہمارے علم کی حد تک کوئی اختلاف نہیں۔"

کیا نکاح ٹوٹ جائے گا؟

سوال : اگر کوئی سگا بھتیجا اپنی چچی کے ساتھ زناکار تکاب کرے تو کیا اس کے نتیجہ میں چچا اور چچی کے درمیان رشتۂ نکاح ٹوٹ جائے گا؟ نیز اگر شوہر طلاق دے تو مذکورہ عورت اس مرد (شوہر کے بھتیجے) کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(میم،الف)

جواب : اس صورت میں میاں بیوی کے درمیان نکاح کا رشتہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر شوہر طلاق دیدے تو اس عورت کا نکاح شوہر کے بھتیجے سے ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ان کے درمیان کوئی حرمت رضاعت وغیرہ کا رشتہ نہ پایا جائے نیز عورت شوہر کے طلاق دینے کے بعد عدت گزار لے۔

اگر ملازمت کی تو تم آزاد ہو

سوال : میری مالی حالت ٹھیک نہیں اور یہاں سعودیہ میں بھی مقروض ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے میں نے اپنے گھر چھ ماہ خرچہ نہیں بھیجا، میری بیوی نے تنگ آکر ملازمت کرلی ، اس سے قبل میں نے

(۱) المغنی : ۱۰ / ۳۶۰

اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر تم نے کام کی نیت سے گھر سے باہر قدم رکھا تو تمہیں ایک طلاق واقع ہو جائے گی، جب مجھے پتہ چلا کہ میری بیوی نے ملازمت شروع کردی ہے تو میں نے اس کے دوسرے ہی دن اپنے الفاظ واپس لے لیے اور اب میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ اگر تم نے ۳۰/مئی تک اپنی ملازمت نہیں چھوڑی تو میری طرف سے تم آزاد ہو، لیکن ایک دن بعد پھر میں نے اپنی بیوی سے اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لے لیے، یعنی ۲۵/مئی کو الفاظ واپس لے لیے (طلاق واقع ہونے سے ۵/دن پہلے) رہنمائی فرمائیں کہ ایسی صورت میں حکمِ شرعی کیا ہے؟ دسمبر تک میں پاکستان جاؤں گا، اس سے قبل حالات اجازت نہیں دیتے۔

(ظ،الف)

جواب: زبان سے طلاق کے الفاظ نکلنے کے بعد کبھی واپس نہیں ہوا کرتے، شوہر جب طلاق کو معلق کردے یعنی کسی چیز سے مشروط کردے تو یہ طلاق شرط کے پائے جاتے ہی پڑ جائے گی اور بیوی مطلقہ ہو جائے گی، چاہے اس سے پہلے شوہر کئی مرتبہ کہے کہ میں اپنے الفاظ (اور طلاق) واپس لیتا ہوں، وقوعِ طلاق پر یہ چیز اثر انداز نہ ہوگی، چنانچہ صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

"و إذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط ، مثل أن يقول لإمرأته إن دخلت الدار فأنت طالق ." (۱)

"اگر کسی شرط کی طرف طلاق کی نسبت کی تو شرط پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تم گھر میں آئی تو تم کو طلاق ہے۔"

البتہ صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی گئی ہوں تو یہ طلاقِ رجعی ہوں گی اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرنے کی گنجائش رہے گی اور عدت گزر جائے تو

(۱) هدايه : ۳٦٥/۲

دوبارہ نکاح کے ذریعہ رشتہ استوار کیا جاسکتا ہے۔ اگر کنایہ الفاظ میں طلاق دی جائے تو طلاقِ بائن واقع ہو گی، یعنی بیوی فوراً جدا ہو جائے گی، عدت کے اندر رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، البتہ دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ آپ کی بیوی نے جب ملازمت شروع کی تو اس پر ایک طلاقِ رجعی پڑ گئی اور جب ۳۰ / مئی تک ملازمت ترک اگر نہ کی ہو تو دوسری طلاق بھی پڑ گئی اور یہ طلاقِ بائن ہو گی، کیوں کہ "تو آزاد ہو" کنایہ لفظ ہے، جو طلاق اور غیر طلاق دونوں معانی میں استعمال ہو سکتا ہے، کنایہ الفاظ سے طلاق کے واقع ہونے کے لیے نیت یا قرینہ کا پایا جانا ضروری ہے، آپ کی تحریر اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ نے یہ الفاظ طلاق کی نیت ہی سے کہے ہیں، لہٰذا شرط پائی گئی ہو (یعنی آپ کی بیوی نے ملازمت ۳۰ / مئی تک ترک نہ کی ہو) تو آپ کی بیوی مطلقہ بائنہ ہے، وہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، عدت کے اندر یا عدت کے بعد آپ دونوں از سرِ نو نکاح کی تجدید بھی کر سکتے ہیں، تجدیدِ نکاح کے بغیر ازدواجی وظیفہ جائز نہیں۔

تم میری طرف سے فارغ ہو

سوال: ایک دن میں نے اپنی بیوی کو غصہ میں کہا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا، پھر کہا کہ تم میری طرف سے فارغ ہو اور پہلی بار کہا کہ تم کو میری طرف سے طلاق ہے، اب میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں؟ کیا بیوی پر طلاق پڑ گئی؟

(ارشد محمود، جدہ)

جواب: "میں تمہیں چھوڑ دوں گا" ایک طرح کا وعدہ اور دھمکی ہے، اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، طلاق کے لیے ماضی یا حال کے الفاظ استعمال ہونے چاہئیں، جیسے: "میں نے تمہیں چھوڑ دیا" یا "تمہیں چھوڑ دیتا ہوں"، "طلاق دیتا ہوں" وغیرہ، "تم میری طرف سے فارغ ہو" یہ کنایہ لفظ ہے، طلاق کی نیت سے بولا جائے تو اس سے بیوی پر طلاقِ بائن پڑتی ہے۔ طلاقِ بائن کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے ساتھ ہی میاں بیوی کے درمیان رشتۂ زوجیت کٹ جاتا ہے، عدت کے اندر شوہر کو رجوع کرنے کا

اختیار نہیں رہے گا، البتہ عدت کے اندر یا عدت کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ "تم کو میری طرف سے طلاق ہے" یہ طلاق کے لیے صریح لفظ ہے، اس سے بغیر نیت و ارادہ کے بھی طلاق پڑ جاتی ہے، البتہ صریح لفظ سے "طلاقِ رجعی" واقع ہوتی ہے۔ طلاقِ رجعی کا مطلب یہ ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے بیوی سے رجعت (رجوع کرنا) درست ہے۔ عدت گزر جائے تو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ رجعت کا مطلب یہ ہے کہ بیوی سے تعلق قائم کرلیا جائے، اگر کوئی رکاوٹ ہو تو زبان سے کہہ دیا جائے کہ میں طلاق سے رجوع کرتا ہوں یا تمہیں اپنی زوجیت میں برقرار رکھتا ہوں وغیرہ، اس طرح رشتہ منقطع نہیں ہوگا۔ آپ نے پہلے اپنی بیوی سے یہ کہا ہو کہ "تم کو میری طرف سے طلاق ہے۔" پھر اس کے فوراً بعد گویا اس کی وضاحت یا تاکید کے لیے یہ کہا ہو کہ "تم میری طرف سے فارغ ہو" اور اس سے مستقل طلاق کی نیت نہ رہی ہو تو آپ کی بیوی "مطلقہ رجعیہ" ہے، عدت گزرنے سے پہلے آپ رجوع کر سکتے ہیں۔ (اور اگر دوسرے لفظ سے مستقل طلاق کی نیت رہی ہو تو یہ طلاق بائن ہے نہ کہ رجعی۔) چنانچہ درّ مختار میں ہے:

" (الصريح يلحق الصريح و) يلحق (البائن) بشرط العدة ، و البائن يلحق الصريح . "(۱)

" طلاقِ صریح طلاقِ صریح سے ملحق ہوتی ہے، ایسے ہی طلاقِ بائن سے بھی ملحق ہوتی ہے، بشرطیکہ ایامِ عدت باقی ہوں اور طلاقِ بائن طلاقِ صریح سے ملحق ہوتی ہے۔"

طلاق بذریعۂ وکیل

سوال: میری ۱۹۸۵ء میں شادی ہوئی ہے، میرے بہنوئی نے میری بہن کو ایک سال قبل ایک طلاق دیدی، میرے گھر والوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں بھی اپنی بیوی کو طلاق دے دوں، حالانکہ میں طلاق دینا نہیں

---

(۱) درّمختار : مع الرد : ۲/ ٤٦٩

چاہتا تھا، چنانچہ مجبوراً میں نے ایک دوست کو کہا کہ آپ طلاق لکھ دیں، میں نے اس کو تحریر بتائی اور اس نے طلاق لکھ دی، میں نے طلاق نامہ پر دستخط بھی نہیں کیے، وہ بھی میرے دوست نے کیے، کیا بیوی پر طلاق واقع ہو گئی یا میرا نکاح اس سے برقرار ہے، اب گھر والوں کی صلح ہو گئی ہے، میری بیوی میرے گھر پر ہے، کیا مجھے جا کر دوبارہ نکاح کرنا پڑیگا؟ اگر گھر والوں کے سامنے رجوع کرلوں تو کوئی حرج نہیں تو نہیں؟

جواب: آپ نے جب اپنے دوست کو طلاق نامہ لکھنے کے لیے کہا تو وہ آپ کی طرف سے اس معاملے میں وکیل ہو گیا اور وکالت کے ذریعے طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا آپ کی بیوی پر طلاق پڑ گئی، اب موجودہ صورت حال میں تجدیدِ نکاح ضروری ہے، چنانچہ ردّالمحتار میں ہے:

" و لو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان اقراراً بالطلاق . " (۱)

"اگر کاتب سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق نامہ لکھ دو، تو کہنا ایقاعِ طلاق کا اقرار شمار ہو گا۔"

دھمکی سے طلاق نہیں ہوتی

سوال: میں نے اپنی بیوی کو کئی بار خط لکھا کہ میں تم کو چھوڑ دوں گا اور یہ کہ اپنے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے تم سے رشتہ خلاص کرلوں گا، یہ سب کچھ میں نے اس نیت سے کیا کہ کچھ ڈر خوف سے وہ راستہ پر آجائے، کیا اس طرح ہمارا رشتۂ نکاح ٹوٹ گیا؟

(محمد نواز، خمیس، مشیط)

جواب: میں تم کو چھوڑ دوں گا یا اپنے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے تم سے رشتہ توڑ لوں گا، اس طرح کے الفاظ سے طلاق نہیں پڑتی اور رشتۂ نکاح منقطع نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ایک طرح کا وعدہ اور دھمکی ہے، ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے تمہیں چھوڑ دیا، تم اپنے گھر چلی

(۱) ردّالمحتار : ۴۲۹/۲ ، نیز دیکھئے : هندیه : ۳۷۹/۱

جاؤ وغیرہ اور اس طرح کے الفاظ سے طلاق کی نیت ہو تو طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

دوسروں کے اُکسانے پر طلاق

سوال: زید نے اپنے چند ہم عمر آوارہ دوستوں کے کہنے پر بیوی کو طلاق لکھ کر دی، جو کہ اس کے دوستوں نے لکھی تھی، بیوی نے طلاق لینے سے انکار کیا تو زید نے بلند آواز سے بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، اب چند لوگوں کا کہنا ہے کہ چوں کہ لڑکی نے طلاق وصول نہیں کی اور پھر زید نے طلاق آوارہ دوستوں کے کہنے پر دی ہے، اس لیے یہ طلاق نہیں ہوئی، شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

(حضور بخش نادر، مدینہ منورہ)

جواب: طلاق کا اختیار شریعت نے شوہر کو دیا ہے، چاہے وہ خود سے طلاق دے یا کسی کے کہنے پر دے، طلاق واقع ہو جاتی ہے، بیوی کی طرف سے طلاق کو قبول کرنا یا حاصل کرنا یا اسے اس کا علم ہونا بھی ضروری نہیں۔

ردّالمحتار میں ہے:

" أما إن أرسال الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق ، فكما كتب هذا يقع الطلاق . " (۱)

"اگر طلاق نامہ ان کلمات کے ساتھ بھیجا کہ: "امابعد: تم کو طلاق ہے" تو جیسے ہی یہ جملہ لکھے گا طلاق واقع ہوگی۔"

اب اگر تحریر میں ایک ہی طلاق یا مطلق طلاق کا ذکر تھا اور زید نے زبانی طلاق کے کلمات اس کی تاکید کے لیے کہے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور اگر اس سے مستقل طلاق کا ارادہ تھا تو دو طلاقیں واقع ہو گئیں۔

طلاق لکھی جائے، لیکن پنسل چھین لی جائے

سوال: شوہر نے بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے کاغذ پنسل لے کر لکھنا

---

(۱) رد المحتار : ۴۲۸/۲

روع کردیا، بیوی کو بھی طلاق لینے کی نیت تھی، اسی دوران ایک جاننے والے نے اس کے ہاتھ سے پنسل چھین لیا، اب یہ پتہ نہیں کہ اس نے طلاق لکھ دی تھی یا نہیں؟ جب کہ اس واقعہ کو بارہ تیرہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس واقعہ کے ڈیڑھ ماہ بعد انہوں نے آپس میں صلح کرلی تھی؛ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ کیا اس کا کوئی کفارہ بھی ہے؟

(س ن، جدہ)

جواب: صرف نیت وارادہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

" إنّ الله تجاوز عن أمي عما حدثت به أنفسها ما لم تعمل أو تكلم به ." (۱)

"اللہ تعالیٰ نے دل میں آنے والی باتوں کو میری امت سے معاف کردیا ہے جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرے یا اس کو بولے نہیں۔"

اگر شوہر نے طلاق لکھ دی ہو یا زبان سے بیوی کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کیا ہو تب تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں، اس بارے میں خود شوہر سے دریافت کیا جائے، نیز ایک طلاق دینے کی صورت میں عدت کے اندر رجعت کی گنجائش رہتی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں ڈیڑھ ماہ بعد کی صلح رجعت کے حکم میں ہو سکتی ہے، اس کا مزید کوئی کفارہ نہیں، توبہ واستغفار کریں اور طلاق وغیرہ کے معاملات میں محتاط رہیں، جلد بازی سے کام نہ لیں کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔ ردّ المحتار میں ہے:

"كل كتاب لم يكتبه بخطه و لم يمله بنفسه لايقع الطلاق "(۲)

"جو خط اس کی تحریر میں نہ ہو اور نہ اس نے لکھوایا ہو تو اس سے طلاق نہ واقع ہوگی۔"

---

(۱) ابن ماجه عن أبي هريرة ، باب من طلق في نفسه و لم يتكلم به

(۲) ردّالمحتار : ۴۲۹/۲

دو مرتبہ طلاقِ رجعی دینے کے بعد تیسری مغلظہ ہوگی

سوال : میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دی اور عدت کے اندر اس سے رجوع کرلیا، پھر کچھ عرصہ بعد اسی نیت سے طلاقِ رجعی دی اور عدت کے اندر رجوع کرلیا، اب کیا صورت ہوگی؟ کیا شوہر طلاقِ رجعی ایک ہی دفعہ دے سکتا ہے؟ (نادر خان، جدہ)

جواب : صریح الفاظ سے دو طلاق تک "طلاقِ رجعی" ہوتی ہے، چاہے یہ طلاق شوہر ایک ہی دفعہ دے یا مختلف اوقات میں (یعنی دو دفعہ) آپ نے چوں کہ دونوں مرتبہ ایک طلاقِ رجعی دی اور پھر عدت میں رجوع بھی کرلیا، لہٰذا یہ طلاقِ رجعی ہی تھی اور رجعت بھی درست تھی، لیکن اب اگر آپ کبھی اپنی بیوی کو طلاق دیں (چاہے کسی بھی نیت سے دیں) تو وہ طلاق مغلظہ ہو جائے گی، بیوی سے نہ رجعت درست ہوگی اور نہ دوبارہ نکاح جائز ہوگا جب تک شرعی حلالہ نہ ہو جائے، کیوں کہ شریعت نے شوہر کو صرف تین طلاق کا اختیار دیا ہے اور طلاق دے کر مدت کے اندر رجعت کرلینے سے طلاق کا اثر تو ختم ہو جاتا ہے، لیکن شوہر کے لیے دوبارہ اس کے استعمال کا حق واپس نہیں آتا، مثلاً شوہر بیوی کو ایک طلاق دے کر مدت ختم ہونے سے پہلے ہی رجعت کرلے تو بیوی تو اس کے لیے حلال ہو جائے گی، لیکن اس سے ایک طلاق کا حق ختم ہو جائے گا، آئندہ اسے صرف دو طلاق کا حق رہے گا، اسی طرح جب دوسری مرتبہ بھی ایک طلاق دے کر رجعت کرلے تو اب صرف ایک طلاق کا حق رہے گا اور پھر تیسری دفعہ بھی طلاق دیدے تو چوں کہ تین طلاقیں "طلاقِ مغلظہ" ہوتی ہیں، لہٰذا اس دفعہ بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگی، یعنی اس سے رجعت بھی درست نہ ہوگی اور دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا، تا آنکہ عورت دوسرے غیر محرم مرد سے نکاح نہ کرلے۔

اس مسئلہ میں قرآن کریم کی واضح ہدایت موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ." (۱)

---

(۱) بقرہ : ۲۲۹

"طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر (دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد دو اختیار ہیں، خواہ (یہ کہ رجعت کرکے عورت کو) قاعدہ کے مطابق رکھ لے، خواہ یہ کہ رجعت نہ کرے، عدت پوری ہونے دے اور اس طرح اچھے طریقے سے اس کو چھوڑ دے۔"

اس کے بعد دوسری آیت میں اسی سیاق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"پھر اگر (دو طلاقوں کے بعد) کوئی (تیسری) طلاق (بھی) دیدے تو پھر وہ عورت اس (تیسری طلاق دینے) کے بعد اس شخص کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک وہ اس خاوند کے سوا دوسرے شخص کے ساتھ (عدت کے بعد نکاح نہ کرے (اور اس سے صحبت نہ کرلے) پھر اگر دوسرا خاوند اس کو طلاق دے دے (اور اس کی عدت بھی گذر جائے) تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دوبارہ (آپس میں نکاح کرکے) بدستور پھر مل جائیں، بشرطیکہ دونوں کو یہ اعتماد ہو کہ آئندہ خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور یہ خداوندی ضابطے ہیں، حق تعالیٰ ان کو بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو دانش مند ہیں۔ (۱)

ارادہ اور تحریری ریکارڈ کے بغیر زبان سے طلاق

سوال: میں نے ایک دن گھریلو جھگڑے میں بیوی کو تین چار مرتبہ طلاق دی، لیکن کوئی کاغذی کارروائی نہیں کی، صرف زبان سے طلاق کے الفاظ نکالے، میرا ارادہ کوئی طلاق دینے کا نہیں تھا، اب میں اس بیوی کو دوبارہ نکاح میں لانا چاہتا ہوں، مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا بلا ارادہ زبان سے طلاق کے الفاظ نکالنے سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے؟

(صادق حسین شاہ، ریاض)

جواب: ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو سنجیدگی میں بھی واقع ہوتی ہیں اور مذاق میں بھی، نکاح، طلاق، عتاق (آزادی) (۲)

---

(۱) ترجمہ و خلاصۂ تفسیر از بیان القرآن (۲) ترمذی، حدیث نمبر ۱۱۸٤

لہٰذا بلاارادہ مذاق میں بھی بیوی کو طلاق دے دی جائے تو وہ طلاق شرعاً واقع ہوجاتی ہے، اس میں نیت کی ضرورت نہیں، البتہ کنایہ الفاظ سے نیت کے بعد طلاق پڑتی ہے، چنانچہ درّ مختار میں ہے:

" (کنایته) عند الفقهاء (ما لم یوضع له) أی الطلاق (و احتمله و غیره ف) الکنایات (لاتطلق بها) قضاءً (الابنیة أو دلالة الحال) و هی حالة مذاکرة الطلاق أو الغضب) " (۱)

"فقہاء کے نزدیک طلاقِ کنایہ وہ الفاظ ہیں جو طلاق کے لیے وضع نہ کیے گئے ہوں اور طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہوں، پس کنایات سے قضاءً طلاق واقع نہیں ہو گی، مگر یہ کہ طلاق کی نیت ہو یا دلالتِ حال ہو اور دلالتِ حال مذاکرۂ طلاق کی حالت ہے یا غضب کی حالت ہے۔"

مثلاً کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تم میکے چلی جاؤ یا آج سے میرے گھر میں قدم نہ رکھو، تم سے میرا کوئی تعلق نہیں وغیرہ تو اس طرح کے الفاظ طلاق کے ارادہ سے بولے جائیں تو ایک طلاقِ بائن واقع ہو گی اور اگر طلاق کا ارادہ نہ ہو طلاق نہیں ہو گی، لیکن طلاق کے صریح اور واضح الفاظ کے ذریعہ طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے، چاہے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو، تین طلاق کے بعد حلالۂ شرعی کے بغیر دوبارہ اسی عورت سے نکاح درست نہیں۔

بیوی کو بہن کہنا

سوال: دو آدمیوں کے درمیان رقم کے مسئلہ پر اختلاف ہو گیا، کچھ لوگوں نے آدھی رقم کا فیصلہ کیا، جس سے ایک پارٹنر کے بہنوئی نے اختلاف کیا اور فیصلہ ماننے سے انکار کیا اور مخالف پارٹنر سے حلفیہ کہا کہ میں پوری رقم وصول کر کے رہوں گا، یہاں نہیں تو اپنے گاؤں میں

---

(۱) ابن ماجه عن أبی هریرةؓ، باب من طلق أو نکح أو راجع لاعبا

،اگر وصول نہیں کیا تو اپنی بیوی کو بہن کہہ دوں گا؛ کیا اس طرح کہنے سے اس شخص کی بیوی کو طلاق واقع ہو گئی؟

(فضل خالق، ریاض)

جواب : بیوی کو بہن کہنا مکروہ ہے، ابو داؤد کی ایک روایت میں رسول کریم ﷺ سے اس کی ممانعت اور ناپسندیدگی منقول ہے،(۱) تاہم اس سے بیوی حرام نہیں ہوتی، ہاں اگر کوئی شخص بیوی کو ماں بہن سے تشبیہ دے مثلاً یہ کہے کہ تم میری ماں کی طرح ہو یا بہن کی طرح ہو وغیرہ تو اس طرح کے الفاظ میں کہنے والے کی نیت طلاق دینے کی ہو تو اس سے ایک طلاقِ بائن واقع ہو جائیگی اور اگر ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہوگا، یعنی کفارۂ ظہار ادا کرنے تک بیوی اس شخص پر حرام رہے گی، اس سے وہ صحبت نہیں کر سکتا، تاہم سوال میں جو جملہ مذکور ہے، اس سے تو طلاق کسی صورت میں نہیں پڑتی، کیوں کہ اس شخص نے زمانہ مستقبل کا صیغہ استعمال کیا ہے، یعنی "اگر رقم وصول نہیں کیا تو بیوی کو بہن کہہ دوں گا" اگر اس کو طلاق کے معنی میں بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں نے مکمل رقم وصول نہیں کیا تو اپنی بیوی کو طلاق دے دونگا، "طلاق دے دونگا" کے لفظ سے بیوی پر طلاق نہیں پڑتی، بلکہ طلاق دیا یا بیوی کو طلاق ہے وغیرہ الفاظ سے طلاق پڑتی ہے، اب اگر وہ شخص اپنے پارٹنر سے رقم مکمل وصول نہ کر سکے یا اپنی غلطی ہو اور فیصلہ بدل دے تو اسے چاہیے کہ بیوی کو طلاق نہ دے بلکہ قسم توڑنے کا کفارہ ادا کردے اور یہ کفارہ بھی احتیاطا ہے، کیوں کہ جب اس نے یہ کہا کہ بیوی کو بہن کہہ دوں گا تو یقیناً اس کی مراد یہی رہی ہوگی کہ بیوی کو طلاق دے دونگا، جیسا کہ قرینہ سے بھی معلوم ہو رہا ہے، ورنہ لفظی اعتبار سے اگر وہ طلاق کی نیت کے بغیر بیوی کو صرف یہ کہے کہ "تم میری بہن ہو" تو قسم بھی پوری ہو جائے گی اور طلاق بھی نہ پڑے گی۔

تین ماہ بعد دوسری طلاق

سوال : میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، جو کہ اپنی مرضی سے نہیں،

---

(۱) ترجمہ و خلاصۂ تفسیر از بیان القرآن (۲) ترمذی، حدیث نمبر : ۱۱۸٤

یہ سب کام میری ساس کا ہے، لڑکی ان کے گھر ہے اور ان کے بار بار اصرار پر میں نے یہ کام کیا ہے، پھر میں نے ایک طلاق ایک دفعہ اور دوسری تین ماہ کے بعد روانہ کر دی، میں نے ایک ایک کاغذ اس لیے روانہ کیا کہ ہو سکتا ہے وہ اپنی رائے بدل دیں اور میرے ساتھ رابطہ کریں، لیکن ایسا نہیں ہوا، ابھی تیسری طلاق کا وقت باقی ہے، تین ماہ نہیں ہوئے اور وہ میں اس لیے نہیں روانہ کروں گا کہ میرا زیور اور میری طرف سے جو سامان ہے وہ سارا ان لوگوں کے پاس ہے اور ان لوگوں نے شادی میں لڑکی کو بھی کوئی چیز نہیں دی تھی، میں نے مہر بھی نکاح کے وقت ہی ادا کر دیا تھا، ادھر میں نے اپنی دو عدد طلاق روانہ کی ہیں اور ہم نے عدالت سے طلاق نامہ کا سرٹیفکیٹ لے لیا ہے، اب آپ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں، میں نے اس کو کہا کہ میں نے تو دو عدد کاغذ روانہ کیے ہیں، ابھی تیسرا کاغذ میں نے نہیں دیا، وہ اس لیے کہ میرا زیور اور تمام کپڑے آپ لوگوں کے پاس ہیں تو اس نے جواب دیا کہ آپ امی سے بات کریں۔

آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ دو عدد طلاق پر عدالت سرٹیفکیٹ کیسے دے سکتی ہے؟ جب کہ ابھی تیسری طلاق کا وقت بھی باقی ہے، ابھی تین ماہ مکمل نہیں ہوئے تو کیا کوئی عدالت طلاق واقع کر سکتی ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

(محمد اسلم، جدہ)

جواب: آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ تین مرتبہ طلاق دینے ہی سے طلاق پڑتی ہے، بلکہ یہ تو طلاق کا آخری درجہ ہے، صحیح اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ پاکی کی حالت میں ایک طلاق دی جائے پھر عدت گزرنے کے بعد بیوی خود بخود الگ ہو جائے گی اور شرعاً وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی جائے تو عدت کے اندر شوہر کو رجعت یعنی بیوی کو لوٹانے کا حق برقرار رہتا ہے اور عدت گزر جائے تو اسی عورت

سے دوبارہ نکاح بھی ہو سکتا ہے، تین طلاق کی صورت میں عدت میں رجعت کا اختیار نہیں رہتا اور حلالہ شرعی کے بغیر تجدید نکاح بھی ممکن نہیں، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

" إذا كان الطلاق بائنا دون الثلث فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها ...... و إن كان الطلاق ثلثا في الحرة أو ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ، ثم يطلقها أو يموت عنها . " (١)

"اگر طلاقِ بائنہ ہو یعنی تین سے کم طلاق دیا ہو تو اس کو اختیار ہے کہ عدت کے اندر یا عدت ختم ہونے کے بعد اس سے نکاح کرلے اور اگر آزاد عورت کو تین طلاق دیا ہو یا باندی ہو تو دو طلاق دیا ہو، ایسی صورت میں اس سے دوبارہ نکاح درست نہیں، تا آنکہ دوسرے مرد سے نکاحِ صحیح کر کے دخول نہ ہو جائے، پھر دوسرا مرد اس کو طلاق دے یا وہ مر جائے۔"

ایک طلاق دینے کی صورت میں عدت گزرنے سے پہلے مثلاً دوسرے مہینہ میں یا تیسرے ماہ کے شروع میں شوہر مزید طلاق دیدے تو وہ بھی معتبر ہوں گی، لیکن عدت گزرنے کے بعد نہ طلاق کا اعتبار ہوگا اور نہ رجعت کا، کیوں کہ عدت گزرتے ہی شرعاً دونوں کے درمیان ازدواجی رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور دونوں میاں بیوی برقرار نہیں رہتے۔ آپ نے جب بیوی کو ایک طلاق دی اور اس کے تین ماہ بعد دوسری طلاق دی تو اگر اس تین ماہ کے عرصہ میں اس کی عدت گزر چکی ہو (یعنی اسے تین حیض آچکے ہوں یا حمل کی صورت میں وضع حمل ہو گیا ہو) تو آپ کی دوسری طلاق کا بھی شرعاً کوئی اعتبار نہیں، ایک طلاق ہی سے آپ دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح ختم ہو چکا، البتہ باہمی رضامندی سے آپ دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، پھر جو چیزیں آپ نے نکاح کے موقع پر بیوی کو دی ہیں وہ تو بیوی ہی کی ہوں گی، اس کے علاوہ اشیاء آپ واپس لے سکتے ہیں، نیز ایک طلاق پر بھی عدالت سرٹیفکیٹ دے سکتی ہے اور یہ

---

(١) هداية : ٣٧٩/٢

بھی آئندہ نزاع سے بچنے کے لیے ہے، ورنہ شوہر کے طلاق دینے کے بعد رشتۂ نکاح ختم ہو جاتا ہے، چاہے عدالت سے سرٹیفکیٹ نہ ملے۔

عدالت کے ذریعہ طلاق کی حیثیت

سوال : میں ایک عرصہ سے لندن میں مقیم ہوں، تھوڑی مدت کے لیے جدہ آیا ہوں، ایک مسئلہ یہ حل طلب ہے کہ ہمارے پڑوس کی لڑکی کی شادی ان کی اور ان کے اہل خانہ کی مرضی سے ہوئی، کچھ عرصہ تک میاں بیوی بہت خوش تھے، پھر لڑکا لڑکی کو طرح طرح کی اذیت دینے لگا، بات کورٹ تک پہنچی اور برطانوی کورٹ نے معاملہ طلاق پر ختم کیا، کورٹ سے طلاق حاصل ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر گیا، لڑکی نے ابھی تک دوسری شادی نہیں کی، کیوں کہ لڑکے کا اصرار ہے کہ میں نے تمہیں اردو میں طلاق نہیں دی، لہٰذا تم ابھی بھی میری بیوی ہو، جب لڑکے اور لڑکی کے کورٹ میں طلاق کے کاغذات پر دستخط موجود ہیں؛ کیا شرعاً یہ طلاق ہو گئی؟ اور لڑکی اب دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ لڑکے نے خفیہ طور پر دوسری شادی کر لی ہے؟

(محمد اسحاق، جدہ)

جواب : نکاح وطلاق کے صحیح ہونے کے لیے کسی خاص زبان کے الفاظ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ عربی، اردو، انگریزی، فارسی، ہندی وغیرہ دنیا کی کسی بھی زبان میں سے نکاح و طلاق کا انعقاد ہو جاتا ہے، بشرطیکہ وہ الفاظ نکاح و طلاق کے مفہوم میں واضح ہوں، طلاق کے لیے کسی زبان کا ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو خاص اسی مفہوم کو ادا کرتا ہو اور اس کو بولنے کے بعد کسی اور طرف ذہن جاتا ہی نہ ہو، تو ایسے الفاظِ صریح سے طلاقِ رجعی واقع ہو گی، چاہے شوہر کے طلاق دینے کی نیت نہ ہو اور اگر ایسے الفاظ سے طلاق دی جائے جو طلاق کے علاوہ دوسرے مفہوم کا بھی احتمال رکھتے ہوں تو ایسی صورت

میں نیت کے ساتھ طلاقِ بائن واقع ہو گی، یعنی عدت کے اندر شوہر کے لیے رجعت درست نہ ہو گی، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

" و الاصل الذی علیه الفتویٰ فی زماننا هذا فی الطلاق بالفارسیة أنه إذا کان فیها لفظ لایستعمل إلا فی الطلاق فذلك اللفظ صریح یقع به الطلاق من غیر نیة إذا أضیف إلی المرأة و ما کان بالفارسیة من الالفاظ ما یستعمل فی الطلاق و فی غیره فهو من کنایات الفارسیة فیکون حکمه حکم کنایات العربیة فی جمیع الاحکام . " (۱)

" فارسی الفاظ سے طلاق دینے کی صورت میں جس بنیادی ضابطہ پر ہمارے زمانہ میں فتویٰ ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس میں ایسا لفظ ہو جو صرف طلاق و جدائی ہی کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہو تو وہ لفظ صریح ہوگا اور اس سے کسی طرح کی نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی، بشرطیکہ عورت کی طرف طلاق کی نسبت کر کے وہ جملہ کہا گیا ہو اور ایسے فارسی الفاظ جو طلاق اور غیر طلاق دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہوں تو وہ کنایاتِ طلاق میں سے ہیں، اس کے وہی احکام ہوں گے جو عربی زبان کے کنائی الفاظ کے ہیں۔"

صورتِ مسئولہ میں چوں کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی اور طلاق کے کاغذات پر دستخط کر دیئے، لہٰذا شرعاً یہ طلاق معتبر ہے اور چوں کہ لڑکی کی عدت بھی گزر گئی (جیسا کہ غالب گمان ہے) لہٰذا وہ کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، شوہر کی اس بات کا کوئی اعتبار نہیں کہ میں نے اردو میں طلاق نہیں دی تھی، لہٰذا تم ابھی میری بیوی ہو۔

کیا نکاح ٹوٹ گیا؟

سوال : کیا سالی (بیوی کی بہن) کے ساتھ ناجائز تعلقات سے بیوی

(۱) ھندیه : ۱/ ۳۷۹

کے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ میرے ایک دوست سے یہ غلطی ہو گئی، کسی نے اسے بتادیا کہ اس سے تمہارا نکاح ٹوٹ گیا، کیا واقعی نکاح ٹوٹ گیا؟ نیز اگر کسی نے شادی سے قبل کسی عورت سے زنا کیا پھر بعد میں اسی عورت کی بہن سے نکاح ہو گیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

(ایک سائل، جدہ، محبوب حسین، قصیم، محمد صادق، فضل احمد، الرس)

جواب : زنا بہت بڑا گناہ اور شدید جرم ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت میں شادی شدہ زانی وزانیہ کی سزا سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ زانی وزانیہ کی سزا سو کوڑے لگانا مقرر کی گئی ہے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن کے ساتھ اس جرم کا ارتکاب کرے تو یہ شدید جرم ہے تاہم اس سے میاں بیوی کے درمیان نکاح نہیں ٹوٹتا ہے، اسی طرح کوئی مرد کسی عورت سے شادی سے قبل زنا کرے پھر اس کی بہن سے نکاح کرلے تو اس کا یہ نکاح بھی درست ہوگا۔ یہ مسئلہ تقریباً ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے کہ زانیہ کی بہن سے نکاح جائز ہے اور اسی طرح سالی سے زنا کی وجہ سے بیوی سے نکاح منقطع نہیں ہوتا، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زانیہ پر کوئی عدت زنا کی وجہ سے لازم نہیں، اس لیے زنا کے بعد زانیہ کی بہن سے فوراً نکاح بھی ہو سکتا ہے اور سالی سے زنا کی صورت میں بیوی سے تعلق کچھ عرصہ کے لیے بھی حرام نہیں ہوتا، لیکن امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک زانیہ پر بھی عدت گزارنا ضروری ہے، لہٰذا ان کے نزدیک زانیہ کی بہن سے نکاح اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ زانیہ کی عدت نہ گزر جائے، کیوں کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا حرام ہے، جب زانیہ زنا کی وجہ سے عدت میں ہے تو گویا وہ بیوی کے حکم میں ہے، لہٰذا زانی کے لیے اس کی یعنی زانیہ کی بہن سے نکاح جائز نہیں، جب تک کہ زانیہ کی عدت نہ گزر جائے، ورنہ اس صورت میں بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا لازم آئے گا۔ مشہور حنبلی عالم ابن قدامہؒ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں: ''اگر کسی مرد کی بیوی زنا کرے یا اس کا شوہر زنا کرے تو اس زنا کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، چاہے یہ ارتکاب میاں بیوی کی درمیان یکجائی

سے پہلے ہو یا بعد میں۔ یہی عام اہل علم کا مسلک ہے، جن میں عطاءؒ، نخعیؒ، ثوریؒ، شافعیؒ اور اصحاب الرای شامل ہیں۔"(۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: "اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرلے تو اس شخص کے لیے جائز نہیں کہ اس کی بہن سے نکاح کرے یہاں تک کہ اس کی (زانیہ کی) عدت گزر جائے اور اگر اپنی بیوی کی بہن سے زنا کرے تو امام احمد نے کہا کہ وہ شخص اپنی بیوی سے تعلق و صحبت قائم نہ کرے یہاں تک کہ اسے (اس کی بہن کو) تین حیض نہ آجائیں(۲)۔ کافی عرصہ قبل اس سوال کے جواب پر بعض احباب کو اطمینان نہ تھا، ان کی تشفی کے لیے حوالہ کے ساتھ یہ مختصر سی وضاحت ہم نے کر دی۔

تجدید نکاح

سوال: اگر کسی صاحب نے عمداً یا سہواً کوئی کفریہ کلمہ زبان سے نکالا تو کیا اس صورت میں اس کی بیوی اس کے نکاح میں باقی رہے گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس سے دوبارہ نکاح کے لیے کیا حلالہ کی بھی ضرورت پڑے گی؟

(محمد مستقیم، الحساء)

جواب: اگر کوئی شخص عمداً کفریہ کلمات زبان سے ادا کرے یا ایسا کوئی عمل کرے جس سے آدمی دین سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہو تو اس کے ساتھ ہی اس کا نکاح بھی ٹوٹ جائے گا، تجدیدِ ایمان کے ساتھ نکاح کی تجدید بھی کرنا ہو گی، البتہ اس کے لیے حلالہ کی ضرورت نہیں اور نہ ہی عدت ختم ہونے کا انتظار ضروری ہے، البتہ اگر شوہر اسی کفر و ارتداد کی حالت پر برقرار رہے تو بیوی عدت گزار کر کسی دوسرے مسلم مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

کیا طلاق واقع ہو گئی؟

سوال: ایک شخص بیرونِ ملک ہے اور اس کی بیوی گاؤں میں گھریلو

---

(۱) المغنی: ۵۰۵/۷ (۲) المغنی: ۵۰۱/۷

جھگڑے میں قسم کھالے کہ میرا شوہر واپس آئے تو میں اس سے طلاق لوں گی؛ کیا یہ عورت اپنے شوہر کے لیے مطلقہ ہو جائے گی؟

(عبدالرشید، تبوک)

جواب: اس طرح بیوی مطلقہ نہیں ہوتی، کیونکہ طلاق کا اختیار شرعاً بیوی کو نہیں بلکہ شوہر کو ہے، بیوی خود اپنے آپ کو طلاق دے لے تب بھی طلاق نہیں پڑتی، تاہم چونکہ بیوی نے مطالبۂ طلاق کی قسم کھائی ہے کہ میں شوہر سے طلاق لوں گی اور بغیر عذرِ شرعی کے طلاق کا مطالبہ سخت گناہ ہے اور حدیث میں ایسی عورت کے لیے بڑی وعید آئی ہے۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی مروی ہے، آپؐ نے فرمایا: "جو عورت بلا ضرورت اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے"،(۱) لہٰذا ایسی عورت کو چاہیے کہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیے بغیر قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دے، اگر واقعی مجبوری اور عذر ہے تو طلاق کا مطالبہ درست ہے۔

تم سے مجھ پر طلاق ہے

سوال: میں نے کئی مرتبہ اپنی بیوی سے کہا کہ تم سے مجھ پر طلاق ہو، کیا اس طرح سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

(ایک سائل، تبوک)

جواب: جی نہیں! اس جملہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ اگر کہے کہ تم سے میں جدا ہوں یا میں تم پر حرام ہوں تو اس سے طلاقِ بائنہ واقع ہو جائے گی، ہدایہ میں ہے:

" من قال لامرأته أنا منك طالق فليس بشئ و إن نوىٰ طلاقا ، و لو قال أنا منك بائن أو عليك حرام ينوى الطلاق فهى طالق . " (۲)

"جو شخص اپنی بیوی سے "أنا منك طالق"، (مجھ کو تمہاری طرف سے طلاق ہے) کہے، تو اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا اگرچہ اس نے

---

(۱) ابن ماجه عن ثوبان ، باب كراهية الخلع للمرأة ، كتاب الطلاق (۲) هداية : ۲/ ۳٤٦

طلاق کی نیت کی ہو اور اگر "أنا منك بائن"، (میں تم سے بائن (جدا) ہوں) یا "أنا علیك حرام"، (میں تم پر حرام ہوں) کہے اور اس سے اس کی نیت طلاق کی ہو، تو اس کو طلاق پڑ جائے گی۔"

طلاق یا مصالحت

سوال: تقریباً سترہ سال قبل میرے بڑے بھائی کی شادی اپنے ہی خاندان میں ہوئی، مگر صرف دو یا تین ماہ بیوی سسرال میں رہی پھر واپس میکے چلی گئی، تقریباً پانچ سال لڑکی والوں سے مصالحت کی کوشش کی گئی، لیکن انہوں نے نہ مانا، پانچ سال بعد میرے بھائی نے ان سے کہا کہ آپ لوگ ہمارا زیور واپس کر دیں اور طلاق لے لیں، لیکن ان کا جواب تھا کہ نہ ہی طلاق لیں گے اور نہ زیور واپس کریں گے، اگر ہمت ہو تو دوسری شادی کر لو، ہم لوگوں نے بھائی کی دوسری شادی کر دی، شادی سے قبل بھائی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی، ایسی صورت میں میرے بھائی پر کوئی گناہ یا کفارہ تو نہیں اور کیا اب یہ بہتر رہے گا کہ زیور کا مطالبہ کیے بغیر اس کو طلاق دے دیں؟

(خورشید احمد، جدہ)

جواب: آپ کے بھائی اور آپ سب نے بقول آپ کے پوری کوشش کی کہ بات بن جائے اور آپ کے بھائی کا گھر آباد رہے، لیکن دوسری طرف سے غالباً یہ نہیں سوچا گیا، حالانکہ لڑکی والوں کو عموماً زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے اور تحمل سے کام لینا پڑتا ہے، آپ کے بھائی نے دوسری شادی کر کے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی، مرد اگر انصاف و عدل سے کام لے تو اسے ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت ہے، اگر اب بھی صلح ہو سکتی ہے تو بہتر یہی ہے کہ آپ کے بھائی اپنی پہلی بیوی کو بھی اپنے نکاح ہی میں رکھیں اور اگر لڑکی والے طلاق لینے پر مصر ہوں تو کسی چیز کے مطالبہ کے بغیر طلاق دیدیں۔

مروجہ حلالہ کرنے والا ملعون ہے

سوال : زید اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، بعد ازیں سابقہ بیوی کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے، پہلے زید کی سابقہ بیوی کا نکاح ایک دوسرے شخص سے ہوتا ہے بعد میں وہ اس کو طلاق دیتا ہے، پھر زید سابقہ بیوی کو نکاح میں لاتا ہے، اس کو حلالہ کہتے ہیں؛ اسلام میں اس طرح کے حلالہ کی کیا حیثیت ہے؟

(عبدالقیوم، عفراء)

جواب : "حلالہ" ایک فقہی اصطلاح ہے، حلالہ کی اصطلاحی تعبیر گو کہ قرآن میں مذکور نہیں، لیکن اس کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے، تین طلاق کے بعد عورت شوہر پر حرام ہو جاتی ہے، دوبارہ ان کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد سے نہ ہو اور وہ صحبت و تعلق کے بعد طلاق دیدے پھر عورت کی عدت گزر جائے تو وہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، سورۃ البقرہ میں اس کا ذکر موجود ہے، ارشاد ہے: "(دو طلاق کے بعد) پھر اگر وہ (تیسری) طلاق دے تو وہ عورت اس (شوہر) کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے، پھر اگر وہ طلاق دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ دونوں (یعنی وہ عورت اور سابقہ شوہر) لوٹ جائیں (یعنی نکاح کر لیں) اگر انہیں یہ خیال ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے" (۱) پہلے شوہر کی حلت کے لیے دوسرے شوہر کا بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے۔ (۲) البتہ اسی شرط پر اور اسی مقصد سے نکاح کرنا صحیح نہیں، احادیث میں ایسے شخص کے لیے رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، (۳) گویا کہ مروّجہ حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں بزبانِ رسول اللہ ﷺ ملعون ہیں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ : آیت ۲۳۰ / ۲۲۹ (۲) ابن ماجه عن عائشةؓ ، باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً فتزوج فيطلقها قبل أن يدخل بها الخ ، كتاب النكاح (۳) (ابن ماجه عن ابن عباس ، باب المحلل و المحلل له ، كتاب النكاح

(۳) هدايه : ۳۷۹/۲ ، فصل فيما تحل به المطلقة

رجعت کا طریقہ

سوال: آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ بیوی کو بار بار طلاق کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے؟ اگر دوبارہ بیوی سے رجوع کرنا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہوگا؟

(ایک سائل، تبوک)

جواب: طلاقِ رجعی یعنی صریح الفاظِ طلاق کے ذریعہ طلاق دینے کی صورت میں عدت کے اندر بیوی سے صحبت کر لینے سے رجعت ہو جاتی ہے، عذر اور مجبوری کی صورت میں صرف زبانی اظہار بھی رجعت کے لیے کافی ہے، یعنی صرف یہ کہنا بھی کافی ہے کہ میں طلاق سے رجعت کرتا ہوں یا تمہیں دی گئی طلاق کو میں واپس لیتا ہوں وغیرہ، لیکن رجعت صرف عدت کے اندر ہو سکتی ہے، عدت کے بعد نکاح کی تجدید ضروری ہے، نیز دو طلاقِ رجعی ہی تک رجعت جائز ہے، طلاقِ بائن یا مغلظہ میں رجعت درست نہیں، طلاقِ بائن میں تجدیدِ نکاح ہو سکتا ہے اور طلاقِ مغلظہ میں شرعی حلالہ کے بغیر نکاح بھی جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

" و إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها ...... و إن كان الطلاق ثلاثا في الحرة أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها . " (۱)

"اگر طلاقِ بائن یعنی تین سے کم طلاق دیا ہو تو وہ اس سے عدت میں بھی نکاح کر سکتا ہے اور عدت کے بعد بھی اور اگر آزاد عورت کو تین طلاق یا باندی کو دو طلاق دیا ہو تو وہ اس کے لیے حلال نہیں، تاآنکہ دوسرے مرد سے نکاحِ صحیح کر کے دخول نہ کر لے، اس کے بعد وہ اس زوجِ ثانی کی وفات ہو جائے۔"

---

(۱) هدايه : ۲/ ۳۷۹ ، فصل فيما تحل به المطلقة

مشترکہ فیملی اور اسلام

سوال: میں ہندوستان کے ایک شہر بھٹکل کا رہنے والا ہوں، ہمارے یہاں ۲۵، ۳۰ سال قبل ایک ایک گھر میں تین تین، چار چار خاندان مل کر رہتے تھے، شاید اس کی وجہ معاشی تنگی رہی ہو یا پھر کچھ اور، اس وقت اگر کسی کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تو عدت گزارنے کے لیے عورت کو ایک چارپائی پر قید کیا جاتا، وہ خود اپنے آپ کو چھپا لیتی تھی یا پھر بیڈ روم میں پڑی رہتی تھی، یہاں تک کہ کھڑکی بھی بند، تاکہ سورج کی روشنی نہ پڑے یا پھر غلطی سے کوئی نہ جھانکے، گھر کے کسی فرد (جس سے پردہ واجب ہے) کی موجودگی میں رفع حاجت کے لیے باہر بھی نہیں نکلتی تھی، اسی لیے رات کے اندھیرے میں اپنی ضروریات پوری کرتی، غیر محرم سے پردہ تو اسلام کا حکم ہے چاہے کسی کے شوہر کا انتقال ہو یا نہ ہو، لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے، رشتہ کے بھائی، چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد یا پھر خالہ زاد سے پردہ بالکل نہیں، لیکن جب شوہر کا انتقال ہو جائے تو صرف چار مہینے دس دن ان کی آواز سے بھی پردہ کرتی ہیں، یہ سلسلہ آج بھی چلا آرہا ہے، جب کہ آج ایک ایک فیملی کا اپنا الگ گھر ہے، یہ صحیح ہے یا غلط، قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں، نیز یہ بھی کہ ایام عدت میں عورت اپنے رشتہ کے بھائی جو اوپر مذکور ہیں، سے بات کر سکتی ہے یا نہیں؟

(محمد عرفان کمشٹے، الجبیل)

جواب: عدت کے سلسلے میں جن رسوم کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کا شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کوئی تعلق نہیں، کچھ اسی طرح کا رواج زمانۂ جاہلیت میں بھی تھا اور آج بھی ہندوؤں میں پایا جاتا ہے، اہل اسلام کو اس طرح کے ناجائز رسوم و رواج سے دور رہنا چاہیے، شرعاً عدت میں عورت کے لیے گھر سے باہر جانا، زیب وزینت کی چیزیں استعمال کرنا حرام ہے، اسی طرح عدت گزرنے تک عورت دوسرے مرد

سے نکاح بھی نہیں کر سکتی، عدتِ وفات چار ماہ دس دن ہے، جیسا کہ سورہ البقرہ کی آیت: ۲۳۴ میں صراحت ہے، ان چار ماہ دس دن میں عورت کو شوہر والی عورتوں کی طرح زیبائش و آرائش کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے، جیسے زیور پہننا، خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، سر میں تیل ڈالنا یا کنگھی کر کے مانگ نکالنا وغیرہ، ہاں اگر کوئی عذر و مجبوری ہو جیسے سر میں درد ہو جائے یا جوئیں پڑ جائیں تو سر میں تیل ڈالنے یا کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ خوشبودار تیل استعمال نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح شدید ضرورت و مجبوری کی صورت میں دن میں گھر سے باہر بھی جانے کی اجازت ہے، فتاویٰ کی شہرۂ آفاق کتاب "عالمگیری" میں ہے:

" على المبتوتة و المتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد في عدتها كذا في الكافي ، و الحداد الاجتناب عن الطيب و الدهن و الكحل و الحناء و الخضاب و لبس المطيب و المعصفر و الثوب الاحمر و ما صبغ بزعفران إلا إذا كان غسيلا لاينفض و لبس القصب و الخز و الحرير و لبس الحلي و التزين و الامتشاط ، كذا في التاتار خانية ...... و إنما يلزمها في حالة الاختيار ، أما في حالة الاضطرار فلابأس بها إن اشتكت رأسها أو عينها فصبت عليها الدهن أو اكتحلت لاجل المعالجة فلابأس به و لكن لاتقصد به الزينة ، كذا في المحيط . " (١)

" مطلقہ بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا پر عدت کے دوران سوگ منانا واجب ہے، اگر عورت بالغہ ہو اور مسلمان ہو، سوگ منانا یہ ہے کہ خوشبو، تیل، سرمہ، مہندی، خضاب، خوشبودار، زرد رنگ دار، سرخ کپڑے، زعفران سے رنگے ہوئے کپڑوں کے استعمال سے اجتناب کرے۔

---

(١) هندية : ١/ ٥٣٣

عورت کو یہ تمام پابندیاں حالتِ اختیار میں ضروری ہیں، البتہ مجبوری کی حالت میں مثلاً سر درد ہو، اس لیے تیل ڈال لے یا آنکھ میں درد ہو تو علاج کے لیے سرمہ لگالے، ان ناگزیر حالات میں تیل وغیرہ کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں، تاہم ان صورتوں میں بھی دفع ضرر مقصود ہو، زینت و آرائش پیش نظر نہ ہو۔"

اسی طرح نہانے دھونے، بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور بات کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہے، رشتہ کے بھائیوں سے بھی ایام عدت میں بات چیت جائز ہے، البتہ ان سے پردہ جس طرح عام دنوں میں ضروری ہے، اسی طرح ایامِ عدت میں بھی ضروری ہے، نیز عدت کی وجہ سے محرم مردوں سے پردہ ضروری نہیں ہوتا اور نہ ان سے کلام، بات چیت حرام ہوتی ہے، یہ سب غلط رسوم و رواج ہیں۔

مطلقہ کے لیے عدت اور مہر

سوال : زید نے اپنی بیوی کو مباشرت سے قبل ہی طلاق دے دی، کیا اس عورت پر عدت اور اس کا مہر ہے؟ اس مسئلے کی تفصیل کیا ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

(عرفان حیدر قادری، مدینہ منورہ)

جواب : طلاق جائز و حلال ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اگر طلاق ناگزیر نہ ہوتی تو یہ کبھی بھی جائز نہ ہوتی، رسولِ کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: حلال (اور جائز) چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند چیز طلاق ہے،(۱) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو طلاق سخت ناپسند ہے، شیطان اور جادوگر طلاق کا حکم دیتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک (سورۃ البقرہ، آیت: ۱۰۲) میں ہے: "طلاق چونکہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے (الا یہ کہ اس کی اشد

---

(۱) ابن ماجہ عن عمرؓ ابواب الطلاق – تا ہم یہ حدیث ضعیف ھے

ضرورت ہو) لہٰذا سورۃ البقرۃ آیت: ۲۳۷-۲۳۶ میں جب اس اہم مسئلے کو بیان کیا تو آغازِ آیت حرف "اِن" سے ہوا، جو کہ کسی کام کے وقوعِ یقینی پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ کسی بات کے احتمال اور مفروضہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، مثلاً یہ کہا جائے کہ اگر تم نے یہ کام کیا تو تمہارا بدلہ یوں ہوگا، آیت ۲۳۶ کے آغاز میں کلماتِ ربانیہ کا ترجمہ یوں ہوگا: "تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں اگر تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دی" اور آیت ۲۳۷ کے ترجمہ کا آغاز یوں ہوگا "اور اگر تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی" یہی مفہوم آیت ۲۳۰ میں بھی موجود ہے۔

جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی طلاق، عدت اور مہر وغیرہ کے بارے میں تفصیل یہ ہے:

(۱) اگر کسی عورت کو طلاق دی گئی اور اسے ماہواری آتی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں، یہ بات سورۃ البقرۃ : آیت ۲۲۸ میں فرمائی گئی ہے۔ (۲) جس عورت کو کم عمری یا بڑھاپے کی وجہ سے ماہواری نہیں آتی اس کی عدت تین ماہ ہے، جیسا کہ سورۃ الطلاق آیت: ۴ میں ارشاد ہے۔ (۳) جو عورت امید سے ہو، اس کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ سورۃ الطلاق آیت: ۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ (۴) وہ عورت جس سے مباشرت نہ ہوئی ہو اور اس سے پہلے ہی طلاق ہو جائے، ایسی عورت کے عدت نہیں ہے، وہ طلاق کے بعد کسی بھی وقت اور کسی بھی دن نکاح کر سکتی ہے، سورۃ احزاب آیت: ۴۹ میں یہی مسئلہ بیان ہوا ہے۔ ایسی عورت کے مہر کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت صراحتاً مہر کا ذکر نہیں ہوا اور نکاح کے بعد فوراً طلاق ہو گئی تو شوہر پر مہر واجب نہیں ہے کہ مہر تو ابھی مقرر ہی نہیں ہوا یا صراحتاً مہر کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا گیا، البتہ ایسی عورت کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا جائے جو مہر کی کمی کو پورا کر دے۔ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۶ میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس قسم کی خواتین کو کچھ نہ کچھ ضرور دیں۔ (۵) وہ عورت جس کا مہر مقرر تھا اور مباشرت سے قبل طلاق ہو گئی ایسی عورت کو آدھا مہر دیا جائے گا، البتہ

سورۃ البقرۃ آیت: ۲۳۷ میں شوہر کو رغبت دلائی گئی ہے کہ وہ حسن سلوک اور نیکی کے طور پر پورا مہر دیں۔

مہر کے بارے میں سورۃ البقرۃ آیت: ۲۳۷ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ نکاح کے وقت صراحتاً مہر کا ذکر نہ ہونے کی صورت میں طلاق کے وقت یا طلاق کے بعد مہر مقرر نہیں ہوگا، لیکن شوہر اپنی حیثیت کے مطابق ایسی عورت کو مہر کے بدلے کچھ نہ کچھ ضرور دے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ مہر مقرر ہو چکا تھا اور صحبت سے قبل طلاق ہو گئی، اس صورت میں یہ عورت آدھے مہر کی حقدار ہے، البتہ شوہر سے کہا گیا ہے کہ وہ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورا مہر ادا کرے۔

تیسری صورت یہ ہے جو کہ عام صورت ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا اور نکاح کے بعد صحبت بھی ہوئی اور پھر اس کے بعد طلاق ہوئی، اس صورت میں ایسی عورت کو پورا مہر ملے گا، جیسا کہ سورہ احزاب آیت: ۴۹ میں ارشاد ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہوا اور اس کے بعد صحبت ہوئی پھر طلاق ہو گئی، ایسی عورت کو مہر ملے گا جس کو "مہر مثل" کہا جاتا ہے۔

قرآنی آیات عموماً تمام مسائل میں (خواہ وہ دائمی علاحدگی یعنی طلاق کی صورت ہی کیوں نہ ہو) مسلمان مرد و خواتین دونوں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے، طلاق و عدت کے مسائل میں مرد یعنی شوہر کو بار بار حسن سلوک، درگزر اور خوب نیکی و بھلائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ سورۃ البقرہ آیت: ۲۳۷ میں کہا جارہا ہے: "اور تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنا مت بھولو۔" یہاں لفظِ نیکی کو لفظِ الفضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے فرمایا: دو مسلمان اپنا جھگڑا ایک ثالث کے پاس لے گئے کہ ہمارے درمیان عدل سے فیصلہ کیجئے کہ ہم دونوں فلاں چیز پر دعویدار ہیں، امام غزالیؒ نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہارے درمیان عدل سے فیصلہ کروں یا تمہیں عدل سے بھی زیادہ اچھی بات بتادوں؟ یہ سن کر دونوں حیران ہوئے کہ کیا عدل سے زیادہ مفید اور بہتر چیز بھی کوئی ہے؟ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ عدل سے بھی

زیادہ بہتر چیز فضل ہے اور فضل یہ ہے کہ جس کسی کے حق میں عدل وانصاف سے فیصلہ ہو جائے وہ شخص اپنا حصہ اور اپنا حق اپنے بھائی کو دیدے۔


فالله خير حافظا

سوال و جواب

حصہ : چہارم

تیسرا باب

معاملات

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

آمدنی کے ناجائز ذرائع

سوال: آپ نے بار بار اپنے جوابات میں باربر (حجامت) کے پیشے کی کمائی کو حرام قرار دیا ہے، ہم جیسے لوگوں کے لئے اس سے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، لہٰذا آپ اس قسم کے اُلٹے سیدھے جواب نہ دیا کریں، اگر ہم یہ پیشہ چھوڑ دیں تو دوسرا کوئی اچھا کام کر نہیں سکتے تو ہم روزی کیسے کمائیں؟ (حامد وصی خان، ریاض۔ محمد نسیم آفریدی، بجر شی)

سوال: آپ نے بینک کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے، آپ کیوں نہیں سوچتے کہ اس قسم کے فتوے سے کتنے گھر متاثر ہو سکتے ہیں؟ فتویٰ دینے کے بجائے کوئی اور نعم البدل چیز ہمیں بتائیں کہ ہم کیا کریں؟ پھر آپ لوگ ہی یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کے ہر اچھے برے فیصلے پر ایمان لانا ضروری ہے تو جب ہماری تقدیر میں ہمارے لئے بینک کی ملازمت لکھ دی گئی ہے، اس لئے تو ہم یہ کام کر رہے ہیں ورنہ اور کوئی کام کرتے۔

(علی احمد بازید۔ جدہ، عارف اللہ قریشی۔ مدینہ منورہ، ارم کنول چغتائی۔ الراس)

جواب: جس طرح اللہ تعالیٰ خالق و مالک اور معبود حقیقی ہے اسی طرح وہ رب بھی

ہے اور رزاق بھی ہے اب ایسا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کو پالتا ہے اور رزاق ایسا کہ چیونٹی تک کو اور پتھروں کے اندر چھپی ہوئی چھوٹی سی مخلوق کو بھی رزق دیتا ہے، رزق کا انتظام اور ذمہ داری خود اس نے قبول کی ہے اور بندوں کو دنیا میں ظاہری جائز اور حلال اسباب و ذرائع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، قرآن پاک میں کثیر تعداد میں آیات اور احادیث مبارکہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کو رزق دیتا ہے اور وہ جس کے لئے چاہے جب بھی چاہے، جس طرح چاہے، رزق گھٹاتا بھی اور بڑھاتا بھی ہے، ہر وہ ذریعہ اور راستہ جو حلال اور جائز ہو، حرام اور خلاف شرع نہ ہو اس کے ذریعے سے رزق کمانا جائز ہے، البتہ وہ ذرائع اور اسباب جن کو شریعت نے حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، بحیثیت مسلمان بلا چوں چرا اور بلا بحث کئے ہمیں ان سے دور رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کی تقدیر میں کفر و شرک لکھا ہے اور نہ ہی کسی کے لئے حرام کمائی کے ذرائع والے پیشے اور ناجائز ملازمت لکھی ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے (یہ الگ بات ہے کہ)اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

کمائی اور آمدنی کے ذرائع کا حال اور معاملہ بھی تقریباً یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بندے کے لئے حرام کمائی کا پیشہ نہیں لکھا، نہ ہی تقدیر میں کسی مرد یا عورت کے لئے حرام کاری یا ناجائز کمائی لکھی ہے، بلکہ دنیا میں انسان کی آزمائش اور امتحان کے لئے جہاں نیکی اور برائی کا معاملہ رکھا گیا وہیں حلال اور حرام کمائی دونوں کے ذرائع بھی رکھے گئے اور پھر انسان کو آزادی اور قوت و طاقت دی گئی وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتا ہے آمدنی اور کمائی کے ناجائز ذرائع کو حرام یا ناجائز قرار دینا میرا یا کسی شخص کا ذاتی اجتہاد اور خیال نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔

سود اور اس کے لین دین کو قرآن میں حرام قرار دیا گیا ہے، جب کہ رسول

کریم ﷺ نے کسی بھی قسم کے سودی لین دین میں شرکت یا تعاون کو حرام قرار دیا ہے، بعض دوسری حرام کمائیوں کے ضمن میں ایک حدیث میں ارشاد ہے، "آپ ﷺ نے تین قسم کی کمائی سے (اور لین دین سے) منع کیا ہے: کتے کی خرید و فروخت کے پیسے، حرام کاری اور ناچ گانے والی عورت یا اس قسم کے لوگوں) کے پیسے اور نجومی و کاہن کے پیسے۔(۱)

کمائی اور آمدنی کے ذرائع کا حلال ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ انہی کے ذریعے سے انسان کما کر کھاتا پیتا ہے، اور غذا جسم میں پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ صرف عام لوگوں، بلکہ انبیاء علیہم السلام تک کو سخت تنبیہ کی ہے کہ وہ صرف حلال چیزیں ہی کھائیں، احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ انسان کی عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کا دار و مدار اس کی کمائی پر ہے، اگر جسم میں جانے والی غذا اور جسم پر اوڑھے ہوئے کپڑے حلال کمائی سے حاصل کئے گئے ہیں، تو عبادات اور دعائیں قبول ہوتی ہیں، حرام غذا اور حرام و لباس والا جسم لے کر اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو لاکھ پکارتا رہے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی پکار کبھی نہیں سنتا۔

انسان چونکہ فطرتاً جلد باز ہے جیسا کہ (سورۂ انبیاء-۳۷) میں ارشاد ہے لہٰذا اُسی جلد بازی کی وجہ سے عموماً یہ صبر نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال رزق کے ذرائع مل جانے سے قبل ہی ناجائز ذرائع آمدنی تلاش کر لیتا ہے، رسول کریم ﷺ کی ایک نہایت ہی اہم حدیث اس بارے میں قول فیصل ہے جس میں ارشاد فرمایا "روح القدس جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی (یعنی وحی کی) کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اس دنیا میں اس کی مدت اور اس کا رزق پورا نہ ہو جائے، لہٰذا تم لوگ اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں صحیح راہ اختیار کرو، رزق کی تنگی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ کی نافرمانی کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے لگو، بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ بھی ہے اسے اس کی اطاعت ہی کے ذریعے حاصل

---

(۱) ابن ماجه عن ابی مسعود ، باب النهی عن ثمن الكلب و مهر البغی الخ ابواب التجارات

کیا جا سکتا ہے۔(۱)

اگر آپ حضرات اللہ سے ڈر اور تقویٰ و پرہیز گاری کو اختیار کرتے ہوئے ناجائز ذرائع آمدنی کو ترک کردیں، تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ اپنے فضل اور خاص نصرت کے ذریعہ جائز ذرائع مہیا فرمادے اور اس جگہ سے روزی دے جہاں سے وہم و گمان بھی نہ کیا جا سکے، ارشاد باری ہے: من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب .(الطلاق: ۲، ۳)

جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے کشادگی پیدا فرمائے گا اور وہاں سے اس کو روزی دے گا جہاں سے وہ گمان بھی نہ کر سکے، یہاں ہم اس کی بھی وضاحت کردیں کہ باربر کا پیشہ فی نفسہ حرام یا ناجائز نہیں (جیسا کہ اس سے قبل ایک جواب میں ہم نے اس کی وضاحت کی تھی) بشرطیکہ اس کے ذریعہ ناجائز کام میں تعاون نہ کیا جائے۔

یکمشت اور اقساط کی خرید و فروخت میں قیمت کا تفاوت

سوال: کیا قسطوں پر نقد کے مقابلے میں زائد قیمت ادا کر کے سامان خریدا جا سکتا ہے اور کیا اس طرح پاکستان میں کسی انوسٹمنٹ کمپنی یا بینک کے ذریعہ قسطوں پر کار خریدی جا سکتی ہے جبکہ اس رقم کی ادائیگی کمپنی یا بینک کو ماہانہ قسطوں میں ادا ہوگی جو کہ یقیناً جملہ قسطوں کی ادائیگی اس کار کی نقد قیمت سے زیادہ ہوگی اس سلسلہ میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سود ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ سود کی شکل نہیں، لہٰذا جائز ہے، البتہ دل مطمئن نہیں تو پرہیز بہتر ہے، شریعت اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟ (فہیم قریش-جدہ)

جواب: فقہاء نے نقد اور ادھا خرید و فروخت میں قیمتوں کے درمیان تفاوت اور کمی بیشی کو جائز قرار دیا ہے مثلاً ایک چیز کی قیمت نقد خریدنے کی صورت میں سو ریال ہو

---

(۱) مستدرک حاکم ۲/۴ مجمع الزوائد ۴/۷۰

اور اگر اسی کو آپ ادھار خریدیں تو دکاندار ڈیڑھ سوریال میں فروخت کرے، یہ قیمت چاہے آپ ماہانہ اقساط کی شکل میں ادا کریں یا مقررہ مدت کے بعد یکمشت ادا کریں، اس میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا بالاقساط ادائیگی کی صورت میں نقد ادائیگی سے زیادہ قیمت متعین کرنا شرعاً جائز ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے، **الایری انه ، یزادفی الثمن لاجل الاجل** (۱)، البتہ یہ اسی وقت جائز ہے جبکہ خریدار سے بات طے ہو جائے اور نقد و ادھار یا یکمشت اور اقساط کی قیمت کے درمیان تفاوت کو واضح کر دیا جائے کہ یکمشت ادائی قیمت کی صورت میں سوریال اور اقساط کی صورت میں ڈیڑھ سوریال ہوں گے۔ دوسرے ثمن کی ادئیگی کی مدت بھی متعین کرلی جائے، ہدایہ میں ہے، مثلاً آپ ایک چیز خریدنے جائیں دکاندار کہے اس کی قیمت سوریال ہے، آپ کہیں کہ میں اس وقت قیمت ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہوں ایک سال کے اندر بالاقساط میں اس کی قیمت ادا کر دوں گا، دکاندار کہے کہ ٹھیک ہے میں ایک سال کی مہلت دیتا ہو لیکن اس کی قیمت ڈیڑھ سوریال ہوگی، آپ اس کو قبول کرلیں تو یہ خرید و فروخت جائز ہوگی، اب اگر بالفرض آپ سال بھر میں اس (اس کی قیمت) ڈیڑھ سوریال کو ادا نہ کر سکیں، تو دکاندار کو شرعاً اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ آپ سے ڈیڑھ سوریال سے زیادہ قیمت وصول کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ سود ہوگا، ہاں ڈیڑھ سوریال کی وصولی کے لئے (جو کہ آپ کے ذمہ قرض ہے) وہ ہر جائز طریقہ اختیار کر سکتا ہے، لیکن قیمت شروع میں اس طرح متعین ہو کہ دکاندار کہے کہ اگر آپ اس چیز کی قیمت سال بھر میں ادا کریں تو ڈیڑھ سوریال ہوگی اگر پندرہ ماہ میں ادا کریں تو پونے دو سوریال اور بیس ماہ میں ادا کرنا چاہیں تو پورے دو سوریال ادا کرنے ہونگے تو یہ سودی معاملہ ہے، اس طرح خرید و فروخت جائز نہیں، اگر آپ اس شرط کو قبول کرتے ہوئے اس چیز کو خرید لیں تو آپ سودی کاروبار میں تعاون کرنے بلکہ سود ادا کرنے والے سمجھے جائیں گے بدقسمتی سے آج کل اقساط کے کاروبار اسی انداز کے ہوتے ہیں جو کہ جائز نہیں، اس میں تھوڑی سی

---

(۱) ھدایہ ۳/۴۳ ط : دیوبند انڈیا

تبدیلی کر کے شرعاً اس کی شکل درست کی جاسکتی ہے اور اوپر بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں اقساط کے کاروبار میں خرید وفروخت کی جائز شکل نکالی کی جاسکتی ہے۔

نفع کا تعین

سوال : میں چھوٹے کھلونے بیچنے کا کام کرتا ہوں اگر میں ایک چیز پانچ ریال میں خرید کر کسی کو ۱۵، کسی کو ۲۰، کسی کو ۲۵/ریال نفع کے ساتھ بیچ دوں یا کسی کو ادھار ۴۰/ریال نفع لیکر بیچ دوں تو کیا یہ صورت میرے لئے جائز ہوگی؟ (اسماعیل-جیزان)

جواب : نفع کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں کی گئی ہے، اپنی محنت ومزدوری اور وقت وصلاحیت کے اعتبار سے جتنے نفع پر چاہے آدمی خرید وفروخت کر سکتا ہے، مگر اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ جھوٹ ودھوکہ دہی کسی طرح جائز نہیں مثلاً یہ کہ ایک چیز پانچ ریال میں آپ خرید کر گاہک سے کہیں کہ میری خرید خود بیس ریال کی ہے یا بازار میں یہ چیز آپ کو بیس ریال سے کم نہ ملے گی، اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں، کاروبار میں اس سے بچنا بہت ضروری ہے، احادیث میں ایسے تاجروں کے لئے بڑی وعید ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا، اور نہ گفتگو کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا، اور ان کے لئے المناک عذاب تیار ہوگا۔

۱) وہ شخص جو ضرورت سے زائد پانی کے بارے میں بخالت کرے اور کسی مسافر کو اس پانی سے نہ پینے دے۔

۲) وہ شخص جس نے کسی سے سامان کی خرید وفروخت کا معاملہ کیا اور قسم کھایا کہ اتنے میں اس نے خریدا ہے، دوسرے نے تصدیق بھی کر دی، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔

۳) وہ شخص جس نے امام سے دنیوی اغراض کے پیش نظر اس کے ہاتھ پر بیعت کی، اگر اس کا مقصود بر آیا تو خدمت گذاری کرتا ہے،

ورنہ خدمت گذاری سے انکار کر بیٹھتا ہے ،(۱) بعض حدیثوں میں کپڑوں کو ٹخنہ سے نیچے لٹکانے والا، صدقہ کر کے احسان جتانے والے اور قسم کھا کھا کر اپنا سامان تجارت بیچنے والے کو ان تینوں کی فہرست میں شامل فرمایا گیا ہے۔(۲)

اسی طرح نقد اور ادھار قیمتوں میں تفاوت بھی جائز ہے مثلاً ایک چیز آپ نقد ۲۰ ریال میں بیچیں اور وہی چیز ادھار لینے کی صورت میں ۳۰ ریال میں فروخت کریں یہ صورت جائز ہے۔

حصولِ نفع کی اگر چہ کوئی قانونی تحدید نہیں ہے لیکن حد سے زیادہ نفع کسی طرح مناسب نہیں، ایسی صورت میں حکومت کو مہنگائی پر کنٹرول کرنے کے لئے اشیاء کی قیمتوں کو متعین کرنے کا اختیار بھی رہتا ہے، نیز اس سے وقتی فائدہ تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ گاہک کم ہو کر تاجر کو نقصان اور خسارہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قسم کے بعد رقم کی ادائیگی

سوال : اگر کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو یہ کہے کہ تم قسم کھا کر کہو کہ میں نے یہ کام کیا ہے اگر تم نے قسم کھائی تو میں ایک ہزار ریال دونگا، اب اگر اس شخص نے قسم کھالی (چاہے اس نے وہ کام نہ کیا ہو) تو کیا مجھے ایک ہزار ریال دینا ہوگا؟ کیونکہ میں نے اس کا وعدہ کیا ہے۔

(فضل خالق - ریاض)

جواب : اگر اس شخص نے جھوٹی قسم کھائی ہو تو اس کا گناہ ہوگا اور یہ رقم اس کے لئے حلال نہ ہوگی، لیکن آپ کے ذمہ یہ رقم واجب الادا ہوگی کیونکہ جو شرط آپ نے لگائی وہ اس نے پوری کر دی لہٰذا آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا، اب اگر وہ شخص اپنی قسم میں

---

(۱) ابن ماجه عن ابی هريره ، باب ماجاء فی كراهة الايمان فی الشراء والبيع

(۲) ترمذی عن ابی ذر ، باب ماجاء فی من حلف على سلعته كاذباً

جھوٹا ہو تو خود اس کو چاہے کہ رقم نہ لے اور جھوٹی قسم پر توبہ واستغفار کرے۔

فکس ڈپازٹ جائز نہیں

سوال : میں نے سال بھر کے لئے بینک میں ایک لاکھ روپے جمع کیا ہے بینک مجھے پندرہ ہزار روپے زائد دیگا کیا یہ رقم میرے لئے حلال ہے؟

(شیخ حسین - حائل)

جواب : یہ سود ہے جس کی حرمت قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور ہے، آپ اسے بلا نیت ثواب کسی ضرورت مند غریب شخص کو دیدیں نیز بینک میں عام اکاؤنٹ کھولنا اور اس میں حفاظت کی خاطر رقم جمع کرنا جائز ہے، لیکن فکس ڈپازٹ کی علماء نے اجازت نہیں دی، البتہ اگر سرکار کے ظلم سے تحفظ کے لئے فلکسڈ ڈپازٹ کرایا جائے مثلاً اس طرح ڈپازٹ کرنے پر انکم ٹیکس سے بچت ہوگی تو کرانے کی گنجائش ہے، جو زائد رقم حاصل ہو اس کو غرباء اور رفاہی کاموں پر خرچ کرنا ہوگا، البتہ اصل جمع کی ہوئی رقم اس کے لئے حلال ہے۔

یہ رقم جائز ہے؟

سوال : میں ایک اسپتال کی بس چلاتا ہوں، وہ مجھے ہر ہفتہ ۱۰۰ ریال دیتے ہیں پیٹرول اور دھلائی کے ملتے ہیں، پیٹرول تو باہر سے بھرواتا ہوں اور دھلائی کی پیسے خود رکھ لیتا ہوں، کیونکہ گاڑی میں خود دھوتا ہوں کیا یہ پیسے میر لئے جائز ہیں؟

(ح ش - جدہ)

جواب : اگر آپ گاڑی دھو کر اس کی اجرت رکھ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ڈالر جیٹ اسکیم

سوال : آج کل ایک اسکیم نکلی ہے، جس کا نام ڈالر جیٹ اسکیم ہے، اس میں

ایک آدمی ۸۰ ر ڈالر کا ایک فارم خرید تا ہے اس کو پُر کر کے بھیجنے کے بعد اس کے نام اسی طرح کے چار فارم آتے ہیں، ان چار فارموں کو اسے بیچنا ہوتا ہے، جو آدمی یہ فارم خریدیں گے، ان کو بھی چار چار فارم آجائیں گے، جب یہ سلسلہ ایک ہزار تک پہنچے گا تب پہلے آدمی کو چالیس ہزار ڈالر ملیں گے، کیا یہ حرام تو نہیں؟ اور اگر حرام ہے تو کس طرح؟ (آفتاب عالم- بریدہ)

جواب: یقیناً یہ ناجائز و حرام اسکیم ہے، اس لئے کہ اس میں میسر (جوئے) کی شکل پائی جاتی ہے جس کی حرمت قرآن پاک میں بصراحت موجود ہے، اور اس کی حرمت کا ذکر شراب کی حرمت کے ساتھ کیا گیا ہے جو کہ "ام الخبائث" (تمام برائیوں کی جڑ) ہے اس سے اس کی مزید قباحت کا اندازہ ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے، "اے ایمان والو! بیشک یہ شراب، جوا، پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں، تم ان سے بچتے رہو تاکہ نجات پاجاؤ، بلاشبہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض و عداوت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکے رکھے، پس کیا تم اب بھی اس سے باز نہیں آوگے؟ (مائدہ-۹۱،۹۰) میسر (جوئے) کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ اپنی ملکیت کو خطرہ میں ڈالنا" یعنی جس کا فائدہ اتفاق پر مبنی ہو اور اس کے ملنے یا نہ ملنے دونوں طرح کے احتمالات پائے جاتے ہوں، امام ابو بکر جصاص رازی لکھتے ہیں:

لاخلاف بین اهل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس: ان المخاطرة قمار. (۱)

جوئے کی حرمت اور مخاطرہ کے جوا ہونے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مخاطرہ جوا ہے۔

خرید و فروخت میں اس طرح کی تمام شکلوں کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے، لاٹری،

---

(۱) احکام القرآن ۱/۳۸۸

معمہ بازی اور وقتاً فوقتاً نکلنے والی اسکیموں میں بھی عام طور پر یہی میسر (جوئے) کی صورت پائی جاتی ہے، مثال کے طور پر دس روپے دیکر آدمی لاٹری کا ٹکٹ خرید تا ہے تو وہ صرف اسی موہوم امید میں کہ شاید لاٹری میں میرا نام نکل آئے اور میں راتوں رات لاکھوں روپوں کا مالک بن جاؤں، اسی امید میں وہ اپنے قیمتی مال "دس روپے" کو خطرہ میں ڈالتا ہے، اب اس سے ہونے والا فائدہ محض بخت واتفاق پر منحصر ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کا فائدہ اس کو حاصل ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کی قیمتی رقم ضائع ہو جائے، پھر اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں دو آدمیوں کا فائدہ متعین ہوتا ہے، اور لاٹری یا اسکیم جیتنے والے کا اور دوسرے اس کو چلانے یا جاری کرنے والے کا، ان دو آدمیوں کے علاوہ باقی ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا مال بلا کسی وجہ کے ضائع ہو جاتا ہے اور یہ صریح ظلم ہے کہ ہزاروں کی جیب کاٹ کر دو آدمیوں کی جیب بھر دی جائے۔

صورت مسئلہ میں بھی بظاہر ۸۰ ڈالر کا ایک فارم خرید کر چار فارم مزید اسے فروخت کرنے ہیں، جو دیکھنے سوچنے میں آسان کام ہے لیکن جو بھی اس میں حصہ لے گا وہ اسی موہوم امید میں کہ شاید چند ماہ بعد وہ ۸۰ ڈالر کے بدلے چالیس ہزار ڈالر کا مالک بن جائے، اسی امید میں کہ وہ اپنے ۸۰ ڈالر کو خطرہ میں ڈالتا ہے اسے نہیں پتہ کہ یہ اسکیم اور فارم کی خرید و فروخت پھیل کر ہزاروں تک پہنچے گی بھی یا نہیں؟ اور اگر ہزار افراد تک پہنچ جائے بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس کی وسعت ہو تب بھی آپ غور کریں کہ اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ آخری ۹۹۹ افراد اس کے فائدے سے محروم رہیں گے، گویا، ۹۹۹ افراد کی جیب سے ۷۹،۹۲۰ ڈالرز نکال کر پہلے (ایک) شخص کو جس نے ۸۰ ڈالر میں فارم خریدا، چالیس ہزار ڈالر مل رہے ہیں اور باقی چالیس ہزار خود اسکیم چلانے والے کی جیب میں، پھر اس درمیان رقم کا غلط استعمال، ناجائز فائدے کا حصول اور اس میں تعاون الگ رہا، نیز اس کی کیا ضمانت کہ یہ سلسلہ ہزار افراد تک پہنچنے پر پہلے شخص کو چالیس ہزار ڈالر مل ہی جائیں؟ کیونکہ اس کو تو صرف چار ہی فارم فروخت کرنے ہیں نہ کہ ہزار، کہ وہ ثابت کر سکے کہ سلسلہ ہزار تک پہنچ چکا ہے، لہٰذا

اس کا بھی امکان ہے (اور عام طور پر نت نئی اسکیموں میں یہی ہوتا ہے) کہ لوگوں کو بیوقف بنا کر رقم بٹورنے والے بٹورتے رہیں اور لوگ ۸۰ ڈالر ضائع کر کے یہ خواب دیکھتے رہیں کہ وہ عنقریب چالیس ہزار ڈالر کے مالک بننے والے ہیں۔

قرض کس طرح ادا کریں؟

سوال: کچھ عرصہ قبل میرے چچا نے ایک غیر مسلم دکاندار سے کچھ کپڑا ادھار لیا تھا، کچھ وقت گزرنے کے بعد میرے چچا صاحب اس دکاندار کا قرض ادا کرنے کے لئے گئے تو وہ اپنی دکان اور سب کچھ فروخت کر کے وطن روانہ ہو گیا تھا، میرے چچا زندگی بھر اس معاملے میں پریشان رہے اور اب انتقال فرما چکے ہیں، اب ہمیں پریشانی ہے کہ اس رقم کا کیا کریں؟ اس آدمی کا ملنا مشکل ہے۔

(نجیم خان - بریدہ)

جواب: آپ اس قرض کی رقم کو صدقہ، خیرات کر دیں اور کسی محتاج و ضرورت مند شخص کو دیدیں پھر اگر کبھی قرض خواہ کا پتہ چل جائے تو اس کو قرض ادا کر دیں۔

دھوکہ دے کر تیل فروخت کرنا۔

سوال: ہمارے پاس جب کوئی گاہک آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں تیل مثلاً سوپر شیل ڈالو تو ہم اس کی نظروں سے بچا کر دوسرا سستا تیل ڈالتے ہیں، کیونکہ ماہانہ کفیل کو ڈھائی ہزار ریال دینا ہوتا ہے، ساتھ میں ایک لڑکا کام کرتا ہے، اس کو سات سو ۷۰۰ ریال پھر بجلی کا خرچ اور دونوں کے کھانے پینے کا خرچ تقریباً ساڑھے تین ہزار ریال سے زیادہ کا ماہانہ خرچ ہے، اس کے بعد اگر کچھ بچے تو مجھے اپنی تنخواہ لینا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سات آٹھ سو ریال کا سامان اسی دکان سے کم کر کے خرچہ پورا

کرتا ہوں، پھر دوسرے ماہ تک انتظار کرتا ہوں کہ شاید دوسرے ماہ کچھ رقم بچ جائے لیکن اب مندرجہ بالا حل یعنی تھوڑی سی دھوکہ دہی سے کام آسان ہو گیا ہے، ماہانہ خرچ پورا کر کے کم سے کم پانچ سو ریال اپنے گھر بھیج سکتا ہوں لیکن دل مطمئن نہیں رہتا، راتوں کو دعائیں کر کے غلطی کی معافی مانگتا ہوں پھر صبح وہی عمل ورنہ مشکلات، کیا میرا یہ عمل صحیح ہے؟ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

(س، ا)

جواب: آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، امانت میں خیانت کرنا اور ناجائز طریقے سے پیسے کمانا یہ سب کبیرہ گناہ بلکہ حرام کام ہیں آپ ﷺ نے خرید و فروخت میں دھوکہ دہی سے سختی سے ممانعت فرمائی، (۱) آپ اپنے کفیل کو صاف صاف بتادیں کہ کچھ بھی ماہانہ آمدنی ہو گی اس میں سے اتنا دکان اور ہمارا خرچ ہو گا، باقی رقم امانتاً آپ کو دیدیا کروں گا، کسی انسان کو خوش کرنے کے لئے یا اس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت و خسارے میں ڈالنا بلکہ خالق و مالک کو ناراض کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ آپ اپنے تمام گناہوں سے صدق دل سے توبہ کریں اور آئندہ کوئی بھی حرام کام نہ کریں۔

میٹر سست کرنے یا کم کرنے کا کام

سوال: میں ایک کار الیکٹریشن ہوں میرے پاس لوگ اپنی ذاتی گاڑی یا کرائے کی گاڑی لے کر آتے ہیں کہ میں ان کی میٹر ریڈینگ میں کمی کر دوں، میں اس کام کے ۴۰ ریال لیتا ہوں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جو الگ کرائے پر گاڑی لیتے ہیں ان کا حساب دن اور کلو میٹر پر ہوتا ہے، اس لئے وہ ایسا کام کرواتے ہیں تاکہ کرایہ کم ہو اور ذاتی گاڑی والے اپنی

---

(۱) ترمذی عن ابی هریره، باب ماجاء فی کراهیة النجش

گاڑی فروخت کرنے سے پہلے میٹر کے اعداد کو کم کراتے ہیں تاکہ لینے والا یہ سمجھے کہ گاڑی کم چلی ہے شرعی طور پر اس کام کے بارے میں رہنمائی فرمائیں۔ (دبیر نذیر-ابھاء)

جواب: جو صورتحال اور جو مسئلہ آپ نے بیان کیا ہے یہ ناجائز ہے اور ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے اس سلسلے میں کسی بھی قسم کا تعاون کرنا بھی گناہ ہے، اس گناہ میں کئی گناہ شامل ہیں گویا کہ یہ کام کئی کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے جس کی بناء پر اسے حرام بھی کہا جا سکتا ہے، یہ چوری بھی ہے، امانت میں خیانت والا گناہ بھی ہے، دھوکہ و فریب بھی ہے اور جھوٹ بھی اس میں شامل ہے، اس طرح یہ چار بڑے گناہ ہیں اور ان گناہوں میں ہر ایک گناہ خود اپنی جگہ اتنا شدید اور سنگین ہے کہ قرآن و سنت میں اس کی شدید وعیدیں موجود ہیں جو کار الیکٹریشن یا دوسرے لوگ اس قسم کا کام کرتے ہیں وہ جان لیں کہ یہ کمائی حرام کی کمائی ہے اور ہر حرام کمائی جہنم کی آگ ہے۔

لاٹری جائز نہیں

سوال: آج کل ایک لاٹری اسکیم نکلی ہوئی ہے جس کا طریقہ کار یہ کہ ہر کوئی آدمی اپنی پسند کے تین نمبر لگاتا ہے، جیسے ۴۲۰، ۵۲۸، یا کوئی بھی تین ہندسے ہو سکتے ہیں، اگر آدمی کا نمبر نکالے گئے قرعہ والا نمبر کے مطابق ہو تو اس کو ایک ریال کے بدلے تقریباً ۲۲۵ ریال ملتے ہیں، اگر اس آدمی کا نمبر نکالے گئے نمبر کے برعکس ہو تو اس کو کچھ نہیں ملتا بلکہ اس کے لگائے ہوئے پیسے بھی ضائع ہو جاتے ہیں، نمبر جتنی رقم کا چاہیں، لگا سکتے ہیں، ایک مکمل نمبر کم از کم پانچ ریال کا ہوتا ہے، نمبر نہ نکلنے کی صورت میں وہ تمام پیسے ضائع ہو جاتے ہیں، کیا اس طرح لاٹری کے ذریعہ حاصل کی گئی رقم شرعی لحاظ سے جائز ہے؟

(شفقت حسین-ریاض)

جواب : یہ اور اس طرح کی تمام لاٹری اسکیمیں جوے ہیں جو کہ ناجائز و حرام ہے اس میں شرکت بھی جائز نہیں اس کا وہی مصرف ہو گا، جو مال حرام کا یعنی ثواب کی نیت کے بغیر کسی مستحق و ضرورت مند کو وہ رقم دیدی جائے۔(۱)

سکینڈ ہینڈ سامان بیچنا

سوال : میں ایک بنشر کی دکان پر کام کرتا ہوں میرے پاس ٹائر کی ٹیوبیں آتی ہیں، بعض لوگ معمولی خراب ٹیوبوں کو پھینک دیتے ہیں ان میں سے جو قابل مرمت ہوتی ہیں میں ان کی مرمت کرتا ہوں اور آدھی قیمت پر فروخت کر دیتا ہوں پھر اس میں سے آدھی قیمت میں رکھ لیتا ہوں اور آدھی دکان میں ڈال دیتا ہوں کیا یہ درست ہے ؟ جب کہ میں یہ کام اپنی مرضی سے کرتا ہوں کفیل کا کوئی حکم نہیں پھر بھی آدھی قیمت دکان میں ڈال دیتا ہوں اسی طرح تیل تبدیل کرتا ہوں، کچھ تیل ڈبوں میں بچ جاتا ہے، وہ میں جمع کر کے فروخت کر دیتا ہوں اور اس کی قیمت میں رکھ لیتا ہوں، اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں؟

(محمد عالم - وادی عسفان)

جواب : آپ کے لئے پھینکی جانے والی ٹیوب اور پھینکے گئے ڈبوں میں باقی بچا ہوا تیل دوبارہ استعمال کے قابل بنا کر جمع کر کے فروخت کرنا جائز ہے، لیکن چونکہ اس کام پر دکان کے مالک کی تنخواہ والے گھنٹوں میں سے وقت استعمال ہوتا ہے، اور اس کی دکان کے اوزار استعمال ہوتے ہیں، لہذا اس سے اجازت لے کر اس کام کو انجام دینا بہتر ہے ،اگر وہ اس بات پر راضی ہو جائے کہ آدھے پیسے اس کی دکان میں رکھے جائیں گے، تو بھی جائز ہے۔

---

(۱) حلال وحرام ص : ۳۸۰ ، ط : حیدر آباد انڈیا

شیونگ کے آلات بیچنا

سوال : ایک مرتبہ میرا ایک مخلص دوست میری دکان میں آکر کہنے لگا کہ ! دوست آپ کی دوکان میں سب چیزیں ٹھیک لگیں، لیکن شیونگ کا جو سامان فروخت ہورہا ہے، صحیح نہیں، اس لئے کہ جب یہ حرام ہے تو حرام کاموں میں مدد کرنا اور اس کے استعمال میں آنے والے چیزوں کو فروخت کرنا بھی تقریباً حرام ہی ہوگا، نیز بالوں کو کالا کرنے والا تیل یا پاؤڈر جیسی چیز دیکھ کر کہا کہ بالوں کا کالا کرنا بھی حرام ہے، ان دونوں چیزوں کے بارے میں صحیح رہنمائی فرمائیں۔ (عبدالرحمٰن ۔ ریاض)

جواب : اگر ایک چیز مختلف فوائد کے کام آسکتی ہو بعض ان میں سے جائز صورت ہو، اور بعض ناجائز تو محض ناجائز پہلو کو دیکھ کر اس کو حرام نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس کے طریقۂ استعمال پر اس کے حکم کا انحصار رہے گا طریقۂ استعمال حلال اور جائز ہے تو اس کا خریدنا اور رکھنا جائز ہے، اور اگر طریقۂ استعمال ناجائز ہے تو اس ناجائز طریقۂ استعمال میں اس کا استعمال درست نہیں شیونگ مشین سے چونکہ داڑھی کے علاوہ جسم کے دوسرے حصوں کے بال صاف کئے جاسکتے ہیں، اس لئے ان کا خریدنا بیچنا ناجائز نہیں، تاہم داڑھی کے شیو کے لئے اس کا استعمال کرنا درست نہیں، جیسے ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کہ فی نفسہ وہ گانے بجانے کے لئے نہیں ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اب اگر کوئی اس کا غلط استعمال کرے اور گانا بجائے تو یہ اس کا طریقۂ استعمال حرام ہے، نفس ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ خریدنا حرام نہیں، اسی طرح شیونگ مشین سے دوسرے کام کئے جاسکتے ہیں، لیکن کوئی داڑھی کی شیونگ میں اس کا استعمال کرے تو اس کا یہ استعمال ناجائز ہے۔

موسیقی کی اجرت

سوال : گانے بجانے والے کی کمائی حلال ہے کہ حرام؟ کیا ہم ان کے گھروں میں

کھانا کھا سکتے ہیں؟ (سر تاج، محمد اسماعیل، فدا احمد۔القنفذہ)

جواب : ایسی چیزوں کی ملازمت اور اجرت جائز نہیں جو معصیت اور گناہ ہو، اس لئے کہ جس طرح گناہ کرنا درست نہیں اسی طرح گناہ کا سبب وذریعہ بننا اور تعاون کرنا بھی جائز نہیں، جو جس درجہ کا گناہ ہوگا اس میں تعاون بھی اسی درجہ کا گناہ ہوگا، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

ولا یجوز الاستیجار علی شیء من الغناء والنوح والمزامیر و لا اجرلھم فی ذالك . (۱)

مزامیر، نوحہ خوانی، اور گانے بجانے وغیرہ کے کاموں پر کسی کو اجیر رکھنا درست نہیں، اور وہ اجرت کے حقدار نہیں ہوتے۔

اسی حکم میں سینما ہال کی ملازمت، گانے بجانے کے کام، انشورنس کی ایجنسی اور انشورنس اور بینک کی ایسی ملازمتیں ہیں جن میں سودی کاروبار لکھنا پڑے یا اس میں لین دین کرنا پڑے، ایسے لوگوں کے یہاں دعوت کھانے کے جواز کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) حرام آمدنی کے حلال آمدنی سے کم ہونے کا یقین ہو۔

(۲) دعوت کا مال خالص حرام سے ہونے کا یقین نہ ہو۔

(۳) حرام وحلال سے مخلوط ہونے کا یقین نہ ہو۔

ان امور میں اشتباہ کی صورت میں دعوت کھانا جائز تو ہے، مگر احتراز بہتر ہے (۲)۔

گانے بجانے اور ان کے آلات سے جو کمائی حاصل ہوتی ہے وہ، حرام ہے، نائی اگر صرف لوگوں کے سر کے بال چھوٹے کرتا ہے یا مونچیں چھوٹی کرتا ہے اور داڑھی نہیں مونڈھتا تو اس کی کمائی حلال ہے، البتہ داڑی مونڈھنا چونکہ حرام ہے لہٰذا اس کام کے عوض میں جو رقم لی جائے گی وہ بھی حرام ہی ہوگی، اور اگر کسی کی کمائی مکمل حرام کی ہو تو اس کے یہاں کھانا پینا درست نہیں۔

---

(۱) ھندیہ ۴/۴۴۹ ، باب اجارۃ المعاصی (۲) دیکھئے : احسن الفتاوی ۸/۱۴۳

زندگی کا بیمہ اور انعامی بانڈز؟

سوال: پاکستان میں جو زندگی کا بیمہ کروایا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک شخص نے بیس سال کی مدت کے لئے ایک لاکھ روپے کا بیمہ کروایا، ہر سال اس کو ۶۵۰۰/ روپے تقریباً ادا کرنے پڑیں گے اور بیس سال بعد اس کو جتنی رقم اس نے جمع کروائی ہے اس سے زیادہ رقم ملے گی، اور اگر اس مدت کے اندر ہی اس کا انتقال ہو گیا تو اس نے جتنی رقم کا بیمہ کروایا تھا اتنی رقم بیمہ کمپنی مرنے والے کے وارثین کو دیگی، اسی طرح حکومت پاکستان کے انعامی بانڈز اسکیم کا کیا حکم ہے؟ جن کی ایک مقررہ مدت پر قرعہ اندازی ہوتی ہے، ان انعامی بانڈز کو جب چاہیں حکومت کے کسی بھی بینک میں واپس بھی کر سکتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(محمد پرویز بٹ - الخبر)

جواب: زندگی کا بیمہ اور انعامی باؤنڈز کی جو صورت آپ نے لکھی ہے، ان میں دو خرابیاں پائی جاتی ہیں، ایک سود دوسرے قمار سود تو اس لئے کہ جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی ہے، اور اس پر ملنے والا نفع قرض پر حاصل کیا گیا نفع ہے، جو کہ سود اور حرام ہے، اور قمار اس لئے کہ انعامی باؤنڈز کی صورت میں نام آئے یا نہ آئے مبہم ہے، اسی کو فقہاء "خطر" سے تعبیر کرتے ہیں، اور بیمہ کی صورت میں بھی متوقع نفع کا حاصل ہونا یا نہ ہونا خطر میں ہے، اس لئے یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں۔ (۱)

کمیشن کی چٹھیوں کا کاروبار

سوال: میں چار سال بعد چھٹی پر وطن گیا جہاں کئی غیر اسلامی چیزوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی، کوئی اس کو ناجائز یا غلط تصور بھی نہیں کرتا مثلاً اکثر لوگ کاروبار اور تجارت کے لئے کمیشن کی چٹھیوں میں شریک ہوتے ہیں پھر

---

(۱) ملخصا: حلال و حرام، ص: ۳۸

اس سے پیسے اٹھا کر کاروبار کرتے ہیں کیا ایسا کاروبار جائز ہے اور بعض لوگ چٹیوں ہی کے کاروبار کرتے ہیں، ان کے بارے میں بھی قرآن و حدیث کا کیا حکم ہے؟ (شیخ عبدالسلیم - دمام)

جواب: جو چٹھیاں ہراج یا کمیشن کی بنیادوں پر چلائی جاتی ہو وہ ناجائز ہیں، ایسی چٹھیوں کا کاروبار کرنا اور اس میں شرکت کرنا دونوں حرام ہیں، کیونکہ اس میں روپیہ کا تبادلہ روپیہ سے کمی بیشی کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہ سود ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے۔

شادی کے لئے فکس ڈپازٹ

سوال: کچھ لوگ لڑکی کی پیدائش کے بعد اس کے نام سے کچھ رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کردیتے ہیں لڑکی کی شادی تک وہ رقم کئی گناہ بڑھ جاتی ہے، پھر ان پیسوں سے شادی کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (شیخ محبوب پاشا - حائل)

جواب: بینک میں فکس ڈپازٹ جائز نہیں، پھر بینک کی طرف سے اصل جمع کی گئی رقم سے جو زائد رقم ملتی ہے، وہ اس کا سود ہوتا ہے ظاہر ہے جس کی حرمت قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہے، سود کھانے وکھلانے والے پر بھی خدا اور رسول کی طرف سے لعنت بھیجی گئی ہے، (۱) لہٰذا یہ صورت جائز نہیں، البتہ غیر سودی اداروں میں مضاربت نفع ونقصان میں شرکت کے اصول پر رقم لگائی جاسکتی ہے۔

کرنسی کی تبدیلی

سوال: کرنسی تبدیل کرنے کا کیا حکم ہے؟ ایک صاحب نے کہا کہ ایک ریال کے بدلے میں آپ دس لیتے ہیں اس میں منافع ہوتا ہے اس لئے یہ جائز نہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ (عامر ملک - جدہ)

---

(۱) ابوداؤد عن ابن مسعود، باب في آكل الربو ومؤكله

جواب: مختلف ممالک کے نوٹ اور سکوں کی حیثیت مستقل ثمن اور مستقل جنس کی ہے، اس لئے ان کے باہمی تبادلہ میں کسی خاص قدر کی رعایت ضروری نہیں، اگر حکومت کے مقررہ نرخ سے کم یا زیادہ میں ان میں باہم تبادلہ کیا جائے تو بھی درست ہوگا۔(۱)

ناجائز نفع کا مصرف؟

سوال: میرے ایک ساتھی کے اصرار پر میں نے کچھ رقم اپنے ساتھی کے بھائی کی دوکان میں سرمایہ کاری کے لئے دی اس شرط پر کہ نفع اسلامی طریقہ کے مطابق ہو، میری شرط قبول کر کے میرے ساتھی نے کم از کم اور زیادہ سے زیادہ نفع کا ایک اندازہ بتایا جس پر میں نے اتفاق کرتے ہوئے ان کو رقم دیدی وہ مجھے معاہدے کے مطابق سات آٹھ ماہ ماہانہ کچھ رقم دیتے رہے کبھی کم اور کبھی زیادہ چند دن قبل مجھے معلوم ہوا کہ میری رقم بجائے بھائی کے کاروبار میں لگانے کے کسی اور آدمی کو دیدی گئی ہے جس سے وہ زیادہ نفع حاصل کر کے کچھ اپنے پاس رکھ کر باقی مجھے دیتا رہا میرے یہ پوچھنے پر کہ جس آدمی کو پیسے دیئے ہیں کیا وہ اسلامی طریقے کے مطابق ہے؟ خاموشی اختیار کی اور کہا کہ یہ ایک بزنس راز ہے مجھے منافع کی شکل میں جو پیسے ان سے مل رہے ہیں وہ مشکوک لگ رہے ہیں اس لئے میرا سوال یہ ہے کہ کیا ان پیسوں کو میں اپنے بڑے بھائی کو دے سکتا ہوں؟ جنہیں دو مرتبہ ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے، ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ انہیں فوری اوپن ہارٹ سرجری یا بائی پاس سرجری کی ضرورت ہے تب تک وہ بالکل کام نہ کریں، میرے بھائی کی مالی حالت ایسی نہیں کہ وہ آپریشن کے

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص: ۴۳ ط، دیوبند

بھاری اخراجات برداشت کر سکیں، وہ کام نہ کریں تو گھر کے اخراجات بھی پورے نہ ہوں گے، چنانچہ وہ مجبوراً کام جاری رکھے ہوئے ہیں ان پر پانچ چھ بچوں کی ذمہ داری بھی ہے ایسی صورت میں میرے بھائی مذکورہ منافع کے مستحق ہیں یا نہیں؟

(محمد اکبر ۔ طائف)

جواب: مال حرام یعنی وہ مال اور نفع جو کسی ناجائز ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو یا جو مال مشکوک ہو اس کو کسی ایسے شخص کو بلا نیتِ ثواب دیا جا سکتا ہے جو مستحق اور ضرورت مند ہے آپ اپنے بھائی کو بھی ایسی رقم دے سکتے ہیں، اگر وہ ضرورت مند ہیں، لیکن اگر یہ منافع حقیقتاً مشکوک ہوں اور اس کے حرام ہونے کا شبہ ہو، تو پھر آئندہ اس معاملے کو جاری رکھنا آپ کے لئے درست نہیں آپ تحقیق کر کے اپنی شرکت کو ختم کر دیں، چونکہ معاملہ کی صورت آپ نے وضاحت نہیں کی، اس لئے اس سلسلے میں کوئی رائے نہیں دی جا سکتی۔

سیلز مین کا پیسے بچانا

سوال: میں ایک کپڑے کی دکان پر سیلز مین ہوں دکان میں تمام کپڑوں کی قیمت کفیل کی طرف سے متعین ہے مثلاً میرے کفیل نے مجھ کو بتایا ہے کہ فلاں کپڑا پچاس ریال میٹر سے کم نہیں بیچنا اور نہ ہی اس سے زیادہ بیچنا، مگر اس طرح کوئی خریدے گا نہیں، میں اس طرح کرتا ہوں کہ ستر، اسی ریال قیمت بتاتا ہوں تو خریدار ساٹھ پر راضی ہو جاتا ہے پھر میں کفیل کے پچاس ریال الگ کر دیتا ہوں اور باقی ایک طرف کیا یہ اضافی رقم میرے لئے جائز ہے؟ یا میں ان پیسوں سے کسی غریب یتیم کی مدد کر سکتا ہوں؟

(ایک سائل ۔ ابہا)

جواب: یہ رقم آپ کے لئے جائز نہیں اور یہ کفیل ہی کی ملکیت ہو گی، کفیل نے

جب قیمت متعین کردی تو آپ کے لئے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں، آپ کفیل کی طرف سے متعین کی ہوئی قیمت پر ہی کپڑا فروخت کریں، کیونکہ یہ بھی تطفیف کی ایک صورت ہے، جس کی ممانعت قرآن میں بار بار آئی ہے۔ (ہود-۸)

کفیل کی گاڑی کا استعمال

سوال : میں کفیل کے پاس اسپئیر پارٹس کی دکان پر کام کرتا ہوں، کفیل نے مجھے گاڑی دی ہے جسے میں اپنے کام کے لئے بھی استعمال کرتا ہوں، کفیل پٹرول نہیں دینا چاہتا، میں کفیل کو بتائے بغیر دکان سے پیٹرول ڈال سکتا ہوں کہ نہیں؟ اگر میں آدھا پیٹرول اپنی طرف سے ڈال لوں تو کیا یہ میرے لئے جائز ہے۔ (محمد اسرار-حائل)

جواب : اگر آپ کفیل کی گاڑی اپنی ذاتی ضروریات کے لئے استعمال کرتے ہیں اور کفیل نے اس بات کی اجازت دی ہے تو یہ جائز ہے، اور اگر کفیل یا کمپنی نے آپ کو یہ گاڑی صرف ان کے کام وغیرہ میں استعمال کے لئے دی ہے، لیکن اگر آپ کو ذاتی استعمال کی اجازت نہیں دی ہو تو آپ بغیر اجازت اس گاڑی کو استعمال نہیں کریں۔

ٹیلیفون لی چوری

سوال : آج کل کم پیسوں پر آدھے گھنٹے کی بات چیت کے لئے گھروں میں ٹیلیفون لائنیں دیجاتی ہیں کیا اس طرح بات کرنا یا اس کا کاروبار کرنا جائز ہے؟ (محمد عارف-جدہ)

جواب : رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جب کوئی کام کرے تو اس کام کو صحیح طریقے پر (امانت واخلاص سے) انجام دے'' اسلام نے جہاں حرام اور ناجائز کاموں اور ان کے ذرائع کو سخت ناپسند کیا ہے، وہیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ شک و شبہ والے کاموں سے دور رہیں، آج کل

ٹیلیفون پر تھوڑی سی رقم ادا کر کے آدھ گھنٹہ یا کئی گھنٹے تک جو بات ہوتی ہے، یہ سراسر ناجائز کام ہے، کہ یہ چوری بھی ہے اور امانت میں خیانت بھی ہے، اور یہ دونوں کبیرہ گناہ بلکہ حرام ہیں۔

کیا یہ خیانت نہیں؟

سوال: میں نے ایک خط ماہ رمضان میں حیدر آباد جانے والے ایک دوست کو دیا تھا کہ میرے گھر پہنچادیں خط میں پانچ سو ریال، کچھ نجی تحریریں اور ایک آڈیو کیسٹ بھی تھی، میں ان صاحب سے کہنا بھول گیا کہ خط میں رقم ہے، میرے دوست نے وہ خط کسی اور کے حوالہ کیا لیکن وہ فلائٹ کنفرم نہ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے تو جدہ ایرپورٹ پر ایک اجنبی حیدر آبادی شخص کے حوالہ کر دیا چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا، لیکن آج تک وہ خط گھر نہ پہنچ سکا، نہ ان صاحب کے بارے میں پتہ ہے کہ وہ کون ہیں؟ کیا یہ امانت میں خیانت نہیں؟

(محمد عبداللہ - جدہ)

جواب: یقیناً یہ بھی امانت میں خیانت ہے کیونکہ خطوط یا رقم وغیرہ کسی کے ذریعہ بھیجی جائے تو لے جانے والے کی حیثیت "امین" کی ہوتی ہے، اس کی یہ شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ اس کو بعینہٖ مطلوبہ شخص تک پہنچا کر عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہو، اس معاملہ میں کسی طرح کی کوتاہی "خیانت" تصور کی جائے گی بلکہ دانستہ کوتاہی کی صورت میں وہ شخص ضامن ہوگا یعنی جو چیز ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، (اگر اس کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی کے بغیر وہ ضائع ہو جائے جیسے چوری ہو جائے یا کوئی اتفاقی حادثہ پیش آجائے تو ایسی صورت میں "امین" پر کوئی ذمہ داری نہیں) چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس امانت رکھی جائے اور وہ خود اس کی حفاظت کرنے کے بجائے کسی دوسرے کے حوالے کردے (اپنے افراد خانہ

کے علاوہ) اور اس دوسرے شخص کے پاس سے وہ امانت چاہے، اتفاقاً ہی ضائع ہو جائے یعنی دوسرے شخص کی کوتاہی کے بغیر ہی تو ایسی صورت میں پہلا شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس نے امانت رکھنے والے کی اجازت کے بغیر وہ چیز دوسرے شخص کے حوالے کر کے غلطی کی اور گویا امانت میں خیانت کی۔ ہدایہ میں ہے:

وللمودع ان يحفظها بنفسه وبمن في عياله ...... فان حفظها بغيرهم او ودعها غيرهم ضمن لان المالك رضى بيده لابيد غيره . (۱)

اور مودع کو اختیار ہے کہ خود یا اس کے زیر سرپرست کوئی مال امانت کی حفاظت کرے اگر غیر سے حفاظت کروایا یا کسی غیر کو دے دیا تو وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ مالک نے اس کے اوپر اعتماد کیا ہے، نہ کہ کسی دوسرے پر۔

مودع مال ودیعت کی خود بھی حفاظت کر سکتا ہے، اور ان کے زیر تربیت دیگر افراد بھی، اگر کسی دوسرے کو حفاظت کے لئے دیا یا دوسرے کو ودیعت کے طور پر دے دیا تو مال کے ضیاع کی صورت میں وہ ضامن ہوگا کیونکہ اصل مالک اس کے قبضہ سے تو راضی ہے نہ کہ دوسرے کے قبضہ پر۔

اور مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

الامانة لاتكون مضمونة اذا هلكت أوضاعت بلاصنع امين اوتقصير . (۲)

امانت قابل ضمان نہیں ہے بشرطیکہ اس کی کوتاہی و عمل کا اس کے ضیاع میں دخل نہ ہو۔

آپ کے دوست نے خط دوسرے کے حوالے کر کے غلطی کی اور ہمارا خیال

---

(۱) ھدایہ ۳/ ۲۷۳، ط: دیوبند (۲) مجلہ، ص: ۱۱۹

ہے کہ اگر آپ لفافہ میں رقم اور نجی واہم تحریروں کے ہونے کی صراحت کردیتے تو شاید وہ ایسا نہ کرتے تاہم عام خطوط کی حیثیت بھی "امانت" ہی کی ہے، اس کی حفاظت میں بھی کوتاہی درست نہیں، امانت کی مناسبت سے ہم یہاں اس حقیقت کا ذکر کردینا بہتر سمجھتے ہیں کہ ایمان اور امانت میں بڑا گہرا رشتہ ہے، جس شخص کے دل میں ایمان جتنا مضبوط اور کامل ہوگا اتنا ہی اس کے اندر دیانت وامانت داری کی صفت ہوگی۔ چنانچہ حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، اس شخص کا ایمان (کامل) نہیں جس میں امانت داری نہیں، (۱) صحیح احادیث میں منافق کی ایک نشانی یہ قرار دی گئی کہ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، چنانچہ رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "منافق کی نشانیاں تین ہیں، ۱ : جب بات کرے تو جھوٹ بولے ۲ : جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، ۳ : اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۲)، جب لوگ امانت کو مال غنیمت سمجھنے لگیں اور اس میں خیانت کرنے لگیں تو اس کو حدیث رسول ﷺ میں فتنوں کے آغاز اور قرب قیامت کی نشانی قرار دیا گیا، (۳) ایک متفق علیہ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ قرب قیامت میں امانت لوگوں کے دلوں سے اٹھالی جائے گی ، لوگ معاملات کریں گے لیکن کوئی بھی امانت (شرعی حقوق اور امانت ودیانت داری) کا لحاظ نہ رکھے گا، یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگے گا فلاں قبیلہ میں ایک "امین شخص" ہے یعنی اس درجہ ایسے لوگوں کی قلت ہوجائے گی۔ (۴)

---

(۱) کنز العمال ۲/۱۵ ، ط حیدر آباد دکن ، از طبرانی کبیر عن ابن مسعود

(۲) ترمذی عن ابی ہریرہ ، باب ماجاء فی علامہ المنافق کتاب الایمان

(۳) ترمذی عن حذیفۃ ، باب ماجاء فی رفع الامانۃ ابواب الفتن

(۴) بخاری عن حذیفہ ، باب رفع الامانۃ کتاب الفتن الرقاق

ملازمت میں امانت واخلاص

سوال : ہم تین شخص ایک کمپنی میں کام کرتے ہیں، کبھی کبھار ہم میں سے کوئی ایک مکۃ مکرمہ یا مدینہ منورہ چلا جاتا ہے اور اس کے کام کو باقی وہ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، کمپنی کو اس کا علم نہیں ہوتا، جب کہ ہم تینوں میں ایک ڈپارٹمنٹ کا مینجر بھی ہے، تو کیا ہم اس مینجر سے پوچھ کر جا سکتے ہیں ،اور کیا مینجر خود بھی کمپنی سے اجازت لئے بغیر جا سکتا ہے؟ نیز اگر ہم میں سے کوئی رمضان کا آخری عشرہ حرم شریف میں گزارنا چاہے اور ان دس دنوں کی تنخواہ کٹوادے تو کیا مینجر کمپنی کو بتائے بغیر اجازت دے سکتا ہے یا نہیں؟ (ف،د،خان-جدہ)

جواب : آپ جہاں ملازمت کرتے ہیں یا جس کمپنی میں ملازم ہیں، اس کے مالک یا وکیل یا ذمہ دار شخص سے جن جن باتوں پر آپ کا معاہدہ ہوا ہے ان کو پورا کرنا ضروری ہے، کمپنی کے ذمہ دار شخص کی اجازت سے (بشرطیکہ کمپنی نے اس شخص کو یہ اختیار دیا ہو) آپ کہیں بھی جا سکتے ہیں، اور آپ اپنی تنخواہ کٹوا کر دس دن مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ بھی جا سکتے ہیں، لیکن اس بات کو بھی نہ بھولیں کہ مکہ اور مدینہ جانا، اعتکاف میں بیٹھنا، عمرہ کرنا یہ سب نفلی عبادتیں ہیں، جبکہ امانت واخلاص سے اپنا کام یعنی ملازمت کرنا فرض ہے اور فرض عمل میں کسی بھی قسم کی کوتاہی یا سستی آپ کی کمائی کو حرام یا کم از کم مشکوک ضرور بنا دیتی ہے،(۱) لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ان نفلی عبادتوں کو چھٹی کے اوقات میں انجام دیں اور اپنی پوری توجہ اپنی نوکری پر دیں، پھر آپ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اپنے لئے اور اپنی اولاد وگھربار کے لئے روزق حلال کمانا بجائے خود عبادت بلکہ بڑی عبادت ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو : تفسیر معارف القرآن ۸/ ۶۹۴ تفسیر سورہ تطفیف

امانت میں تجارت

سوال: دو شخص آپ میں کافی اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں، ایک نے دوسرے کے پاس بطور امانت کچھ رقم رکھی اور اس نے اسے کاروبار میں لگادیا، اس نیت سے کہ اگر نفع نقصان ہوگا تو اصل مالک کو بھی اس میں سے حصہ دونگا، رقم رکھنے والے کو بھی اس کا علم ہے، کہ اس کا ساتھی اس کی رقم سے کاروبار کررہا ہے، اب جبکہ کاروبار چند سال بعد ختم ہوگئے تو کاروبار کرنے والے نے اپنے ساتھی کو اصل رقم کے ساتھ کچھ منافع بھی اپنی خوشی سے دیا اور دوسرے شخص نے بھی بغیر کسی شک و شبہ کے اسے منافع تصور کرکے اس سے قبول کرلیا لیکن کیا یہ منافع ہے یا سود؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟ (محمد حسین-جدہ)

جواب: آپ نے جو صورت ذکر کی ہے وہ "مال امانت میں تجارت" کی صورت ہے، یہ جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں ابن رشد قرطبی نے کچھ تفصیل لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالک، لیث بن سعد، امام ابو یوسفؒ اور فقہاء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ اصل سرمایہ امانت رکھنے والے کو (مؤدع) کو واپس کردے تو نفع اس کے لئے حلال ہو جائے گا، اگر وہ غاصب ہو تا جب بھی یہ نفع اس کے لئے جائز ہوتا اور اس وقت تو یہ امانت دار ہے، ـــــ امام ابو حنیفہؒ امام زفرؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ وہ اصل سرمایہ مودع کو واپس دے اور حاصل ہونیوالے نفع کو صدقہ کردے، گویا ان حضرات کے نزدیک امانت میں تجارت درست نہیں اگر کر بھی لے تو حاصل ہونے والا نفع اس کے لئے حلال نہیں ہوگا(۱)، بعض لوگ سیدنا عمرؓ کے اسوہ کی بناپر جس میں یہ ہے کہ ان کے صاحبزادے عبد اللہ اور عبید اللہ کو سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کی ایک رقم عراق میں دی کہ وہ مدینہ پہنچادیں، انھوں نے راستہ میں اسے کچھ مال خرید کر بیچ لیا، جس سے کچھ فائدہ ہوا، سیدنا عمرؓ کو جب علم

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۱۲

ہوا تو انھوں نے پوری رقم بیت المال میں داخل کرنے کے لئے کہا، لیکن ایک صاحب کے کہنے سے آپ نے اسے مضاربت قرار دے کر نصف فائدہ ان لوگوں کو دیدیا، اور نصف بیت المال میں داخل کر دیا، (۱) اگر مالک کی اجازت ہو تو یہ جائز ہے ہی، لیکن اگر صریح اجازت نہ ہو، اور امانت رکھوانے والے کو معلوم ہو کہ اس کی امانت کی رقم تجارت میں امانتدار لگا رہا ہے اور اس وقت وہ خاموش رہے تو یہ بھی اجازت ہی کے حکم میں ہے، اور جائز ہے لیکن اگر اجازت نہ ہو اور اصل سرمایہ کو کوئی خطرہ نہ ہو تو سیدنا عمرؓ کے اسوہ کی روشنی میں اسے مضاربت قرار دے کر نفع جائز کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، تاہم امانت کی اہمیت اور ذمہ داری کے پیش نظر امام ابو حنیفہؒ کی رائے پر عمل کرنے میں ہی احتیاط ہے۔

آپ کی دریافت کردہ صورت میں مالک کی طرف سے خاموش اجازت و رضامندی حاصل ہے، اگر وہ راضی نہ ہوتا تو آپ کو تجارت سے منع کر دیتا، لہٰذا آپ کا عمل درست ہے اور حاصل ہونے والا نفع بھی حلال ہے۔

سود کا مصرف

سوال: بینک کے ذریعے حاصل ہونے والے سود کی رقم سے کیا ہندوستان میں سڑک کی مرمت کرائی جا سکتی ہے، جبکہ وہ سڑک مسجد کی طرف جا رہی ہو اور ہر طرح کے لوگوں کا وہ عام راستہ بھی ہو یعنی امیر و غریب، ہندو، مسلم، سبھی اس راستہ سے گزرتے ہوں ورنہ بصورت دیگر سود کی رقم کہاں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ (اسرار احمد - شادق)

جواب: سود کی رقم ثواب کی نیت کے بغیر کسی ضرورت مند مستحق کے حوالے کر دینا چاہیے، یہی زیادہ بہتر ہے، سڑک کی مرمت بھی اس رقم سے مناسب نہیں۔ (۲) الا یہ کہ کسی علاقے میں راستہ بنانا یا سڑک بنوانا شدید ضرورت ہو اور اس کام کے لئے جائز و حلال سرمایہ کسی کے پاس نہ ہو۔ واللہ اعلم

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۲/۳۱۲ (۲) فتاوی رحیمیہ ۳/۲۶۰

سود جائز نہیں

سوال : کیا کوئی بیوہ عورت اپنے شوہر کا پیسہ بینک میں رکھ کر اس پر جو سود ملے اس سے اپنا گھر چلا سکتی ہے ؟ جب کہ اس بیوہ کا اور کوئی کمانے والا نہیں ؟ (سید واجد علی - مکہ مکرمہ)

جواب : شوہر کا پیسہ اگر اس نے زندگی میں بیوی کو نہ دیا ہو تو وہ شوہر ہی کی ملکیت ہے ، اس کے مرنے کے بعد شرعی طور پر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، تاہم بیوی اپنے حصے میں آنے والی رقم کو بینک میں رکھ کر اس سے حاصل ہونے والے سود سے گھر نہیں چلا سکتی کیونکہ سود کھانا حرام و ناجائز ہے اور ایسے لوگوں پر اللہ و رسول کی لعنت ہے ، البتہ وہ اپنی رقم کو جائز تجارت و کاروبار وغیرہ میں لگا سکتی ہے۔

سود سے بیوہ کی مدد

سوال : اگر کوئی شخص بینک میں صرف اس مقصد سے رقم رکھے کہ اس سے ملنے والے سود سے بیوی کی مدد کرے تو کیا یہ درست ہے ؟

جواب : روپے کی حفاظت کی خاطر اسے بینک میں رکھنا درست ہے ، اس سے ملنے والے سود کو بلا نیت ثواب کسی ضرورت مند اور مستحق کو دیدینا چاہیے ، اگر بیوہ غریب و حاجت مند ہو تو اسے بھی یہ رقم دی جا سکتی ہے ، لیکن غریبوں کی مدد کی نیت سے بینک میں کچھ رقم فکس ڈپازٹ کرا دینا جائز نہیں ، اس کی علماء نے اجازت نہیں دی۔(۱)

مال حرام کا مصرف

سوال : میری بیوی نے کچھ رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کر دی تھی ، اب جبکہ کچھ مدت میں پورا پیسہ ملنے والا ہے ہمیں یہ فکر ہوئی ہے کہ یہ تو حرام ہے اور اس کا استعمال اپنی ذات پر قطعی حرام ہے ، ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی

---

(۱) نظام الفتاوی ۱/۱۹۰ ناشر : اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

اصل رقم نکال کر باقی پیسے کسی خیر کے کام میں خرچ کردیں، میرا ایک بھائی گھر خریدنے کے سلسلے میں کافی مقروض ہو چکا ہے، اور اس کی محدود آمدنی میں قرض چکانا مشکل نظر آتا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اس پیسے سے اس کا قرض چکادیں۔ (وسیم احمد - قصیم)

جواب: مالِ حرام کا مصرف یہ ہے کہ اس رقم کو اصل مالک تک پہنچادیں اور اس کے حوالے کردیں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی ضرورت مند و مستحق کو دیدیں، لیکن اس میں صدقہ و ثواب کی نیت درست نہیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور حلال و پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے، بینک سے حاصل ہونے والا سود اگر بینک میں چھوڑ دیا جائے تو چونکہ وہ رقم عموماً اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہی استعمال ہوتی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ سود بینک سے نکال کر بلا نیت ثواب کسی ضرورت مند کو دیدیں، آپ کے بھائی مقروض ہیں تو اس مال سے ان کی مدد کی جاسکتی ہے، اور ان کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے، بینک میں فکس ڈپازٹ کرنا جائز نہیں۔(۱)

کمیشن کی چٹی؟

سوال: میں انڈیا میں ایک لاکھ روپے کی چٹی میں شریک ہوں جس کا مجھے ہر ماہ ایک ہزار ریال یا ۸۰۰ روپے کمیشن آتا ہے، کیا یہ کمیشن لینا میرے لئے جائز ہے؟ (علی قریشی - دمام)

جواب: کمیشن کی چٹی جائز نہیں ہے اور کمیشن کے ذریعے حاصل ہونے والی زیادتی سود ہی ہے، لہٰذا آپ اس سود کو بلا نیت ثواب کسی مستحق اور ضرورت مند شخص کو دیں، آئندہ اس طرح کے سودی کاموں میں شرکت نہ کریں جو غلطی اس وقت ہوگئی ہے اس پر صدقِ دل سے توبہ استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

(۱) حوالہ سابق

بعینہ قرض کی واپسی

سوال : میں نے ایک رشتہ دار کو ۱۹۸۱ء میں آٹھ ہزار ریال قرض دیا جو کہ اس نے ریاض سے میرے پاس خمیس مشیط آکر اپنی کچھ مجبوریاں ظاہر کر کے مانگا، اور وعدہ کیا کہ ایک سال بعد ریال واپس کردونگا لیکن اب تک اس نے میری رقم واپس نہیں کی، وہ واپس جاچکا ہے، مگر اس کا بیٹا اس وقت ریاض میں برسر روزگار ہے، اس کی تنخواہ اور مالی حالت مجھ سے بہت اچھی ہے، وہ ریال کی گزشتہ قیمت (قرض لیتے وقت کے ریٹ) کے مطابق ۲۶ ہزار روپے پاکستانی کی شکل میں قرض ادا کرنا چاہتا ہے، جبکہ باہمی رضامندی سے ریال ہی کی ادائیگی طے ہوئی تھی، اس لئے میرا مطالبہ ریال واپس لینے کا ہے، کیا میں حق پر ہوں اور میرا مطالبہ درست ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

(عصام دین، غلام محمد - جدہ)

جواب : آپ کا مطالبہ بالکل درست ہے، آپ کو شرعاً قرض کی ادائیگی میں آٹھ ہزار ریال ملنے چاہئے، اس سلسلے میں اصول یہی ہے کہ جو چیز قرض میں لی جائے وہی ادا کی جائے، اگر ریال قرض لیا ہو تو ریال ادا کرے، اگر پاکستانی روپے قرض لئے ہوں تو پاکستانی روپے ادا کئے جائیں، جبکہ کوئی صراحت نہ کی گئی ہو اگر قرض لیتے وقت باہمی رضامندی سے یہ طے ہو گیا کہ ریال کے بجائے کوئی اور کرنسی میں قرض کی ادائیگی کی جائے گی اور کرنسی کی مقدار متعین کئے بغیر یہ صراحت مطلقاً ہو تب بھی قرض کی ادائیگی کے وقت ریال کی جو قیمت ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا، نہ کہ قرض لیتے وقت کی قیمت کا کیونکہ جو کرنسی قرض کے طور پر لی جائے، ادائیگی میں اصل اور معیار وہی ہو گی نہ کہ دوسری کرنسی، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

لو اقترض انسان مدحنطة وقبضه فله الاحتفاظ به ورد مثله ..... ويثبت فى ذمة المقترض مثله لاعينه . (۱)

---

(۱) الفقه الاسلامی وادلته : ۴/ ۴۲۳

اگر کسی نے ایک مد گیہوں قرض لیااور اس پر قبضہ کر لیا تو اس کو یہ اختیار ہے کہ خود استعمال کرے اور اس کے مثل لوٹادے ......
قرض لینے والے کے ذمہ مثل واجب ہوتا ہے نہ کہ عین۔

لہٰذا اگر آپ ۱۹۸۱ء میں آٹھ ہزار ریال کے بجائے ۲۶ ہزار پاکستانی روپے قرض دیتے تو اس وقت آپ ۲۶ ہزار پانے ہی کے حقدار ہوتے (اور ریال کی صورت میں ادائیگی ہو تو ۲۶ ہزار پاکستانی روپے کے مساوی ریال) لیکن آپ نے آٹھ ہزار ریال قرض دیا اور یہ صراحت بھی کر دی کہ مجھے ریال ہی ادا کرنا ہوگا لہٰذا (اگر آپ صراحت نہ کرتے تب بھی) آپ آٹھ ہزار ریال قرض وصول کرنے کے حقدار ہیں۔

مغسلہ میں ملازمت

سوال : مغسلہ ملابس میں کپڑے دھونے کا کام کرنا جائز ہے یا ناجائز اسی طرح بیسارہ (گٹر) والی گاڑی چلانا یا گٹر کو صاف کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ اس میں کپڑے پاک صاف رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

(الف، گ، ل۔ تبوک)

جواب : عرف عام میں یہ پیشے کمتر سمجھتے ہیں شرعاً اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیوں کہ اس سے گناہ اور معصیت میں تعاون نہیں ہوتا، کپڑے یا جسم ناپاک ہو جائیں تو انہیں پاک کرنا ضروری ہوگا۔

لاٹری جائز نہیں

سوال : کیا لاٹری جائز ہے؟

جواب : لاٹری میں سود اور جوا دونوں پایا جاتا ہے، اس لئے کہ جو ٹکٹ خریدتا ہے، اگر اس کا نام نکل آئے تو اس کی لگائی ہوئی رقم کے معاوضہ میں زائد رقم ملتی ہے یہی سود ہے، اس میں نفع کی توقع بھی رہتی ہے اور نقصان کا خطرہ بھی، کہ نام نکل آیا تو نفع ورنہ

اصل رقم بھی ڈوب جاتی ہے، نفع و نقصان کے اسی خطرہ کو قمار اور جوا کہتے ہیں، لہٰذا اس کے ٹکٹوں کی خرید و فروخت اور اس میں حصہ لینا جائز نہیں۔

کیا یہ رقم واجب الادا ہے؟

سوال: میں روزانہ حسب استطاعت اللہ کے نام پر کچھ ریال ایک مخصوص جگہ رکھتا ہوں، یہ سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے، جب کافی رقم جمع ہو جاتی ہے تو کسی بھی ضرورت مند کو دیدیتا ہوں، چند دن قبل میں عمرہ کے لئے گیا تھا، اس درمیان میرے گھر چوری ہوئی اور چور وہی رقم (جو میں اللہ کے نام پر جمع کر رہا تھا)، اور اس کے ساتھ کچھ دوسری رقم بھی دوسرے کمرے سے لے گیا، مجھے اس رقم کی مقدار معلوم نہیں کیونکہ میں درمیان میں اسے گنتا نہ تھا بلکہ جب کوئی ضرورت مند سامنے آتا تب ہی اسے نکالتا اور گنتا تھا اندازاً یہ رقم ڈھائی تین ہزار ریال رہی ہوگی، کیا اتنی رقم مجھے اپنی جیب سے صدقہ کرنا ہوگی کیونکہ میں یہ اللہ کے نام پر صدقہ و خیرات ہی کے لئے جمع کر رہا تھا مجھے اطمینان نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی جیب سے یہ رقم دینی پڑے گی اس سلسلے میں آپ سے رہنمائی کا طالب ہوں۔

(شمیم اختر۔ ریاض)

جواب: آپ نے وہ مشہور حدیث تو اہلِ علم سے بار بار سنی ہوگی، کہ (انسان کے) تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، آپ صدق نیت سے پیسے جمع کرتے رہے، تاکہ مناسب رقم جمع ہونے پر اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں غرباء و مساکین پر تقسیم کیا جائے، آپ کو آپ کی نیت کے مطابق پورا اجر و ثواب ملتا رہے گا، یہ الگ بات ہے کہ کسی مجرم نے یہ رقم چرالی، آپ پریشان نہ ہوں اور نہ ہی آپ کے ذمہ اس رقم کو ادا کرنا ضروری ہے، اگر درمیان سال زکوٰۃ کا مال چوری ہو جائے یا جل جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے،

لو هلك الكل حيث يبطل حكم الحول ولا تجب الزكوٰة۔ (۱)

جب زکوٰۃ معاف ہو جاتی ہے تو صدقہ نافلہ بدرجہ اولیٰ معاف ہوگا زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور صدقہ قرض نہیں بلکہ بندہ کے اختیار میں ہے، لہٰذا حسب توفیق رقم جتنی رقم پہلے جمع کر کے فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے اسی طرح اب بھی یہ نیکی انجام دیتے رہیں۔

جعلی کرنسی کے کاروبار میں تعاون

سوال: اگر کوئی ضرورت مند کی مجبوری کے باعث کسی آدمی سے قرض لینا چاہے، تو کیا وہ ایسے شخص سے قرض لے سکتا ہے جس کے متعلق وہ جانتا ہے، کہ وہ آدمی کرپٹ ہے یا اس کے ذرائع آمدنی ناجائز اور حرام ہے؟ اگر نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی کو قرض کی ضرورت پڑے اور وہ دوست احباب سے قرض لینا چاہے، تو قرض لینے والے پر ضروری ہے کہ وہ چھان بین کرے کہ آیا ان لوگوں کی کمائی حلال ہے یا حرام؟ جبکہ آجکل سو فیصد حلال روزی کا حصول مشکل ہوتا جارہا ہے۔

سوال: میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نے ایک آدمی سے جو کہ جعلی کرنسی سپلائی کرتا ہے، معاہدہ کیا اور ہمارے درمیان یہ اتفاق ہوا ہے کہ وہ مجھ سے چالیس ہزار روپے اصل لے کر ایک لاکھ روپے جعلی دے گا، اور اسی حساب سے جتنی ضرورت ہو لے سکتا ہوں، پھر اس کا دعویٰ ہے کہ "نقل مطابق اصل" کے مصداق وہ نوٹ اصلی ہی ہونگے، لیکن حکومتی کمپیوٹر میں ان کا اندراج نہیں ہوگا—— اب جبکہ میں اس سے معاہدہ و اتفاق کر چکا ہوں اور وہ اس سلسلے میں وطن جا چکا ہے، مجھے یہ خلش ہے

---

(۱) هدایه ۱/۱۷۶ ط: دیوبند انڈیا

کہ کیا میرا یہ اتفاق جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا میری ذکر کردہ پہلی صورت کے مطابق میں اس سے بطور قرض کچھ رقم لے لوں اور جتنا قرض لوں حالات صحیح ہونے پر اتنا ہی واپس کردوں اس میں کوئی سود، (کمی زیادتی) نہ ہو تو کیا یہ میرے لئے جائز ہوگا؟ امید کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے۔ (علی احمد۔ التیمہ)

جواب: ضرورت کی بنا پر اگر کسی سے قرض لینا ہو تو یہ ضروری نہیں کہ اس شخص کے بارے میں چھان بین کی جائے اور یہ تحقیق و جستجو کی جائے کہ آیا اس کی آمدنی حلال ہے یا حرام؟ حتی الامکان ہر ایک کے بارے میں حسن ظن ہی رکھنا چاہئے، تاہم اگر کوئی اپنے حرام کاروبار میں مشہور ہو اور سب جانتے ہوں کہ فلاں شخص کی آمدنی حرام ہے تو پھر ایسے شخص سے قرض کا لین دین جائز نہیں اور اگر اس کو قرض دیا جائے تو اس کے ناجائز کام میں تعاون کی وجہ سے یہ موجب گناہ بھی ہوگا، کیونکہ ارشاد باری ہے، "نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور سرکشی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو" (المائدہ ۲) لیکن بدرجہ مجبوری ایسے شخص سے قرض لینا جائز ہے، اگر اصل مالک کے حق میں وہ روپیہ حرام ہو تو قرض لینے کی وجہ سے مقروض کے لئے بھی وہ رقم حرام نہیں ہوتی، کیونکہ وہ روپیہ اس کے پاس بطور قرض کے ہیں جو کہ واجب الادا ہے۔

لیکن جعلی کرنسی سپلائی کرنے والے سے جو معاہدہ اور اتفاق آپ نے کیا ہے، وہ کسی طرح جائز نہیں، کیونکہ یہ بہت بڑا دھوکہ اور ناجائز کاروبار میں تعاون ہے، جو کسی طرح جائز نہیں، پھر اس سے قرض کے عنوان سے کچھ رقم لیکر بعد میں اتنی ہی رقم واپس کرنے کی جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس کی حیثیت بھی دل کی تسلی کے ایک حیلے سے زیادہ نہیں، ظاہر ہے وہ آپ کو جعلی کرنسی ہی دیگا، اور بعد میں آپ اسے اصلی کرنسی دینگے، اس طرح اس سے قرض لینا بھی اس کے ناجائز کام میں تعاون کرنا ہے، لہٰذا اس سے قرض لینا بھی جائز نہیں بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک اس کو اس

کام سے روکنا اور اسے نصیحت کرنا آپ کی ذمہ داری ہے نہ کہ مزید اس کی ہمت افزائی اور تعاون کرنا، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے، جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں (۱) یعنی اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ہے، قیامت کے دن میں اس شخص کا خصم (فریق) ہونگا جس نے کسی آزاد شخص کو (دھوکہ دے کر) فروخت کر دیا اور اس کی قیمت کھا گیا اس طرح جانتے بوجھتے دھوکہ دہی کے کاروبار کرنے والوں کا تعاون کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ (۲)

مضاربت کی ناجائز شکل

سوال : میرے ایک دوست نے کاروبار کرنے کے لئے ایک آدمی سے بیس ہزار ریال لئے اس آدمی نے اس شرط پر رقم دی کہ جتنا فائدہ ہوگا اس کو دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کریں گے اور اگر نقصان ہو گیا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں بلکہ مجھے پورے بیس ہزار ریال ادا کرنا ہوگا، کیا یہ صورت صحیح ہے؟ (عبدالرزاق۔ مکہ مکرمہ)

جواب : اس طرح کے کاروبار کو مضاربت کہا جاتا ہے اس کے صحیح ہونے کے لئے نفع نقصان میں شرکت ضروری ہے یعنی جس تناسب سے نفع کی تقسیم کا معاہدہ ہو اسی تناسب سے (نقصان ہونے کی صورت میں) نقصان برداشت کرنا بھی ضروری ہے، لہٰذا مذکورہ آدمی کا یہ شرط لگانا کہ میں نقصان کا ذمہ دار نہیں، صحیح نہیں ہے، یہ شرط باطل ہوگی اور عقد مضاربت درست رہے گا، فقیہ العالم الاسلامی ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

ان كان الشرط لا يؤدى الى جهالة الربح يبطل الشرط ويصح العقد ، مثل ان يشترط المالك ان تكون الخسارة

---

(۱) ترمذی عن ابی هريره ، باب ماجاء فی کراهية الغش فی البيوع

(۲) بخاری عن ابی هريره ، باب اثم من باع حرّا ، کتاب البيوع

على المضارب اوعليها فالشرط يبطل يبقى العقد صحيحاً ، والخسارة تكون على المالك فى مال المضاربة . (۱)

اگر شرط ایسی لگائی جائے کہ جس سے نفع مجہول نہ ہو تو شرط باطل ہوئی اور عقد صحیح ہوگا، مثلاً مالک شرط لگائے کہ کاروبار کا نقصان صرف مضارب پر ہوگا یا دونوں پر ہوگا تو شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا اور مال مضاربت میں ہونے والا نقصان مالک پر بھی ہوگا۔

اگر اس رقم کو بطور قرض کے رکھا جائے تو اس شخص کو پورے بیس ہزار ریال ادا کرنا ضروری ہے، اس صورت میں کاروبار میں نفع یا نقصان کے ذمہ دار صرف آپ کے دوست ہوں گے۔

جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنا

سوال : میں جس دکان پر کام کرتا ہوں وہاں کچھ اور لوگ بھی ملازم ہیں یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مال فروخت کرتے ہیں مجھے بھی مالک نے کئی بار کہا ہے کہ تم بھی گاہک کے سامنے قسم کھالیا کرو، کیا یہ جائز ہے؟

جواب : رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تزکیہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت بھری نگاہ بھی نہیں ڈالے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ان تینوں میں ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتا ہے۔ (۲)

جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں اس سے سخت اور شدید وعیدیں موجود ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی

---

(۱) الفقه الاسلامی ادلته ۸۴۸/۸، ط: بیروت

(۲) ترمذی عن ابی ذر ، باب ماجاء فی من حلف علی سلعته کاذباً ، کتاب البیوع

دوسرے مسلمان کا حق دبالیا تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا، کہ اللہ اس سے سخت ناراض ہوگا (۱) بلکہ بعض علماء نے جھوٹی قسم کھانے والے کو ملعون قرار دیا ہے، آپ ہرگز جھوٹی قسم نہ کھائیں اور اس بڑے گناہ کا ارتکاب نہ کریں اور ہو سکے تو اپنے مالک کو سمجھائیں، شاید آپ کی نرم بات اور نصیحت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بھی ہدایت دیدے۔

شراب کا کاروبار

سوال : سگریٹ، بیڑی پان تمباکو اور شراب کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی یا حرام؟

(محمد جمیل اختر، حفرالباطن)

جواب : جو چیزیں ناپاک اور حرام ہیں، ان کی خرید و فروخت بھی درست نہیں، جس طرح وہ اشیاء حرام ہیں اسی طرح ان سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہوگی، چنانچہ ایک روایت میں رسول کریم ﷺ نے شراب، مردار اور خنزیر وغیرہ کی خرید و فروخت کو بھی حرام قرار دیا، (۲) لوگوں نے چراغ کے لئے خنزیر کی چربی کا حکم دریافت کیا تو ارشاد فرمایا، یہود پر اللہ کی لعنت ہو ان پر چربی کو حرام قرار دیا گیا، تو وہ اس کو بیچنے اور اس کی قیمت کھانے لگے (۳) لہٰذا جس طرح شراب پینا حرام ہے اسی طرح اس کی تجارت بھی حرام اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام و ناجائز ہے، سگریٹ، بیڑی اور تمباکو کو بھی علماء حرام کہتے ہیں لہٰذا اُن کے نزدیک اس کی تجارت بھی حرام ہوگی جبکہ بعض علماء ان اشیاء کی حرمت کے نہیں بلکہ صرف کراہیت کے قائل ہیں۔ (۴)

---

(۱) ابوداؤد عن عبداللہ ۲/۲۶۲، باب فی من حلف یقتطع بها مالاً

(۲) بخاری، باب بیع المیتة والاصنام، کتاب البیوع

(۳) ابو داؤد عن جابر بن عبداللہ، باب فی ثمن الخمر و المیتة، کتاب البیوع

(۴) ملاحظہ ہو : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی کتاب حلال وحرام ص : ۱۷۰

کبیرہ گناہ میں تعاون کے ذریعہ کمائی حرام

سوال : میں ایک بار بر شاپ پر کام کرتا ہوں اور ظاہر ہے کہ لوگ سر کے بال چھوٹے کروانے کے ساتھ ڈاڑھی منڈوانے بھی آتے ہیں مجھے اب کسی نے بتایا ہے کہ تمہارا یہ کام شرعاً حرام ہے، اور اس کی کمائی بھی ناجائز ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (گل زار خمیس مشیط)

جواب : قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون مت کرو۔ (مائدہ-۲) کسی مسلمان کی ڈاڑھی مونڈنا یقیناً کبیرہ گناہ ہے اور کسی بھی گناہ کے عوض جو کچھ کمایا جاتا ہے وہ ناجائز ہی ہوتا ہے۔(۱)

آپ کوشش کریں کہ اس کام کے علاوہ کوئی اور کام مل جائے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے اور یقین کامل کے ساتھ اس کام کو ترک کر دیجئے کیونکہ، جو بندہ اپنے رب کی رضا کی خاطر کوئی بھی عملی قدم اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے تنہا نہیں چھوڑتا اور اس کی غیبی مدد فرماتا ہے۔

مضاربت کی ناجائز شکل

سوال : میرے ایک عزیز نے اپنے کسی دوست کو جو کہ قصائی ہے، کاروبار کیلئے ۵۰۰۰۰ روپے دیئے ہیں، طے یہ پایا ہے کہ ہر بھینس کے ذبح کرنے پر ۳۰۰ روپے فی بھینس نفع کے طور پر وہ دے گا، جبکہ بقول قصاب کے کبھی کسی بھینس پر اس کو ۱۵۰۰ فائدہ ہوتا ہے کبھی کم اور کبھی کچھ بھی نہیں بچتا، بلکہ خسارہ بھی ہوتا ہے، مگر مجموعی طور پر فائدہ ہی ہوتا ہے، وہ ہفتے کی ۶؍ بھینسیں اکٹھی خرید لاتا ہے، لہٰذا اس حساب سے ہر ہفتہ ۱۸۰۰ روپے میرے عزیز کو ادا کر دیتا ہے، کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟

---

(۱) حلال وحرام، ص : ۳۵۲

بلکہ ہمارے علاقے کے بیوپاری حضرات عموما بھینس خرید لاتے ہیں، اور قصاب حضرات ۳۰۰ روپے فی بھینس نفع دے کر لے جاتے ہیں ادائیگی بھی جانور ذبح کر کے فروخت کے بعد کرتے ہیں، خواہ انہیں نفع ہو یا نقصان کیا یہ اسلامی نگاہ سے صحیح تجارت ہے؟ (گل خان-ابہا)

جواب : حصول نفع کی پہلی صورت تو جائز ہے جو آپ نے اپنے عزیز کے بارے میں ذکر کی ہے اس لئے کہ کاروبار میں شرکت کے جائز ہونے کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ پیسہ لگانے والا بھی نفع و نقصان دونوں میں شریک ہو اور اس کے لئے کوئی نفع متعین نہ ہو بلکہ نفع و نقصان کا تناسب متعین کیا جائے اور یہ تناسب باہمی رضامندی سے کم بھی ہو سکتا ہے یا زیادہ بھی، مثلاً آپ کے عزیز یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دوست کو رقم دے کر کاروبار کرنے یا دوکان چلانے کے لئے کہیں، اور اپنے لئے نفع کا تناسب اس طرح متعین کرلیں کہ جو بھی نفع ہو گا، اس کا بیس فیصد یا پچیس فیصد حصہ میرا ہو گا یہ صورت جائز ہو گی، اب قصائی کو جو بھی نفع ہو، اس کا بیس یا پچیس فیصد حصہ آپ کے عزیز کا ہو گا اور اگر قصائی کو نقصان ہو تو آپ کے عزیز اس نقصان میں بھی اسی تناسب سے شریک رہیں گے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے مضاربت صحیح ہونے کی شرطوں کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

ثانیاً ان یکون الربح جزءً امشاعاً أی نسبة عشرية اوسهماً من الربح كان يتفقا على ثلث او ربع اونصف .(۱)

دوسری شرط یہ ہے کہ نفع جزء مشاع (مشترک حصہ) ہو یا نفع کا ایک حصہ متعین ہو مثلاً ار تہائی یا ایک چوتھائی یا نصف حصہ مضارب کا ہو اور بقیہ رب المال کا۔

---

(۱) الفقه الاسلامی و ادلته ۴/۸۵۰

سوال میں جو دوسری صورت ذکر کی ہے وہ جائز ہے کیونکہ وہ حقیقت میں کاروبار میں شرکت و مضاربت کی شکل نہیں بلکہ ادھار خرید و فروخت کی صورت ہے، مثلاً ایک شخص ۶۰۰ روپے میں بھینس خرید تا ہے اور قصاب اس سے یہ بھینس ہزار روپے میں نقد دیکر یا ادھار، یہ کہہ کر خرید لیتا ہے کہ میں اس کو ذبح کرنے اور اس کا گوشت فروخت کرنے کے بعد قیمت ادا کرونگا، تو یہ صورت جائز ہے، چاہے قصاب کو نفع ہو یا نقصان، وہ بیوپاری کو جتنی قیمت طے پائی ہے، وہی ادا کرے گا، خرید و فروخت میں نفع و نقصان تو ہوتا ہی ہے، ہر شخص یہی چاہے گا کہ قیمت خرید سے کچھ نفع لیکر چیز کو فروخت کرے، لہٰذا بیوپاری حضرات کا اپنے پیسوں سے جانور خرید کر قصائیوں کو فی جانور ۳۰۰ روپے (یا اس سے کم زیادہ) نفع لے کر فروخت کرنا جائز ہے، اور یہ خرید و فروخت نقد بھی ہو سکتی ہے اور ادھار بھی۔

تجارت میں جھوٹ بولنے کی اجازت؟

سوال : کیا تجارت و کاروبار میں جھوٹ بولنا جائز ہے، ایک صاحب نے یہ کہہ کر جائز بتلایا کہ اگر کوئی دکاندار خریدار کو سچ سچ بتلادے کہ یہ چیز میں نے اتنے روپیوں میں خریدی ہے، تو پھر کوئی خریدار زیادہ نفع دینے کو تیار نہیں ہوتا۔ (محمد نقیب اختر - جیزان)

جواب : جھوٹ چاہے تجارت میں ہو یا عام بول چال میں حتی کہ ہنسی و مذاق ہی کیوں نہ ہو حرام اور کبیرہ گناہ ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہلاک و برباد ہو، وہ شخص ہلاک و برباد ہو، وہ شخص ہلاک و برباد ہو، جو دوسروں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے، (۱) قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے، (اعراف-۶۶) احادیث میں جھوٹ کو نفاق کی نشانی بھی قرار دیا ہے۔ (۲)

---

(۱) ابوداؤد باب فی التشدید فی الکذب، کتاب الادب

(۲) ترمذی باب ماجاء فی علامة المنافق، ابو ب الایمان

تجارت و کاروبار میں جھوٹ نہ صرف ایک جھوٹ ہے، بلکہ یہ ایک طرح سے خریدار کے ساتھ دھوکہ و فریب بھی ہے، لہٰذا اس صورت میں اس کا وبال اور گناہ بہت زیادہ ہو جائے گا، نفع و نقصان کا تعلق جھوٹ بولنے سے نہیں ہے بلکہ سچائی کو اختیار کر کے بھی زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جا سکتا ہے، نیز حدیث میں سچے اور امانت دار تاجر کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے سچے اور امانت دار تاجر کو جنت میں اپنی رفاقت و معیت کی خوشخبری سنائی ہے،(۱) لہٰذا کسی بھی صورت میں سچائی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

سکے یا ٹیلیفون کارڈ کی خرید و فروخت

سوال: یہاں اکثر ٹیلیفون بوتھوں پر ۵۰ ریال کے فون کارڈز ۵۵ ریال میں اور ایک ریال والے دس سکے گیارہ ریال میں فروخت کئے جاتے ہیں، یہاں بعض ٹیلیفون بوتھس کے سامنے ہمارے ایک دوست کا بقالہ ہے، بعض ساتھیوں کا اصرار ہے کہ وہ یہ کاروبار شروع کرے، اور پچاس ریال کے کارڈز ۵۳ ریال میں فروخت کرے، کیا یہ خرید و فروخت جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہے یا یہ کاروبار ناجائز اور حرام ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ (ایس، ایس- الحسا،)

جواب: سکے اور نوٹوں کا تبادلہ (لین دین) کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں اور یہ سود ہے، بلکہ ضروری ہے کہ یہ معاملہ برابری کا ہو، مثلاً نوٹ کی شکل میں دس ریال لئے جائیں، تو سکے بھی مکمل دس ریال کے یعنی ایک ایک ریال کے دس سکے دینے ہوں گے، نو ریال کے سکے دیکر ایک ریال نفع لینا یا اس سے زیادہ نفع لینا سود ہے، جو ناجائز اور حرام ہے،(۲) البتہ ٹیلیفون کارڈز کی حیثیت سرکاری نوٹ یا سکے کی نہیں ہے لہٰذا اس کی

---

(۱) ترمذی باب ماجاء فی التجار الخ عن ابی سعید الخدری

(۲) جدید فقہی مسائل ۲/۴۳، ط: دہلی

خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ یعنی نفع لے کر جائز ہے، اس طرح پچاس ریال کی مالیت کا ٹیلیفون کارڈ پچاس ریال سے زیادہ میں فروخت کیا جاسکتا ہے، اور یہ نفع بیچنے والے کے لئے حلال ہوگا، اسی طرح ڈاک ٹکٹ وغیرہ کا معاملہ ہے کہ اصل مالیت سے زیادہ میں (یعنی کچھ نفع لیکر) انہیں فروخت کیا جاسکتا ہے۔

خرید و فروخت میں کمیشن؟

سوال : بعض لوگ دوسروں کے لئے دلالی کر کے خرید و فروخت میں اپنا کمیشن وصول کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (اورنگ زیب- طائف)

جواب : شریعت اسلامیہ نے ہر معاملہ میں عدل وانصاف اور اعتدال کو مد نظر رکھا ہے اور بہت ساری چیزوں کو انسان کے اپنے خوفِ خدا پر چھوڑ رکھا ہے، رسول کریم ﷺ نے ایک اہم اصول بیان فرمادیا ہے کہ ایمان والا نہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی محنت و مشقت کا بدلہ جائز کمیشن کی صورت میں وصول کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور اگر یہ کام شریعت کے تجارتی اصول اور قواعد کے خلاف ہے، تو ناجائز ہے۔(۱)

تجارت اور کاروبار جائز ہے یا ناجائز؟

سوال : میرا الحمد للہ اپنا کاروبار ہے، اور اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے، اس کاروبار کی وجہ سے میں اپنے والدین کی اعانت و خدمت کرتا ہوں، اپنے گھر والوں کو بھی اچھی حالت میں رکھے ہوا ہوں، بہن بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کی بھی وقتاً فوقتاً مدد کرتا ہوں، رفاہی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہوں اور الحمد للہ ہر سال زکوۃ بھی باقاعدگی سے دیتا ہوں، اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا ہوں کہ کاروبار شریعت

---

(۱) حلال وحرام، ص: ۳۵۸

کے مطابق ہو، ابھی چند دن ہوئے میرے ایک دوست پاکستان سے عمرہ کرنے آئے اور انھوں نے مجھے ترکِ دنیا کی تلقین کی، تجارت اور کاروبار کے نقائص اور برائیاں گنوائیں، انھوں نے مجھے یہ مشورہ بھی دیا کہ یہ تجارت جتنی بڑھے گی اتنا ہی تمہارا زیادہ وقت دنیا میں لگے گا اور تم بالآخر دین سے بالکل دور ہو جاؤ گے حتی کہ فرض نماز بھی نہ پڑھ سکو گے، میرے اس دوست نے مجھے یہ حدیث بھی سنائی کہ تاجر قیامت کے دن فاجروں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔

اس سلسلہ میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے، ساتھ ہی اپنے جواب میں مختصر طریقے سے اسلامی تجارت کے بعض بنیادی اصول بھی بیان فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔ (عمر حسین میمن - جدہ)

جواب: اسلام دین فطرت ہے، اللہ تعالی نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور اس کے لئے پاک صاف چیزیں حلال قرار دیں، خبیث و غلیظ چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دیا، خرید و فروخت کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام، تجارت کو نہ صرف کسبِ معاش، دنیوی ترقی اور مال و دولت کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا بلکہ اسے (اگر یہ شریعت کے مطابق ہو تو) عبادت کہا گیا۔(۱)

کئی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ بات ثابت ہے کہ وہ خود خرید و فروخت، یعنی تجارت کیا کرتے تھے، خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجارت ہی کی غرض سے مکہ سے باہر کا سفر اختیار کیا، قرآن نے قریش مکہ کو گرمی سردی کے اسی تجارتی سفر کی الفت کو یاد دلا کر عبادت رب کی طرف راغب کیا، رب کعبہ نے تمہارے لئے دوسروں کے مقابلہ سردی گرمی میں تجارتی اسفار کو آسان اور پر امن بنادیا تو تمہیں چاہئے کہ اسی رب حقیقی کی عبادت کرو، (سورہ قریش) اللہ تعالی نے اسی تجارت (کسب معاش) کے بارے میں فرمایا کہ **وجعلنا النهار معاشا** .(نبا-۱۱) اور ہم نے دن کو معاش

---

(۱) ترمذی باب ماجاء في التجارة ،كتاب البيوع ، حديث نمبر : ۱۲۰۹

کے لئے بنایا، زمین کے بارے میں فرمایا کہ "زمین تمہارے لئے حصول معاش کا ذریعہ ہے" وجعلنا لکم فیها معایش. (اعراف-۱۰) طلب معاش کو جائز اور درست قرار دیا، (بقرہ-۱۹۸) بلکہ طلب معاش کے لئے سفر اور تگ ودو کا حکم بھی دیا۔ (مزمل-۲۰، جمعہ-۱۰)

دین اسلام بے کاری اور مفت خوری کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلام کام اور عمل و حرکت کا دین ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا میں بے کار آدمی کو ناپسند کرتا ہوں، خواہ دین میں ہو کہ دنیا میں، زیدؓ بن مسلمہ کاشتکاری کیا کرتے تھے، سیدنا عمرؓ نے ان کی اور ان کے اس کام کی تعریف کی، مشہور تابعی ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا "سچا تاجر صحیح تجارت کر کے شیطان سے جہاد کرتا ہے۔"

صحابہ کرامؓ میں جہاں زیادہ عباد صحابہ موجود تھے، وہیں بڑے بڑے تاجر صحابہ بھی ہمیں نظر آتے ہیں، جن میں سر فہرست سیدنا عثمانؓ بن عفان ہیں، جنہوں نے اپنے مال سے مدینہ کا کنواں کھدوا کر اہل مدینہ کے لئے پانی کا انتظام کیا۔

اسلام نے تجارت کو حلال و مباح قرار دیا ہے، اس کے لئے چند اہم شرائط اور آداب بھی بیان کئے تاکہ تاجر تجارت کرتے ہوئے حرام کاری اور ظلم وزیادتی، نیز نقصان و خسارے سے محفوظ رہے، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "(مومن) نہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے، نہ کسی دوسرے کو۔ (۱)

تجارت کی اہم شرائط و آداب اور قیود کا خیال رکھ کر صحیح تجارت کرنے والے تاجر کی فضیلت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "سچے اور امانت دار تاجر کا حشر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا" (۲) اسلام سے پہلے لوگ تاجر کو سمسار کہتے تھے (یعنی دلال) یہ ایک برا نام تھا، آپ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ جو تاجر تجارت کے قیود و آداب و شرائط کا خیال نہیں رکھتا تو ایسا تاجر فاجر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "جو تاجر جھوٹے اور بدمعاملہ ہوں تو ایسے تاجروں کو قیامت کے دن فاجروں کی

---

(۱) مسند احمد ۳۲۷/۵

(۲) ترمذی عن ابی سعید الخدری ، باب ماجاء فی التجار وتسمیة النبی صلی اللہ علیه وسلم ایاهم .

صورت میں اٹھایا جائے گا۔(۱)

تجارت کے آداب میں سب سے اول اور اہم بات یہ ہے کہ طریقہ کسب، یعنی کمائی کا طریقہ اور ذریعہ حلال اور جائز ہو، حرام اور ناجائز طریقوں سے کمائی ہوئی آمدنی نہ صرف یہ کہ حلال نہیں بلکہ وبال اور عذاب کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مجھے بتادیا گیا ہے کہ جس طرح موت انسان تک پہنچ کر رہتی ہے، اور اسی طرح رزق بھی انسان کی طرف پہنچ کر رہتا ہے، اور یہ شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنا رزق نہ پائے، اس لئے اللہ سے ڈرتے رہو اور کسب معاش کے لئے اچھے طریقے وذرائع اختیار کرو، رزق کی وقتی تنگی یا تاخیر کہیں تمہیں حرام ذرائع آمدنی پر آمادہ نہ کردے۔(۲)

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ تجارت، خرید وفروخت، دکانداری وغیرہ کسی شخص کو فرائض اور حقوق کی ادائیگی سے نہ روکے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایسے تاجروں کی تعریف کی ہے جنہیں ان کی تجارت، نماز اور اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی، (نور-۲۴) تجارت اور کسب معاش اعتدال پر ہو، تاجر نہ تو نرا توکل کر کے ظاہری اسباب ترک کرلے اور نہ ہی حریص ولالچی بن کر جائز وناجائز کی تمیز ہی ختم کردے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ سامان فروخت کی خامی چھپائی نہ جائے بلکہ اسے گاہک کے سامنے ظاہر کیا جائے، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ گندم کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر تراوٹ محسوس کی، فرمایا یہ کیا ہے؟ تاجر نے عرض کیا کہ بارش میں بھیگ گیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اس بھیگے ہوئے دانوں کو اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ سکیں، پھر فرمایا کہ "جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔(۳)

سامانِ تجارت فروخت کرتے ہوئے جھوٹ بولنا، اس سامان کا کوئی عیب چھپانا، یا جھوٹی قسم کھانا، کبیرہ گناہوں میں سے ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو جھوٹ

---

(۱) حوالۂ سابق (۲) الحلیہ لابی نعیم

(۳) ترمذی عن ابی ہریرہ، باب ماجاء فی کراھیۃ الغش فی البیوع

بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نگاہ رحمت نہیں فرمائیں گے۔(۱)

خرید و فروخت میں ایک دوسرے کی بولی پہ بولی لگانا بھی ناجائز ہے، ایک دوسرے کے مال پر اپنے کو مال کو ترجیحی قرار دیگر فروخت کرنا بھی ممنوع ہے (اس سے دوسرے مسلمان کو نقصان پہنچتا ہے) اسی طرح ذخیرہ اندوزی اور سامانِ تجارت بہت زیادہ مہنگا کر کے بیچنا بھی حرام ہے، ناجائز فروخت میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنا مال بکوانے کے لئے جھوٹے دلال اور جھوٹے گاہک بازار میں پھیلائے جائیں۔

اگر آپ کی تجارت صحیح تجارت ہے، شرعی آداب و قیود کی پابندی والی تجارت ہے اور آپ اس کے ذریعہ حقوق اللہ اور حقوق العباد صحیح طور پر ادا کر رہے ہیں تو آپ کی یہ تجارت عبادت ہے، آپ اپنے دوست کی باتوں کو بھلا کر اپنی تجارت میں مشغول رہیں، فرائض و واجبات کی پابندی کو ملحوظ رکھیں، حرام، جھوٹ، دھوکہ دہی اور دوسری خرابیوں سے اپنے کاروبار کو بچائے رکھیں، اپنے دوست کو بھی ہمارا جواب سنادیں کہ شاید وہ بھی تجارت کے صحیح مفہوم و معنی کو سمجھ سکیں۔

تجارت کے اصول و ضوابط سے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ یہ چند باتیں بیان کی گئی ہیں، تفصیل کے لئے حدیث و فقہ کی کتابوں میں کتاب البیوع (خرید و فروخت کے بیان) کا حصہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تالیف حلال و حرام میں معاملات کا باب یا خاص اس موضوع پر لکھی گئی اسلامی کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

سود کی تعریف

سوال : سود کسے کہتے ہیں؟ ہمارے علم کے مطابق اگر کسی نے سو ریال قرض لیا یا دیا ہو پھر بغیر کسی شرط کے ایک سو پانچ ریال واپس کرے یا لے تو وہ سود میں شامل نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ (امجد فاروقی-جدہ)

---

(۱) ترمذی عن ابی ذر ، باب ماجاء فی من حلف علی سلعته کاذباً

جواب : سود اس اضافہ کو کہتے ہیں، جس کے مقابلہ میں فریق ثانی کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو، (۱) سود کی یہی تعریف تقریباً دوسرے اہلِ علم نے بھی کی ہے، سود کی اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ سود وقتی ضرورت کے لئے لیا جائے یا تجارتی قرض پر، وہ بہر صورت حرام ہیں کیونکہ حدیث اور فقہاء کی تصریحات سے سود کی جو حقیقت سامنے آتی ہے، اس میں دونوں طرح کے سود شامل ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بینک سے جو زائد رقم ملتی ہے وہ زائد رقم سود میں داخل نہیں ہے، اور شاید آپ کا خیال بھی تقریباً اسی طرح کا ہے، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر طرح کے قرض پر نفع کے حصول کو ناجائز قرار دیا اور ارشاد فرمایا :

كل قرض جر منفعة فهو ربا . (۲)

آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی تجارتی قرضوں اور سودی قرضوں کا رواج تھا، لیکن ربا کی حرمت سے متعلق آیات وروایات میں تجارتی وغیر تجارتی قرضوں میں کسی طرح کی تفریق نہیں کی جاتی تھی یہ اس بات کی علامت ہے کہ ممانعت کا یہ حکم ہر اس زائد رقم کو شامل ہے جو فریق ثانی کی طرف سے بلا معاوضہ ہو، لہٰذا آپ کا سوچنا احادیث اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔

سود سے سود کی ادائیگی

سوال : میں نے پاکستان میں ایک فلیٹ خریدا ہے جس کی وجہ سے بینک سے کچھ قرض لینا پڑا، جو آسان قسطوں میں مجھے ادا کرنا ہے، ظاہر ہے اس کے ساتھ مجھے سود بھی دینا پڑے گا تو کیا میں بینک میں پیسہ رکھ کر اس سے حاصل ہونے والے سود کے ذریعہ اپنا سود ادا کر سکتا ہوں؟

(غلام حسین - جدہ)

جواب : سود کا لینا اور دینا دونوں حرام اور کبیرہ گناہ ہیں، صحیح احادیث سے معلوم

---

(۱) عنایه علی هامش الفتح ۱۴۷/۶ (۲) الجامع الصغیر مع فیض القدیر ۲۸/۵

ہوتا ہے کہ سود کے لینے اور دینے والوں کے علاوہ اس معاملے کو لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر بھی اللہ ورسول ﷺ کی لعنت ہے، (۱) آپ نے ایک غلطی تو یہ کی کہ بینک سے سود پر قرض لیکر "سود ادا کرنے والے" بنے اور اب دوسرا جرم سود لینے کا کرنا چاہ رہے ہیں، آپ یہ ارادہ ترک کردیں اور اپنی پہلی غلطی پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، جس طرح سود دینا حرام ہے، اسی طرح سود لینا بھی حرام ہے، چنانچہ اس مقصد کے تحت بینک میں پیسہ رکھنا یا فکس ڈپازٹ کردینا جائز نہیں۔

بینک کے سود کے بارے میں عام طور پر علماء کا جو فتویٰ ہے کہ اس کو بینک میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے لیکر کسی مستحق کو بلانیت ثواب دے دیں، اور خود استعمال نہ کریں وہ صرف اس بناء پر ہے کہ اکثر و بیشتر بینک کا کاروبار اور نظام جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ اسلام دشمن عناصر ہیں اور تجربہ و مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ عموماً یہ رقوم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہی استعمال ہوتی ہیں، اس لئے دینی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ رقم بینک کے حوالے نہ کی جائے بلکہ اسے حاصل کر کے کسی مستحق اور ضرورت مند کو دیں پھر چونکہ یہ "مال حرام" ہے اس لئے اس کو صدقہ خیرات سمجھنا اور اس پر اللہ تعالیٰ سے کسی ثواب کی نیت کرنا بھی درست نہیں، (۲) کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ پاک ہے اور وہ پاکیزہ چیز ہی کو قبول کرتا ہے" (۳) اس سود کی رقم کا خود استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں، اس سود سے اپنے ذمہ سود پر لئے گئے قرض کا سود ادا کرنا، حقیقت میں سود کو ذاتی استعمال میں لانے کے مترادف ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں۔

---

(۱) ابوداؤد عن عبد الله بن مسعود، باب فی أكل الربا وموكله، كتاب البيوع

(۲) جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۶۹-۲۷۲ (۳) مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۱۵

سودی اسکیم میں شرکت جائز نہیں

سوال : کیا قومی بچت کے مرکز میں روپے رکھوانا سود ہے؟ کیا کوئی مسلم زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو فقہ جعفری کا ماننے والا لکھوا سکتا ہے؟

(ش،ع-الریاض)

جواب : ہمارے ہاں کی حکومتی وغیر حکومتی اسکیمیں اکثر وبیشتر سودی لین دین پر مشتمل ہوتی ہیں، لہٰذا اُن میں شرکت حرام ہے، اگر قومی بچت کا ادارہ بھی سودی لین دین کرتا ہے، تو اس میں شرکت حرام ہے، کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے سے بچنے کے لئے جھوٹا حلف نامہ داخل کرے کہ اس کا تعلق فلاں عقیدہ وفقہ سے ہے کیونکہ کہ یہ جھوٹا وفریب ہے اور دھوکہ ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو دھوکہ وفریب دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(۱)

مسجد کے حمامات میں سودی رقم کا استعمال

سوال : ہندوستان میں میری رقم بینک میں جمع ہے جس کا اس وقت پچاس ہزار روپے سود آرہا ہے، میرے گاؤں میں ایک بڑی مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے، کیا میں اس مسجد کے بیت الخلاء اور حمامات وغیرہ کی تعمیر کے لئے سود کی رقم دے سکتا ہوں۔

(محمد حنیف خان-جدہ)

جواب : سود کے مصرف کے بارے میں علماء یہ کہتے ہیں کہ سود کی رقم بینک میں نہ چھوڑی جائے بلکہ اسے حاصل کر کے بلا نیت ثواب کسی مستحق شخص کو یعنی غریب و مسکین اور محتاج شخص کو دیدیں، بعض علماء نے بلا نیت ثواب ہی اس رقم سے مسجد کے بیت الخلاء اور حمام وغیرہ تعمیر کرنے کی بھی اجازت دی ہے، احتیاط کا تقاضہ اور بہتر بات یہی ہے کہ مسجد اور اس سے متعلق تمام ضروریات حلال مال سے پوری کی جائیں۔(۲)

---

(۱) ترمذی عن ابی ہریرہ، باب ماجاء فی کراھیۃ الغش (۲) جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۶۹-۲۷۰، ط دہلی

سود کی رقم غیر مسلم کو دی جاسکتی ہے؟

سوال : سود جو بینک سے ملتا ہے اس کے متعلق آپ کا جواب پڑھا کہ اسے بلا نیت ثواب غریب و محتاج شخص کو دے دیا جائے، کیا اس میں مسلم و غیر مسلم کی بھی کوئی شرط ہے؟ (محمد ایوب محاسن - احساء)

جواب : اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی شرط نہیں لہٰذا ایسی رقم غیر مسلم ضرورت مند کو بھی دی جاسکتی ہے، صرف صدقات واجبہ یعنی صدقہ فطر اور زکوٰۃ وغیرہ میں مسلم کی شرط ہے کہ یہ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں۔

ٹراول ایجنسی میں رشوت

سوال : میں ایک ٹراول ایجنسی میں ایجنٹ ہوں، رش والے دنوں اور موسم میں لوگ ایک سیٹ کے حصول کے لئے سو سو اور پانچ پانچ سو ریال بھی ہمیں دیئے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ رقم ٹکٹ کی رقم کے علاوہ ہوتی ہے، کیا یہ جائز ہے۔ (م،ط - جدہ)

جواب : سیٹ حاصل کرنے کے لئے اصل ٹکٹ سے زائد رقم لینا رشوت لینا ہے، اور زائد رقم دینا رشوت دینے کے برابر ہے، رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے،(۱) کہ رشوت دینے والا جرم کی اعانت کی وجہ سے مستحق لعنت ہے اور رشوت لینے والا ارتکاب جرم کی وجہ سے —— البتہ اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے بدرجہ مجبوری رشوت دی جاسکتی ہے، لہٰذا آپ کا عمل شرعاً درست نہیں ہے، اس سے توبہ کریں اور آئندہ اس سے احتیاط برتیں۔

---

(۱) ترمذی عن ابی ھریرہ، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، ابواب الاحکام

سود بطور عطیہ

سوال : ہمارے ملک میں قائم نیم سرکاری تعلیمی اداروں میں بچوں کے داخلے کے وقت عطیہ کے نام پر رقم لی جاتی ہے، عطیہ کے نام پر لی جانے والی رقم ہزاروں اور لاکھوں میں ہوتی ہے، جس کی رسید بھی ادارے کی جانب سے نہیں دی جاتی، ان اداروں میں ہمیں اپنے بچوں کو داخلہ دلانے کے لئے مجبوراً یہ قم دینا پڑتی ہے، کیا ہم یہ رقم اپنی بنک میں جمع شدہ رقم پر آنے والے سود سے اداروں کو ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ چونکہ ہم بنک سے ملنے والا سود اپنے استعمال میں نہیں لانا چاہتے۔

جواب : تعلیم پر لیا جانے والا عطیہ (Donation) یہ ناانصافی اور سراسر ظلم ہے، کیونکہ اس سے ان لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہے جو واقعی داخلہ کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن اپنی مالی بے بضاعتی اور غربت کی وہ سے (Donation) عطیہ کی خطیر رقم ادا کرنے سے عاجز رہتے ہیں، اس کے باوجود (Donation) کے لئے سود کی رقم دینا درست نہیں ہے، ابوداؤد کی شرح بذل المجہول میں ہے :

واما اذا كان عند رجل مال خبيث فاما اذا ملك بعقد فاسد اوحصل له بغير عقد ولا يمكنه ان يرد الى مالكه ويريد ان يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة الان الا ان يدفعه الى الفقراء . (۱)

اگر کسی کے پاس حرام مال ہو اور وہ فاسد معاملہ سے یا بغیر معاملہ کئے حاصل ہوا ہو، اور اصل مالک تک لوٹانے کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ اپنے ذمہ سے اس کا گناہ ہٹانا چاہتا ہو، تو اس کیلئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ حرام مال کسی فقیر کو دیدے۔

اس عبارت کے مطابق جو بھی مال حرام ہو، اس کا اصل حکم یہ ہے کہ جس کا وہ

---

(۱) بذل المجهود ۱/۳۷ ، كتاب الطهارة ، ط : سہارنپور انڈیا

مال ہے، اس کی ملک میں کسی تدبیر سے لوٹا دیا جائے "ماحصل بسبب خبیث فالسبیل ردہ الی رب المال" اور اگر اصل مالک کو پہنچنا ممکن نہ ہو تو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ کسی مستحق کو دیدے، اور خود کے کسی کام میں نہ استعمال کرے اس لئے سود کی رقم کا اس طرح ذاتی استعمال درست نہیں ہے۔

بینک کی ماہانہ آمدنی کو اسکیم میں لگانا؟

سوال: ہمارے ملک میں تقریباً ہر بینک ایک مقررہ منافع کے ساتھ ماہانہ آمدنی کی اسکیم جاری کئے ہوئے ہیں جس میں لوگ سرمایہ لگاکر سرمایہ کی مناسبت سے ہر ماہ منافع حاصل کرتے ہیں، دریافت کرنا یہ ہے کہ ایک شخص معقول سرمایہ اس اسکیم میں لگاتا ہے، اور اس کی ماہانہ آمدنی ہی اس کا ذریعہ معاش بن جاتی ہے، پھر کچھ بھاگ دوڑ اور کوشش کے بعد اسے ملازمت بھی مل جاتی ہے، لیکن تنخواہ کی کمی کے باعث وہ بینک سے حاصل ہونے والے منافع کو بھی گھر کی ضروریات میں استعمال کرتا ہے، کیا ایسے شخص کے لئے بینک کی اسکیم میں لگائی ہوئی رقم کی بھی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا وہ رقم زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی۔ (نجیب الرحمان — دمام)

جواب: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں اکثر بینکوں کا نظام سود پر قائم ہے، جس کی شدید حرمت قرآن و حدیث میں موجود ہے، سود کھانے اور لین دین کرنے والوں کے علاوہ معاملے پر گواہ بننے اور اس کے لکھنے والوں کو بھی ملعون قرار دیا گیا، پھر بینکوں کی طرف سے چلنے والی اکثر اسکیمیں سود سے خالی نہیں ہوتیں، لہٰذا اس میں سرمایہ کاری اور اس کا منافع کسی طرح جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر کوئی بینک یا کوئی ادارہ اسلامی اصولوں پر کوئی اسکیم چلائے اور اس میں سود کا شائبہ نہ ہو تو اس میں سرمایہ کاری کرنا اور اس سے حاصل ہونے والا نفع جائز ہوگا۔

جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے تو جس طرح اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے،

اور کوئی شخص کاروبار میں اپنا روپیہ لگاتا ہے تو اس روپے پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح اگر کسی تجارتی اسکیم میں سرمایہ کاری کی جائے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، بشرطیہ وہ شخص صاحبِ نصاب ہو اور اس کی یہ رقم نصاب زکوٰۃ تک پہنچتی ہو، اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب نہیں پھر جو سرمایہ اس نے کسی اسکیم میں لگایا وہ بقدر نصاب نہیں تو ظاہر ہے اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اس میں اگر وہ اسکیم ناجائز ہو تو اس کا نفع (سود) بھی جائز نہ ہوگا اور اس سرمایہ کاری کو ختم کرنا اور توبہ واستغفار کرنا ضروری ہوگا، ہاں اگر اسکیم جائز ہو تو اصل رقم (راس المال پر) زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ وہ بقدر نصاب ہو، اس سے حاصل ہونے والا نفع اگر پورا خرچ ہو جاتا ہو تو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگا، اگر کچھ بچ جائے تو اسے بھی مالِ زکوٰۃ میں شمار کرکے اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی، منافع ضروریاتِ زندگی میں صرف ہونے کی وجہ سے اصل رقم سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔

لکی ڈرا کی حیثیت

سوال : بعض لوگ کوئی بھی چیز مثلاً کار وغیرہ بیچنے کے لئے لیے ڈرا کراتے ہیں، سو سے زیادہ ممبر شپ بناتے ہیں، پھر لکی ڈرا کراتے ہیں، لکی ڈرا میں جس کسی ممبر کا نمبر نکل آئے کار اس کو دیدیتے ہیں، اور باقی ساری رقم صاحب کار رکھ لیتے ہیں، کیا یہ رقم کار کے مالک کے لئے جائز ہے اور لکی ڈرا میں جیتنے والے کے لئے کار کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

(سید افتخار احمد - ابھا)

جواب : اس کی حیثیت اور صورت لاٹری ہی کی ہے جس میں قمار پایا جاتا ہے جو کہ صریح حرام اور شدید گناہ ہے، کار جیتنے والے کے لئے کار اور صاحب کار یا اس اسکیم کو شروع کرنے والے ذمہ دار کے لئے باقی رقم دونوں حرام کا درجہ رکھتے ہیں، جس سے استفادہ جائز نہیں، (نساء-۲۹) ارشاد باری ہے "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے

کے مال کو ناحق طریقے پر مت کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو" یعنی اگر باہمی رضامندی سے خرید و فروخت کے ذریعے اگر تم کسی کے مال کے مالک بنو تو وہ تمہارے لئے جائز ہے، ورنہ باطل طریقے پر دوسرے کا مال حاصل کر کے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں، دوسروں کا مال ناحق حاصل کرنے کی ایک صورت وہ ہے، جو آج کل لاٹری یا مختلف انعامی اسکیموں کی شکل میں رائج ہے، ان میں اگر چہ بعض صورتیں فقہ واصول کی روشنی میں جائز قرار پاتی ہیں لیکن اکثر ناجائز ہوتی ہیں جن میں قمار و میسر یا کم از کم اس کا شبہ ضرور پایا جاتا ہے، (۱) اصل مالک تک اگر یہ مال واپس ہو سکتا ہو تو بہتر ہے، ورنہ اس کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر صدقہ کر دینا ضروری ہے، خود کے لئے حرام ذریعہ سے حاصل شدہ رقم استعمال کرنا جائز نہیں۔

یہ جوے ہی کی شکل ہے

سوال: ہم لوگ ایک کمپنی میں کام کرتے ہیں اور کمپنی کی رہائش میں رہتے ہیں کمپنی کے سارے لوگ مہینے کے آخری دن ایک جگہ اکٹھا ہو کر مسائل کا حل تلاش کر لیتے ہیں، اس بار سارے لوگوں نے اس پر اتفاق کیا کہ آپس میں کچھ پیسہ جمع کر کے تین مختلف چیزیں خرید کر لائیں اور اس محفل میں قرعہ اندازی کے ذریعہ تین لوگوں میں وہ بطور انعام تقسیم کر دیں گے، کیا یہ صورت جائز ہے، یا نہیں؟ چند لوگوں نے اسے جوا قرار دیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (ام ام۔ جدہ)

جواب: جو صورت آپ نے ذکر کی ہے وہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں قمار پایا جاتا ہے یعنی یہ جوے ہی کی شکل ہے جسے قرآن پاک میں صراحۃً حرام قرار دیا گیا، نیز اسے گندگی اور شیطانی عمل سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کی حرمت کی مصلحت ذکر کرتے ہوئے کہا گیا کہ "شیطان شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض و

---

(۱) دیکھئے: حلال و حرام، ص: ۳۷۶

عداوت پیدا کرنا چاہتا ہے اور تمہیں نماز اور ذکر الٰہی سے غافل کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم اب بھی ان چیزوں سے باز نہیں آؤ گے؟ (مائدہ-۹۰) یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کسی چیز کا نام بدلنے سے اس کی حقیقت نہیں بدلا کرتی، جو چیز حرام ہے وہ حرام ہی رہے گی، چاہے اسے کسی جائز چیز کا نام دیدیا جائے، قمار یعنی جوا یہ ہے کہ آدمی کچھ مال ادا کرے اور اس مال کے بدلے اسے کسی مبہم نفع یا نقصان کا خطرہ ہو، یعنی اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اسے تھوڑے سے مال کے بدلے بہت زیادہ نفع ملے گا اور اس بات کا بھی کہ اسے کوئی نفع نہیں ملے گا، بلکہ اس کا ادا شدہ مال بھی ضائع اور تلف ہو جائے گا، ایسی تمام صورتیں ناجائز اور حرام ہونگی۔

زمانۂ جاہلیت میں قمار کی یہ شکل زیادہ مروج تھی کہ جانور ذبح کر کے اس کا گوشت آپس میں قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرتے، نتیجہ کے طور پر کسی کو زیادہ ملتا کسی کو کم اور کوئی بالکل محروم رہ جاتا تھا، اور پھر سے جانور کی ساری قیمت بھی ادا کرنی پڑتی تھی، (۱) اگر کوئی شخص کسی سے رقم نہ لے بلکہ اپنی طرف سے انعامات کا اہتمام کرے کہ میں ہر ماہ یا فلاں وقت تم لوگوں سے کسی تین آدمیوں کو فلاں چیز انعام میں دونگا، پھر وہ ان تین انعام پانے والوں کا انتخاب قرعہ اندازی سے کرے تو یہ صورت جائز ہوگی۔ (۲)

ناجائز اسکیم

سوال: آج کل لوگ عجیب وغریب طریقے سے رقومات اکٹھا کرتے ہیں مثال کے طور پر اس کی ایک صورت یہ ہے کہ دس افراد آپس میں فی فرد ایک ایک ہزار ریال جمع کر کے دس ہزار ریال ہر ماہ اکٹھا کرتے ہیں، جو شخص جتنی زیادہ رقم منظور کریگا اتنی کم رقم پہلے اس کو دی جائے گی، جیسے زید نے سب سے زیادہ ایک ہزار ریال کی بولی لگائی

---

(۱) معارف القرآن ۲۲۶/۳ (۲) دیکھئے: حلال و حرام، ص: ۲۷۱، درمختار ۲۵۸/۵

، گویا اسے مذکورہ رقم ایک ہزار ریال کے نقصان کے ساتھ یعنی نو ہزر ریال میں لینا منظور ہے، اس طرح کمیٹی کو ایک ہزار ریال کا فائدہ ہوا، پھر وہ اس رقم (ایک ہزار ریال) کو دس افراد میں برابر تقسیم کر دیتے ہیں اس طرح دس ماہ تک یہ عمل دہرایا جاتا ہے، نتیجتاً بعض افراد کو اس سے کچھ فائدہ اور بعض کو نقصان و خسارہ ہوتا ہے، کیا یہ نیلامی اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے؟ (محمد رشید - دمام)

جواب: جو صورت آپ نے ذکر کی ہے یہ ناجائز اور حرام ہے، جن لوگوں کو بھی اس نیلامی کے ذریعے جو فائدہ ملتا ہے وہ شرعاً حرام اور سود ہے، جس کی حرمت قرآن وحدیث میں صراحتاً موجود ہے، پھر سود کھانے، کھلانے سودی لین دین اور کاروبار کرنے، نیز اس معاملے کو لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر بھی اللہ ورسول ﷺ کی طرف سے لعنت بھیجی گئی ہے، (۱) لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے، مذکورہ بالا اسکیم کی جائز شکل یہ ہو سکتی ہے کہ مذکورہ رقم کو نیلام کرنے کے بجائے ہر ماہ ایک فرد مکمل دس ہزار ریال رقم لے لے، افراد کی ترتیب یا ہر ماہ ایک فرد کا انتخاب اور تعین قرعہ اندازی کے ذریعے کر لیا جائے، تاکہ کسی کو اختلاف یا باہم نزاع کا اندیشہ نہ ہو۔

شرط لگانا جوئے کی ایک قسم ہے

سوال: میں نے قرآن پاک ایک تھیلی میں رکھا تھا اور اپنے گھر واپس لوٹ رہا تھا اور یہ تھیلی میں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی ایک دوست نے کہا کہ قرآن کو ناف سے نیچے لٹکانا حرام ہے اس بات پر ہم دونوں نے سو ریال شرط لگائے کہ جس کی بات صحیح ہو گی وہ سو ریال لے لیگا۔

(سیف الاسلام - جدہ)

---

(۱) ابوداؤد عن ابن مسعود، باب فی أكل الربوا وموكه

جواب : قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، اور اس کا ادب کرنا ہم سب پر فرض ہے مجھے علم نہیں کہ آپ نے قرآن پاک کی تھیلی کس طریقے سے ناف کے نیچے لٹکائی ہوئی تھی جسے دیکھ کر آپ کے دوست نے آپ کے اس عمل کو حرام قرار دیا، ممکن ہے دیکھنے میں یہ صورت مناسب نہ رہی ہو، اور خلافِ ادب ہو، لہٰذا آپ کے دوست نے آپ کو تنبیہ کرنا چاہتی ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ جو آپ نے شرط لگائی ہے یہ عمل ناجائز ہے، کیونکہ اس طرح شرط لگانا جوئے کی ایک قسم ہے، آئندہ احتیاط کیجئے اور کسی بھی بات میں شرط مت لگائیے اور اس شرط کو بھی ختم کردیجئے۔

سودی رقم سے تنخواہ؟

سوال : جو لوگ بڑی بڑی کمپنیوں میں کام کرتے اگر ان کمپنیوں کے مالک سود کی رقم لا کر ملازمین کو بطور تنخواہ ادا کریں تو کیا ملازمین کے لئے وہ تنخواہ حلال ہوگی یا حرام؟ (محمد نسیم - ریاض)

جواب : سود کی رقم کو ملازمین کی تنخواہوں میں استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ اسے بلا نیت ثواب کسی غریب اور مستحق شخص کو دیدینا چاہئے اگر کوئی ملازم غریب اور مستحق ہو تو یہ رقم اس کو دی جاسکتی ہے، لیکن تنخواہ کے طور پر نہیں، (۱) تاہم اگر کوئی شخص سود کی رقم سے تنخواہ ادا کرے تو ملازم کے لئے وہ حلال ہوگی، اس لئے کہ اس کے حق میں وہ سود نہیں بلکہ اس کی محنت اور وقت کا معاوضہ ہے، البتہ تنخواہ دینے والا مالک گنہگار ہوگا اور "سود کھانے والا" سمجھا جائے گا۔

جائز و ناجائز اسکیم

سوال : ہم دس دوست مل کر اپنی سہولت کے لئے ایک طریقہ اختیار کئے

(۱) جدید فقہی مسائل ۲/۲۶۹ ط : دہلی

ہوئے ہیں وہ یہ کہ ہر ماہ پورے دس ممبر ایک ایک ہزار ریال ایک ذمہ دار شخص کے پاس جمع کرواتے ہیں اور ایک مقررہ تاریخ کو قرعہ اندازی کے ذریعے جس کسی کا نام نکلے اس کو یہ رقم پوری ادا کر دیتے ہیں اور اگلے ماہ اس شخص کا نام قرعہ اندازی میں شامل نہیں ہوتا مگر سبھی کو دس ماہ تک ممبر شپ ادا کرنی پڑتی ہے، کیا شرعاً یہ طریقہ جائز ہے؟ نیز اگر قرعہ اندازی کے بجائے ضرورت مند کی سہولت کی خاطر جمع شدہ رقم کو ہراج لگائیں اور جس کی بولی سب سے زیادہ ہو اس کو بولی کی رقم کاٹ کر دیں باقی شدہ رقم اسی طرح دس ماہ تک جمع کرتے رہیں اور بعد میں دس برابر حصوں میں تقسیم کر دیں تو کیا یہ طریقہ جائز ہوگا؟ (شیخ احمد - جیزان)

جواب: آپ نے جو پہلی صورت ذکر کی ہے وہ تو جائز ہے، لیکن دوسری صورت میں (یعنی ہراج والی شکل میں) قمار و ربا یعنی سود اور جوا بھی پایا جاتا ہے، جو کہ حرام اور گناہ کبیرہ ہیں، اس لئے دوسری صورت شرعاً جائز نہیں۔

مجبوراً سودی قرض لینا گناہ ہے؟

سوال: اگر میں بینک یا کسی آدمی سے کاروبار کے لئے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے قرض لوں اور وہ مجھ سے سود لے تو سود لینے کی وجہ سے وہ شخص تو گنہگار ہوگا لیکن کیا سود ادا کرنے کی وجہ سے مجھے بھی گناہ ہوگا؟ مہربانی کر کے میری رہنمائی فرمائیں۔ (ثناء اللہ - ریاض)

جواب: سود لینا اور دینا اسی طرح سودی معاملات میں کسی طرح کا تعاون کرنا بھی ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے، ابو داؤد میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "سود کھانے والے، کھلانے والے (یعنی سود لینے اور دینے والے) اس کو لکھنے اور اس پر گواہ بننے والے پر اللہ کی لعنت ہو، (۱) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ سب اس لعنت میں

---

(۱) ابو داؤد، باب فی أكل الربوا و موكله

برابر کے شریک ہیں،(۱) سود کھانے اور لینے کی مذمت کے سلسلے میں یہاں تک کہا گیا ہے اور قرآن پاک میں ایسے لوگوں کے بارے میں شدید وعید سنائی گئی کہ "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کی طرح جو شیطان کے چھونے سے پاگل و مجنون ہو گیا ہو" (بقرہ-۲۷۵) پھر آگے اہلِ ایمان سے خطاب ہے "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان والے ہو، اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ ورسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ" (بقرہ-۲۷۹) سود لینے کے علاوہ کوئی اور ایسا گناہ نہیں، جس کی طرف سے قرآن پاک میں اعلان جنگ ہو، اس سے اس گناہ کی قباحت و شناعت اور حرمت شدید کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سود لینے والے کے حق میں تو کوئی ایسا شرعی یا طبعی عذر تلاش نہیں کیا جا سکتا جس کی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ فلاں شخص سود لینے پر مجبور ہے، لیکن سود دینے والا کبھی مجبور ہوتا ہے کہ اسے بلا سودی قرض نہ ملے تو وہ کسی سے سودی قرض لیکر قرض کے ساتھ سود بھی ادا کرے، اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص مجبوری کے تحت سودی قرض لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر مجبوراً سودی قرض لیکر سود دینا پڑے تو کیا وہ گنہگار اور اللہ کی لعنت کا مستحق ہوگا، یا عند اللہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اس سلسلے میں قرآن وحدیث سے اس کے جواز کا کوئی صریح حکم تو نہیں ملتا، البتہ فقہاء کا ایک قول یہ ہے کہ "ضرورت شدیدہ کے وقت حرام چیز حلال ہو جاتی ہے" یہ قاعدہ اور اصول خود قرآن حکیم سے ماخوذ ہے، تین چار مقامات پر حرام اشیاء (مردار اور خنزیر وغیرہ) کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص اضطرار و مجبوری کی حالت میں ہو اور اسے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو سوائے مردار یا خنزیر کے تو ایسے موقع پر اپنی جان کے بچانے کے لئے اسے اس میں سے کھانے کی اجازت ہے، بشرطیکہ پیٹ بھر کر نہ کھائے، صرف اتنا کھائے کہ زندگی بچ جائے،(۲) لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جو ضرورت یا مجبوری کسی ناجائز کو وقتی طور پر جائز کر دیتی ہے

---

(۱) الجامع الصغیر، حدیث نمبر ۵۰۹۰-۵۰۸۹ (۲) بقرہ-۱۷۳، انعام-۱۴۵، نحل-۱۱۵

وہ ایسی ہو کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، مثلاً اس کو اختیار نہ کیا جائے تو انسان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو یا شدید مشقت اور دشواری میں پڑ جانے کا خطرہ ہو، نیز ایسے موقع پر جو حرام چیز بھی وقتی طور پر جائز ہو گی وہ بقدر ضرورت ہی ہو گی، اس سے زیادہ نہیں چنانچہ اگر کسی شخص کو غیر سودی قرضہ نہ ملتا ہو اور وہ سودی قرض لینے پر اس طرح مجبور ہو جائے کہ اگر نہ لے تو اس کی یا اس کے بیوی بچوں کی زندگی خطرے میں پڑے جائے گی کوئی ذریعہ معاش فراہم نہ ہو سکے اور وہ بنیادی ضرورتوں کی تکمیل بھی نہ کر سکے تو وہ بقدر ضرورت بینک سے یا کسی شخص سے سودی قرض لے سکتا ہے، ایسی صورت میں انشاء اللہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں لکھتے ہیں "محتاج وضرورت مند کے لئے نفع کے ساتھ قرض مانگنا درست ہے۔"

بڑے کاروبار کے لئے سودی قرض لینا

سوال : میں اپنا ایک بڑا فارم کھولنا چاہتا ہوں جس کی لاگت تقریباً بیس لاکھ روپے ہو گی میرے پاس پانچ لاکھ روپے ہیں جب کہ پندرہ لاکھ بینک سے بطور قرض کے لینا چاہتا ہوں اور اس پر اپنی خوشی سے بینک کو دس فیصد مارک اَپ بھی دینے کو تیار ہوں کیونکہ بینک مجھے یکمشت ادائیگی کر کے اپنی رقم اقساط میں پانچ سال میں واپس لے گا، کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(خان گل خان - ابہا)

جواب : آپ بینک کو جو دس فیصد نفع دینگے اس کی حیثیت سود ہی کی ہے، کیونکہ بینک عموماً غیر سودی قرض نہیں دیا کرتا، وہ تو اسی معاہدے پر آپ کو قرض دیگا اور سود کی ادائیگی پر دل سے راضی اور خوش ہونے سے یا اس کا نام بدل دینے سے اس کی حقیقت نہیں بدلتی اور وہ جائز نہیں ہو جاتا، لہٰذا جو صورت آپ نے ذکر کی ہے وہ جائز نہیں اور یہ کوئی مجبوری بھی نہیں کہ اضطراری طور پر اس کو جائز کہا جا سکے، آپ بیس

لاکھ کے بجائے پانچ لاکھ سے اپنا کاروبار شروع کر سکتے ہیں، بہر حال سود کی لعنت سے (حتی الامکان) بچنا نہایت ضروری ہے۔

رہن کے مکان سے استفادہ

سوال : کیا رہن کے طور پر مکان لے کر بغیر کرائے کے اس میں رہنا شرعاً جائز ہے؟ (سید نجم الدین قادری-جدہ)

جواب: مرتہن (یعنی رہن لینے والے) کے لئے مال مرہون سے استفادہ جائز نہیں چاہے راہن (رہن رکھنے والا) اس کی اجازت دے، کیونکہ یہ سود ہے، سود اسی کا نام ہے کہ قرض دیکر اس سے نفع اٹھایا جائے، رہن میں لئے جانے والے مکان یا کسی بھی چیز کی حیثیت صرف ضمانت کی ہے کہ اگر متعینہ مدت تک قرض وصول نہ ہو تو قرض دینے والا مال مرہون کو بیچ کر اپنا قرض وصول کر سکے، اگر مرتہن مال مرہون سے استفادہ کرتے ہوئے اس کا کچھ عوض راہن کو ادا کر دے یا قرض کی رقم سے اس کو وضع کر دے تو پھر یہ استفادہ جائز ہوگا، لہٰذا رہن کے طور پر لئے گئے مکان میں بغیر کرایہ ادا کئے رہنا جائز نہیں اگر مرتہن مکان کا کرایہ ادا کر دے یا قرض میں اسے محسوب کر دے تو اس میں رہنا جائز ہے علامہ ابن رشد مالکی اپنی مشہور کتاب بدایہ المجتہد میں لکھتے ہیں "جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مرہونہ چیز سے مرتہن کو فائدہ اٹھانا جائز نہیں "(۱) البتہ اگر رہن کے طور پر جانور وغیرہ لیا گیا ہو تو اس کے چارہ اور دیگر اخراجات کے بقدر اس کے دودھ وغیرہ سے استفادہ کر سکتا ہے۔

جوا کھیلنا جائز نہیں

سوال : ایک شخص جوا کھیلتا ہے اور تین چار ہزار ریال ہار جاتا ہے، پھر اس کھیل سے اتنی ہی رقم دوبارہ جیت جاتا ہے، اب اگر وہ اس کھیل سے توبہ

---

(۱) بداية المجتهد ۲/۲۷۶

کرلے تو یہ رقم اس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ (محمد ساجد - رابع)

جواب: چونکہ یہ کھیل حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اس لئے اس ذریعے سے حاصل کی گئی رقم بہر حال حرام ہے، (۱) چاہے اپنی حلال رقم ہارنے کے بعد دوبارہ جیت کر حاصل کرلے، یہ تو دوگنا گناہ ہے، ایک گناہ تو یہ ہے کہ اس شخص نے حرام کھیل میں مشغول ہوکر اپنی حلال کمائی ضائع کردی اور دوسرا گناہ اور جرم یہ کہ وہ اس کی تلافی پھر اسی حرام ذریعہ سے کرنا چاہ رہا ہے، بہر حال دوبارہ وہ رقم اس شخص کے پاس چونکہ حرام ذریعے سے پہنچی اس لئے وہ مالِ حرام ہی تصور کیا جائے گا، توبہ کرنے سے گناہ معاف ہوتا ہے نہ کہ حرام حلال ہوجاتا ہے، اس شخص نے جو گناہ کیا، اگر واقعی سچی توبہ کرے تو انشاء اللہ وہ ضرور معاف ہوجائے گا، لیکن "مالِ حرام" حرام ہی رہے گا، حلال نہیں ہوجائے گا، اس کو چاہئے کہ وہ بلانیت ثواب اس مال کو صدقہ کردے اور کسی مستحق و غریب شخص کو دیدے

قرض دے کر لکھنا نہ بھولیں

سوال: اس سے قبل ایک سوال کے جواب میں آپ نے قرض لینے کے بعد اس کی ادائیگی کی تاکید کی ہے کہ خود ادا کریں یا وارث اس کی طرف سے ادا کریں (اگر قرضدار کا انتقال ہوگیا ہو) لیکن اگر قرضدار نے اپنے اہلِ خانہ میں کسی سے قرض کا کوئی ذکر ہی نہ کیا ہو اور قرض کے لین دین کے وقت کوئی گواہ یا لکھا پڑھی بھی نہ ہوئی ہو، پھر وہ ادائیگی سے قبل اچانک انتقال کر جائے تو اس کے ورثاء کس طرح قرض ادا کریں اور قرض خواہ کس طرح یقین دلائے کہ تمہارے مرحوم کے ذمہ میرا اتنا قرض واجب الاداء ہے؟ نیز مرحوم کے اثاثہ جات، جائداد وغیرہ کافی ہیں، ورثاء اگر قرض ادا کرنا چاہیں تو انہیں کوئی دشواری بھی نہیں اور

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ۹۸/۲

پھر قرض خواہ قرض معاف بھی نہ کرنا چاہے تو کیا کرے؟

(محمد رشید خان-مکہ مکرمہ)

جواب: جب بھی کوئی قرض یا کسی طرح کا ادھار لین دین کا معاملہ ہو تو اسے لکھ لینا اور اس پر کسی دو بااعتماد آدمیوں کو گواہ بنالینا چاہئے تا کہ آئندہ اختلاف یا انکار کی صورت میں نزاع پیدا نہ ہو اور گواہوں کے ذریعے اپنے حق کو ثابت کیا جاسکے، قرآن پاک کی طویل ترین آیت (بقرہ-۲۸۲) میں اس کا تفصیلی و تاکیدی حکم موجود ہے، اگر کسی شخص کا قرض کی حالت میں انتقال ہو جائے، لیکن اس کے مقروض ہونے کا ورثاء میں سے کسی کو علم نہ ہو اور اس نے یہ چیز نہ لکھی ہو اور نہ کسی سے وصیت کی ہو، پھر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں مرحوم کے ذمہ میرا اتنا قرض واجب الادا ہے، لیکن اس کے ثبوت میں اس کے پاس بھی کوئی گواہ یا تحریر وغیرہ نہ ہو تو مرحوم کے ورثاء پر شرعاً یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس کا قرض ادا کریں، ہاں اگر اخلاقی طور پر سب ورثاء میں سے مرحوم کا قرض ادا کرنا چاہے تو ادا کر سکتا ہے، لیکن ان کی شرعی ذمہ داری نہیں، ہاں اگر گواہوں کے ذریعے یا کسی اور ذریعے سے مرحوم کا مقروض ہونا ثابت ہو جائے تو جائداد میں سے مرحوم کی تجہیز و تکفین کے بعد پہلے قرض ہی ادا کیا جائے گا، قرض کی ادائیگی سے پہلے وارثت کی تقسیم ہی نہیں ہو سکتی، صورت مذکورہ میں اگر مرحوم واقعی مقروض رہا ہو تو قرض ادا نہ کرنے اور ادائیگی کی کسی سے وصیت نہ کرنے کا گناہ اس کے ذمہ رہے گا، اور قرضدار معاملہ نہ لکھنے اور گواہ نہ بنانے کی وجہ سے دنیاوی نقصان اٹھائے گا اور قرض کا ثبوت نہ ہونے کی بنا پر شرعاً ورثاء سے مطالبہ کا حق نہیں رہے گا، اسی طرح کے دنیوی اور اخروی نقصان سے بچنے کے لئے شریعت نے معاملات کو بالخصوص ادھار لین دین کے معاملات کو لکھ لینے اور اس پر دو آدمیوں کو گواہ بنالینے کا حکم دیا، (۱) ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ کسی کے ذمہ اگر کسی کا کوئی حق ہو تو وہ اس سلسلے میں اپنے پاس ہر وقت وصیت لکھ کر رکھے

---

(۱) دیکھئے: معارف القرآن ۱/۶۸۵، ط: دیوبند انڈیا

تاکہ ادائیگی سے قبل انتقال کی صورت میں کم از کم ورثاء یا کوئی دوسرا شخص اس کے حق کو ادا کر سکے۔

قرض اور لین دین

سوال : اگر کوئی شخص قلیل مدت کے لئے کسی سے قرض حسنہ لے اور کافی کاروباری فائدہ اٹھانے کے باوجود برسوں بعد ادائیگی کی صورت نکلے اس وقت تک روپے کی قیمت میں کمی آجانے کی وجہ سے قرض دینے والا نقصان میں آجائے گا، اسی طرح اگر کسی شخص میں کاروباری صلاحیت نہیں ہے، اور وہ ضرورت سے زائد رقم بینک وغیرہ میں محفوظ رکھتا ہے تب بھی قیمت زر میں کمی کی وجہ سے نقصان ہوگا، کیا اس نقصان و خسارے کی تلافی شرعاً ممکن ہے؟ (محمد فیاض الدین - جدہ)

جواب : جہاں تک کاروباری صلاحیت کے نہ ہونے کی بات ہے تو اگر خود میں یہ صلاحیت نہیں تو وہ شخص یہ تو کر سکتا ہے کہ مال کو جائز طریقے پر مثلاً شرکت و مضاربت کی بنیاد پر دوسروں کے ساتھ کاروبار میں لگائے یا اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری جائز صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں، مثلاً زمین، مکان یا سونا وغیرہ خرید کر رکھ لے ،جس کی قیمت عام طور پر بڑھتی رہتی ہے، گھٹتی نہیں پھر جب رقم کی ضرورت ہو تو فروخت کردے۔

جہاں تک قرض کا معاملہ ہے تو قرض اور لین دین وغیرہ میں قیمت زر کا اعتبار نہیں ہوتا، اگر آپ نے کسی کو دس ہزار روپے قرض دیئے ہوں اور وہ پانچ سال بعد ادا کرے تو شرعاً دس ہزار روپے ہی ادا کریگا، کرنسی کی قیمت گھٹنے کی وجہ سے اس کی تلافی کے طور پر آپ زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتے، بظاہر اس میں قرض دینے والے کا نقصان ہے، لیکن قرض دینا ایک اخلاقی و انسانی فریضہ ہے، اس کو منفعت سے جوڑنا درست نہیں، نہ شرعاً اور نہ اخلاقاً، اس دنیاوی نقصان کی تلافی اس سے بہتر اور کس شکل میں

ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں "کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کئی گناہ اضافہ کر کے دے" (بقرہ-۴۵) یعنی آخرت میں اس کو اس عمل خیر کا ثواب کئی گنا بڑھادے، کسی ضرورت مند کے قرض دینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا، گویا کسی ضرورت مند کو قرض دینا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے، یعنی اب اس کا یہ روپیہ یا قرض ضائع نہیں ہوگا، بلکہ اگر یہ شخص ادا نہ کر سکے تب بھی قرض دینے والے کا اجر و ثواب تو اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہے، جو کئی گنا اضافہ کی شکل میں ملے گا۔

اگر قرض دہندہ کی وفات ہو جائے؟

سوال : میں نے تقریباً بیس سال پہلے کچھ اشیاء ادھار لی تھیں، اب وہ دوست دنیا میں نہیں رہے، اگر ہیں تو مجھے پتہ نہیں کہ کہاں ہیں اور میں نام تک نہیں جانتا، لہٰذا اب میں اپنا قرض کیسے اتاروں؟

(سید رسول ڈائیور-ریاض)

جواب : انسان اپنی ضرورت کے تحت اگر کسی سے قرض لے تو اسے چاہئے کہ پہلی فرصت میں یہ قرضہ واپس کرے، یہ ظلم و زیادتی ہے کہ قرضہ لے کر واپسی میں ٹال مٹول اور بہانہ بازی کی جائے، رسول کریم ﷺ بلاوجہ قرض لینے کو اس قدر ناپسند فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے جس پر کسی کا قرضہ ہو، آپ نے صریحاً زیادتی کی ہے کہ اتنے طویل عرصہ تک پرایا حق ادا نہیں کیا، آپ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ عظیم پر معافی مانگیں اور صدق دل سے توبہ کیجئے اور ان لوگوں کو تلاش کیجئے جن کا قرضہ آپ کو واپس کرنا ہے، اگر کوشش کے باوجود ان لوگوں کا سراغ نہیں ملتا تو یہ رقم جو آپ نے ان سے لی تھی ان لوگوں کی طرف سے صدقہ کر دیں اور ان کی مغفرت کی دعاء کریں اگر وہ مسلمان ہوں۔

متوفی کا قرض باپ کو دیا جائے یا بیوی کو؟

سوال : میں نے اپنے ایک دوست سے کچھ رقم قرض لی، پھر ہم دونوں چھٹی پر پاکستان گئے، وعدہ تھا کہ واپسی پر قرض ادا کر دونگا، میں تو چھٹی گزار کر آگیا مگر میرے یہاں آنے کے ایک ماہ بعد میرے دوست کا کسی حادثہ میں انتقال ہو گیا اور وہ سعودی عرب نہ آسکا، میرا دوست شادی شدہ تھا ،اس کی دو بچیاں بھی ہیں، انتقال کے بعد میرے دوست کے والدین نے دوست کی بیوی اور بچوں کو گھر سے نکال دیا ہے، میرے دوست کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ والدین کے یہاں رہائش پذیر ہے، اب سوال یہ ہے کہ میں قرض دوست کے والدین کو دوں یا اس کی بیوی بچوں کو؟

جواب : آپ نے اپنے دوست سے جو رقم قرض کے طور پر لی تھی، اس کے مر جانے کے بعد یہ رقم وراثت کے طور پر تمام ورثاء کو ملے گی، مذکورہ صورت میں آپ اپنے دوست کی ماں اور باپ ہر ایک کو رقم کا چھٹا حصہ دیکر باقی رقم دوست کی بیوی بچوں کو دیدیں۔

فلاحی کاموں کے لئے سودی کاروبار میں شرکت

سوال : میری رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں ہے اگر میں اسے فکس ڈپازٹ کر دوں یا کسی سودی اسکیم میں اسے شامل کر دوں تا کہ اس سے حاصل ہونے والے سود کو کسی فلاحی ادارے میں دیدوں، یا اس سے کسی یتیم و غریب کی پرورش کروں تو کیا اس مقصد کے تحت سودی اسکیم میں شرکت جائز ہو گی؟ (وزیر احمد شاہد - جدہ)

جواب : فکس ڈپازٹ یا کسی اور سودی اسکیم میں اپنی رقم لگانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، چاہے اس سے حاصل ہونے والے سود کو مکمل طور پر نیک کام میں لگا دینے

کا ارادہ ہو، اس لئے کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ کسی نیکی کے لئے ناجائز ذریعہ یا حرام کا ارتکاب جائز نہیں، آپ اپنے حلال مال سے اپنی استطاعت کے مطابق فقراء و مساکین کی مدد کریں، ہاں جو سود کی رقم بغیر اختیار کے مل جاتی ہے، اس کے بارے میں علماء نے بعض مصالح شرعیہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہی فتویٰ دیا ہے کہ اسے بنک میں چھوڑ دینے کے بجائے بنک سے نکال کر بلا نیت ثواب کسی محتاج و ضرورت مند کو دیدیں۔

کرنسی کی قیمت میں کمی بیشی اور قرضہ

سوال : میں نے اپنے بھتیجے کو ۱۹۸۶ء میں قرض دیا تھا، وہ پاکستان میں تھا اس نے پندرہ ہزار روپے مانگے تو میں نے ۳۳۸۱ ریال کا ڈرافٹ بنوایا جس کے اس وقت پندرہ ہزار پاکستانی روپے بنے اور میں نے وہ ڈرافٹ اسے روانہ کردیا، اب عید الاضحیٰ کے موقع پر میں نے پیسے مانگے تو اس نے کہا کہ میں آپ کو پاکستانی پندرہ ہزار روپے دے دونگا، میں نے کہا آپ مجھے ۳۳۸۱/ ریال دیں کیونکہ اِس وقت ۱۸۴۰/ ریال کے پندرہ ہزار ریال بنتے ہیں، اس طرح ۱۶۴۱/ ریال کا میرا خسارہ ہوتا ہے، جس کے تقریباً پاکستانی چودہ ہزار روپے بنتے ہیں، چند دوستوں نے یہ فیصلہ کیا اور میرے بھتیجے سے کہا کہ تم دس ہزار روپے اور دیدو، اور وہ اس پر تیار ہوگیا ہے، تو کیا پندرہ ہزار کے علاوہ یہ دس ہزار کی زائد رقم میرے لئے حلال ہے یا حرام؟ (محمد یونس - ینبع البحر)

جواب : قرض کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ شئی مقروض کی قیمت خرید کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ جس شکل میں قرض لیا گیا اسی شکل و صورت میں لوٹایا جائے گا، چاہے جب بھی لوٹایا جائے، اگر قرض کی ادائیگی کے وقت مال مقروض کی قدر و قیمت میں کافی اضافہ ہوگیا ہو، تو مقروض کو مالِ مقروض میں کمی کرنے اور کم ادا کرنے کا حق نہیں، اسی طرح ادائیگی کے وقت مالِ مقروض کی قدر و قیمت کافی گھٹ گئی ہو تو

قرضدار کو مقروض سے اضافہ کرنے اور زیادہ ادا کرنے کا مطالبہ بھی جائز نہیں، ورنہ یہ صورت سود میں شمار ہوگی، علامہ علاء الدین حصکفیؒ لکھتے ہیں:

انه مضمون بمثله فلا عبرة بغلائه ورخصه . (۱)

قرض اسی کی مثل سے دیا جائے گا اور اس میں ارزانی اور گرانی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

مثلاً اگر آپ آج کسی کو پندرہ ہزار روپے پاکستانی قرض دیں اور ایک سال بعد واپس لیں تو یہ کہہ کر بیس ہزار روپے پاکستانی کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ اس وقت روپے کی قیمت میں کمی ہو گئی ہے ایک سال پہلے پندرہ ہزار روپوں کی جو قیمت تھی اب وہ بیس ہزار کی ہے، یا ایک سال پہلے پندرہ ہزار روپوں میں جو چیز خریدی جا سکتی تھی یا اس وقت جتنی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں، اب وہ چیز بیس ہزار میں ملتی ہے یا اتنی ضرورتیں اب بیس ہزار میں پوری ہوتی ہیں، یہ صورت جائز نہیں بلکہ یہ سود ہے، جو حرام اور سنگین گناہ ہے۔

اسی طرح اگر آپ آج کسی کو دس ہزار ریال قرض دیں اور دو سال بعد واپس لیں تو یہ کہہ کر گیارہ ہزار ریال کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ دو سال پہلے دس ہزار ریال کے جتنے پاکستانی روپے بنتے تھے اتنے پاکستانی روپے، اس وقت گیارہ ہزار ریال میں بنتے ہیں، اسی طرح اگر ادائیگی کے وقت نو ہزار ریال میں اتنے پاکستانی روپے بن جاتے ہوں جتنے کہ دو سال پہلے (قرض لیتے وقت) دس ہزار ریال میں سے بنتے تھے تو قرض ادا کرنے والے کو ایک ہزار ریال کم کر کے نو ہزار ریال ادا کرنے کا حق نہیں، اس کو پورے دس ہزار ریال ادا کرنے ہوں گے، کیونکہ جو چیز قرض کے طور پر لی جائے وہی ادا کی جائے گی، اس کی قیمت اور قدر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، ہاں باہمی رضامندی سے ادائیگی کے وقت کوئی دوسری شئی لی اور دی جا سکتی ہے، چاہے وہ مال مقروض سے کم یا زیادہ قیمت کی ہو، یہ اس لئے جائز ہے کہ حقیقتاً یہ خرید و فروخت ہے، اور خرید و فروخت میں خرید

---

(۱) در مختار ۳/۱۷۲

نے اور بیچنے والے کو کمی بیشی کا اختیار ہے۔

چنانچہ اگر آپ کسی کو مثال کے طور پر پاکستانی پندرہ ہزار روپے قرض دیں تو جتنی مدت کے بعد بھی واپس لیں تو آپ پاکستانی پندرہ ہزار روپے ہی کے حقدار ہیں، ا س میں اضافہ یا کسی اور چیز کے مطالبہ کا آپ کو حق نہیں، ہاں باہمی رضامندی سے روپوں کے بدلے کسی اور چیز کو آپ لے سکتے ہیں، کہ مجھے پندرہ ہزار روپے کے بدلے تین ہزار ریال دیدو یا تم اپنی فلاں گاڑی مجھے دیدو، چاہے اس گاڑی کی قیمت یا تین ہزار ریال کی قیمت پندرہ ہزار روپے پاکستانی سے زیادہ ہو، یہ اس لئے جائز ہے کہ یہ صورت خرید و فروخت کی ہو گئی، اگر وہ شخص (مقروض) اس پر راضی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، واضح رہے کہ یہ صرف مقروض کی رضامندی پر موقوف ہے ورنہ آپ کو اس پر جبر کرنے یا زبردستی مالِ مقروض کے علاوہ زیادہ مالیت کی چیز وصول کرنے کا شرعی طور پر حق نہیں، آپ وہی چیز مانگ سکتے ہیں جو آپ نے قرض کے طور پر دی ہے۔

مذکورہ سوال میں چونکہ آپ نے ۳۳۸۱ ریال کا ڈرافٹ بنوا کر اسے پندرہ ہزار پاکستانی روپوں میں تبدیل کر دیا اور جو چیز آپ کے بھتیجے کو بطور قرض کے ملی، وہ پاکستانی پندرہ ہزار روپے تھے نہ کہ ۳۳۸۱ ریال گویا حقیقۃً آپ نے پندرہ ہزار پاکستانی روپے قرض دیا لہٰذا آپ اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اس میں اضافہ کا مطالبہ سود میں شمار ہو گا، اور آپ کے بھتیجے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ پاکستان میں آپ کو پندرہ ہزار روئے پاکستانی ادا کرے یا پندرہ ہزار روپے پاکستانی ڈرافٹ بنا کر آپ کے حوالے کرے، ہاں اگر آپ اس وقت پاکستانی روپوں کے بجائے ۳۳۸۱ ریال قرض دیتے تو اس وقت بھی آپ کو ۳۳۸۱ ریال کے مطالبہ کا حق رہتا۔

اگر اس وقت آپ پاکستانی پندرہ ہزار روپوں کے بجائے ریال کے شکل میں اپنا قرض وصول کرنا چاہیں تو اس سلسلے میں آپ کو زبردستی کرنے کا تو حق نہیں، لیکن قرض لینے والا اور اب ادا کرنے والا اس معاملہ پر بخوشی راضی ہو تو یہ صورت جائز

ہو گی اور ایسی صورت میں جتنے ہزار ریال پر بھی دونوں کی رضامندی ہو جائے وہ جائز ہے، مثلاً آپ کہیں کہ مجھے پندرہ ہزار پاکستانی روپے کے بجائے مجھے تم تین ہزار ریال دو یا ڈھائی ہزار ریال اور آپ کا بھتیجہ اس پر راضی ہو تو یہ آپ کے لئے جائز ہے، اس لئے کہ مختلف ممالک کی کرنسی کو مستقل الگ شے مان کر اکثر علماء نے اس میں کمی بیشی کے ساتھ تبدیلی (گویا خرید و فروخت) کو جائز قرار دیا ہے، اگر باہمی رضامندی نہ ہو سکے تو پھر شرعاً آپ کو پندرہ ہزار روپے پاکستانی کے مطالبہ کرنے اور وصول کرنے کا حق ہے۔

واضح رہے کہ پاکستانی روپوں میں ہی ادائیگی ہو تو اس میں کچھ بھی اضافہ کے مطالبہ کا آپ کو حق نہیں، کیونکہ ایک ہی نوع اور ایک ہی جنس کی چیزوں کی خرید و فروخت اور تبدیلی میں کمی بیشی جائز نہیں بلکہ سود ہے، احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ نے جس شکل میں قرض دیا ہے اس شکل میں وصول کریں اور ظاہری نقصان کو نقصان نہ سمجھیں، بلکہ اللہ کے یہاں اس کے بے حساب اجر و ثواب کی امید رکھیں، بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

مدد و اعانت یا قرض کی ادائیگی؟

سوال : میں ابھی چھٹی سے یہاں پہنچا ہوں میرے ذمہ کچھ قرض کی ادائیگی ہے۔ ادھر گھر والوں کا تقاضا ہے کہ شادی کی تیاری کے لئے پیسے روانہ کروں، خاندان میں دو تین شادیاں ہونے والی ہیں، مسئلہ کھانے پینے کا نہیں بس شادیوں پر کپڑے وغیرہ بنانے کے لئے پیسے منگوا رہے ہیں، میں پہلے قرض ادا کروں یا شادی کی تیاری کے لئے پیسے روانہ کروں، میں کسی کا قرض اپنے ذمہ باقی رکھنے سے ڈرتا ہوں، کیونکہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، شرعاً مجھ پر کس کا حق زیادہ ہے؟ (ندیم خان - جدہ)

جواب : آپ پہلے اپنا قرض ادا کریں قرض کی ادائیگی بہر حال مقدم ہے، اس کے

بعد جائز کاموں میں اپنے گھر اور خاندان والوں کی مقدور بھر مدد کریں، یہ صلہ رحمی کا تقاضا بھی ہے اور بہت زیادہ اجر و ثواب کا کام بھی، اگر قرض کا بوجھ زیادہ نہ ہو اور اس کے آسانی سے ادا ہونے کی امید ہو اور پھر خاندان میں کوئی ضرورت مند ہو تو قرض کی ادائیگی کو کچھ مؤخر کر کے ضرورت مند کی ضرورت بھی پوری کی جاسکتی ہے یہ ہر شخص کے اپنے معاشی حالات پر منحصر ہے۔

موسیقی کی اجرت

سوال : میری ایک کزن ہے جو یونیورسٹی میں پڑھتی ہے، اسے موسیقی سے بچپن ہی سے لگاؤ تھا، اب وہ باقاعدہ اسٹیج پر آکر گاتی ہے، (عام گانے نہیں بلکہ غزلیں) بلکہ ہمارے ہاں ایک فرم نے ہر ماہ ان کے غزل شو کے سلسلے میں ان کی تنخواہ مقرر کی ہے، یہ چونکہ ہماری رشتہ دار ہیں لہٰذا ہمارا ان کے ہاں آنا جانا رہتا ہے، اس سلسلہ میں یہ سوال پوچھنا ہے کہ ان کی کمائی حرام ہے یا حلال؟ اگر حرام ہے تو کیا ہمیں ان کے گھر کا کھانا اور ان کی طرف سے دیئے گئے گفٹ وغیرہ لینے چاہئیں کہ نہیں؟

جواب : گانا بجانا جسے آپ موسیقی بھی کہہ سکتے ہیں، اور اسی گانے بجانے اور رقص کو بعض لوگ ثقافت بھی کہتے ہیں، بہر حال کسی چیز کا نام بدلنے سے اس کا حکم شرعی نہیں بدل سکتا، اسلام میں موسیقی کی ہر قسم ناجائز بلکہ حرام ہے، اور حرام کام کی کمائی بھی یقیناً حرام ہوتی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے سامنے وہ حدیث ہے جو امام الطبرانی نے معجم کبیر میں نقل کی ہے، جس میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ گانا گانے والی مغنیہ کا گانا اور گانے کی اجرت دونوں حرام ہیں، (۱) اسی طرح صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی سرکارِ دو عالم ﷺ نے تین قسم کی کمائی (اجرت) کو حرام کہا ہے، اور ان تینوں میں ایک نائیکہ و گائیکہ کی کمائی ہے، (۲) آپ کی کزن اسٹیج شو، شامِ غزل اور

(۱) مشکوۃ، باب الکسب و طلب الحلال، الفصل الثانی (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۲۳۷

موسیقی کے دوسرے پروگراموں کے ذریعہ جو پیسے کماتی ہیں وہ شرعاً حرام ہیں اور ایسی حرام کمائی کا کھانا پینا اور گفٹ وغیرہ بھی یقیناً حرام ہی ہیں، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں :

لایجوز الاستیجار علی شیئی من الغناء والنوح والمزامیر ..... ولا اجر لهم فی ذلك . (۱)

مزامیر، نوحہ خوانی اور گانے بجانے وغیرہ کے کاموں پر کسی کو اجیر رکھنا درست نہیں ہے اور وہ اجرت کے حقدار نہیں ہوتے ہیں۔

گویا کہ یہ تمام تر حرام اور شیطانی کام ہیں اور ان پر اجرت دینا لینا دونوں حرام ہے۔

دلالی کا پیشہ

سوال : اسلام میں عقاری (دلالی) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس سے کمائی ہوئی رقم جائز ہے یا نہیں؟

جواب : دلال شریعت کے اصطلاح میں اجیر کا نام ہے، اور اجیر جس کا کام کرتا ہے وہ اسی سے اجرت پانے کا مستحق ہوتا ہے، اگر بائع کا کام کرتا ہو تو وہ بائع کا اجیر ہے اور اگر مشتری کا کام کرتا ہو تو مشتری کا اجیر ہے، اور اسی سے اجرت پانے کا حقدار ہوتا ہے، اور اس کی اجرت حلال ہے، البتہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کام ایک کا ہو اور اجرت دونوں سے وصول کرے یہ ناجائز ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص دونوں کا کام الگ الگ کام ہونے کی بنا پر دونوں سے معروف اجرت لے تو ایسا کر سکتا ہے، در مختار اور اس کی شرح رد المحتار میں ہے :

واما الدلال فان باع العین بنفسه باذن ربها فاجرته علی البائع(قال الشامی) ولیس له اخذشیئی من المشتری (الی قوله) فالظاهر انه یعتبر العرف هنا لانه لاوجه له ، وان سعٰی بینهما وباع المالك بنفسه یعتبر العرف(قال الشامی) فتجب الدلالة علی البائع اوالمشتریشش اوعلیهما بحسب

(۱) هندیه ۴۴۹/۴ ، باب اجارة المعاصی

العرف . (۱)

"اگر دلال نے شئی کو مالک کی اجازت سے خود فروخت کیا تو اس کی اجرت یا نفع بائع پر ہوتی ہے (علامہ شامی لکھتے ہیں کہ) مشتری سے کچھ بھی وصول کرنا اس کے لئے درست نہ ہوگا، دراصل بات یہ ہے کہ یہاں عرف کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ مشتری سے لینے کے کوئی معنی نہیں۔"

لڑکیوں کا پڑھنا اور ملازمت کرنا

سوال : ہمارے ہاں لڑکیوں کی تعلیم بالکل نہ ہونے کے برابر ہے، ادھر گھر کے نزدیک ہی ایک گرلز اسکول تعمیر ہوا ہے، اور وہاں تعلیم شروع ہوگئی ہے، میری بیوی بی-اے تک پڑھی ہوئی ہے، بعض احباب کی اور خود میری بیوی کی بھی خواہش ہے کہ تدریس سے وابستہ ہو جائے، الحمد للہ بیوی باپردہ ہے، اسکول جاتے ہوئے بھی باپردہ رہے گی، ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ عورت کی کمائی مرد کیلئے رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دی ہے، اس سلسلے میں تشویش میں مبتلا ہوں کیا کروں؟ آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ کیا عورت کے لئے سرکاری نوکری کرنا جائز ہے اور کیا مرد اس کی کمائی میں سے کھا سکتا ہے؟ (احمد حسین عباسی-الطائف)

جواب : علم حاصل کرنے اور علم کو پھیلانے، دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نھی عن المنکر کرنے میں مسلمان عورت بھی اسی طرح سے اپنا حق ادا کرے گی جس طرح ایک مرد یہ امور انجام دیتا ہے، سیدہ کائنات ام المومنین عائشہؓ کا یہ قول صحیح بخاری میں موجود ہے جس میں وہ انصاری خواتین کے علم سیکھنے کی تعریف کرتی ہیں کہ "انصاری عورتیں کتنی اچھی ہیں کہ ان کو ان کے حیا (پردہ کی پابندی) نے علم حاصل کرنے سے (تفقہ فی الدین سے) نہیں روکا" ہمارے معاشرے میں آج اس بات کی

---

(۱) درمختار ورد المحتار ۴/۴۲

اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی لڑکیوں اور خواتین کو دینی و دینوی علوم سے روشناس کرائیں، کوئی بعید نہیں کہ اگر ہماری خواتین صحیح معنوں میں مسلمان خواتین کا کردار ادا کریں تو ہمارے ہاں انہی کی برکت سے انقلاب آجائے، اسلام نے عورت کو دینی و دینوی جائز علوم حاصل کرنے، علم کو پھیلانے، دعوت و تبلیغ کے شعبے میں کام کرنے، اور روزگار حاصل کرنے سے قطعاً نہیں روکا، بشرطیکہ پردے اور شرعی پابندیوں کا خیال رکھا جائے، آپ کی اہلیہ ملازمت کر سکتی ہیں، اور تدریس کا شعبہ تو علم کے پھیلانے کا شعبہ ہے جو بجائے خود ایک مقدس و مبارک عمل ہے۔

یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ بیوی کی کمائی شوہر پر حرام ہے، یہ بالکل غلط بات ہے اور جاہلانہ خیال ہے، سیدہ کائنات اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ ان کے مال کو رسول کریم ﷺ نے تجارت کے لئے استعمال کیا، عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ کے بارے میں بھی مذکور ہے کہ وہ اپنے شوہر کی مالی مدد کیا کرتی تھیں، آپ اپنی بیوی کو تدریس کے اس شعبے سے منسلک ہونے سے نہ روکیں بلکہ ان کی ہمت افزائی کریں، اللہ کرے کہ ہمارے تعلیمی نظام اور اداروں میں ہمیں ایسے مرد و خواتین مل سکیں جو حقیقی معنوں میں اچھے مسلم استاد کا کردار ادا کریں تاکہ ہماری نئی نسل مغرب کی غلیظ ثقافتی اور فکری یلغار کے خطرات سے محفوظ ہو سکے، جو ہمارے تعلیمی اداروں اور میڈیا کے ذریعے ہم پر حملہ آور ہے۔

شراب کی کمائی حرام ہے

سوال : کیا شراب کی دکان کی کمائی جائز ہے؟ (عبدالغفور - بحرین)

جواب : شراب کی کمائی حرام ہے، رسول کریم ﷺ نے شراب پینے والے کی طرح شراب نچوڑنے والا، پینے والا، اٹھانے والا، وہ جس کے لئے اٹھا کر لے جائی جائے، پلانے والا، فروخت کرنے والا، اس کی قیمت کھا جانے والا، خریدنے والا، اور وہ جس کے لئے خریدی جائے، ان سب پر آپ نے لعنت فرمائی ہے۔(۱)

(۱) ترمذی، کتاب الاشربة

اجرت اور مزدوری حلال ہے

سوال: میں انڈیا میں اپنی دکان پر گاڑیوں کا کام کرتا تھا، وہاں میرا ایک پرانا گاہک تھا، میں اس کا کام کر کے اس سے اپنی اجرت جو میرا حق بنتی تھی لیتا تھا، بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ آدمی شراب وغیرہ کا کاروبار کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کی کمائی حرام ہوئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ میں جو اس سے اپنی محنت کا پیسہ لیتا تھا کیا وہ بھی حرام ہوا، اس طرح کیا حرام کمائی بھی حلال ہوسکتی ہے؟ (سید رضا - مکہ مکرمہ)

جواب: آپ کی محنت ومزدوری اور اجرت جو آپ شراب کا کاروبار کرنے والے کا کام کر کے لیتے تھے وہ آپ کے لئے حلال تھی، کیونکہ نہ آپ اس کی دکان پر کام کرتے تھے اور نہ اس کے کاروبار میں آپ کا تعاون تھا، ایک ہی چیز نسبت بدلنے سے بسااوقات ایک شخص کے لئے حلال اور دوسرے کے لئے حرام ہو جاتی ہے، مثلاً اسی مثال کو آپ اس طرح سوچیں کہ ایک شخص جائز تجارت کرتا ہو تو اس کی آمدنی اور روپیہ پیسہ اس کے لئے یقیناً حلال ہے، اب اگر وہ اپنے حلال پیسے سے شراب کی بوتل خرید لے تو وہ روپیہ جو کہ اب تک خریدار کے پاس حلال تھا، لیکن اب شراب کی قیمت اور اس کے عوض کے طور پر پہنچنے والے کے لئے حرام ہو گیا، اس لئے کہ اس کے پاس وہ شراب کے عوض اور بدل کے طور پر ہے، اب اگر آپ اس کا جائز کام کر کے اپنی اجرت اسی سے لیتے ہیں تو گو کہ وہ روپیہ اس شخص کے پاس حرام کا ہو، لیکن نسبت اور تعلق بدل جانے کی وجہ سے آپ کے لئے اس کی حیثیت حلال کی ہوگی۔

اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، سیدنا انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس صدقہ کا گوشت لایا گیا، سیدنا بریرہؓ کو کسی نے صدقہ کا گوشت ہدیہ کیا تھا، آپ ﷺ کے پاس وہ گوشت لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اس کے لئے صدقہ ہے اور میرے لئے ہدیہ ہے، (۱) ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح کرتے

---

(۱) بخاری عن عائشه ، باب قبول الهدية، كتاب الهبة

ہوئے لکھتے ہیں:

ان الصدقة اذا قبضها من يحل له اخذها ثم تصرف فيها زال عنها حكم الصدقة وجاز لمن حرمت عليه ان يتناول منها اذا اهديت له او بيعت . (۱)

"صدقہ پر اگر ایسا شخص قبضہ کرلے جس کے لئے صدقہ لینا حلال ہے، پھر وہ اس میں تصرف کردے تو اس سے صدقہ کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور جس کے لئے صدقہ حرام ہے، اس کو ہدیہ کرنے سے یا بیچنے سے اس کے لئے حلال ہو جاتا ہے۔"

لیموزین کمپنی کی ملازمت

سوال: یہاں عام طور پر لیموزین کمپنی والے ڈرائیوروں کو گاڑی کچھ اس طرح کے معاہدے پر دیتے ہیں کہ ڈرائیور تین سال تک ہر دن دو سو ریال مالک کو ادا کرے، مالک یا کمپنی کی طرف سے اس کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں ہوتی، وہ ایک دن میں کم یا زیادہ جتنا بھی کمائے کمپنی کو ہر حال میں یومیہ دو سو ریال دینا ہوگا، باقی گاڑی کی مرمت وغیرہ کی ذمہ داری ڈرائیور پر ہوگی، تین سال کے بعد گاڑی ڈرائیور کے نام کردی جاتی ہے، اور وہ اس کا قانونی طور پر بھی مالک ہو جاتا ہے، کیا اس طرح کا معاہدہ یا ملازمت جائز ہے؟ شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ نیز کیا یہ سود کے زمرے میں آتا ہے؟ (محمد اشرف - بیشہ)

جواب: یہ اصل میں قسط وار خرید و فروخت کی صورت ہے، جو کہ شرعاً جائز ہے، اس لئے اس طرح کا معاہدہ اور یہ ملازمت جائز ہے سود میں اس کا شمار نہیں۔

---

(۱) فتح الباری ۲۵۶/۵ ، ط : کراچی

امامت کی تنخواہ

سوال : کیا نماز پڑھانے کی تنخواہ لینا جائز ہے، اور کیا یہ آیات الٰہی اور دین کو بیچنا نہیں۔؟ (محمد شریف - جدہ)

جواب : امامت کی تنخواہ لینا نماز پڑھانے کی اجرت نہیں ہے، اور نہ ہی یہ دین اور آیات کو بیچنا ہے، متقدمین علماء احناف نے نماز پڑھانے، اذان دینے اور قرآن پڑھنے پڑھانے کی اجرت کو حرام قرار دیا تھا، لیکن متاخرین علماء نے اس کو دینی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے، یہ حقیقت میں اس وقت اور اس محنت اور مشقت کی مکافاۃ ہے جس کا تعلق پڑھانے والے سے ہے۔

بینک کی ملازمت

سوال : وہ بینک جہاں سودی لین دین ہوتا ہو اس کی ملازمت جائز ہے کہ ناجائز؟

(احمد زمان خان - ریاض)

جواب : بینک کے تمام معاملات سود پر مبنی ہیں اس میں سودی معاملات لکھے ہوتے ہیں اس کی ملازمت سودی کاروبار میں تعاون ہے، جو کہ ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا تعاونوا علی الاثم والعدوان . (مائدہ-۲)

گناہ اور ظلم کے کام میں کسی کا تعاون نہ کرو۔

حدیث شریف میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ و کاتبہ، وشاھدہ وقال ھم سواء . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے سود لینے اور دینے والے، سودی معاملہ لکھنے والے اور گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

---

(۱) ابو داؤد عن ابن مسعود، باب فی آکل الربوا وموکلہ کتاب البیوع

اس لئے بینک کی ایسی ملازمت جس میں سودی کاروبار کو لکھنا وغیرہ پڑتا ہو درست نہیں ہے، ضروری ہے کہ وہ کوئی دوسری ملازمت تلاش کریں، اللہ نے خود روزی کا وعدہ فرمارکھا ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ حلال رزق کی جستجو کریں، اور آپ کو منجانب اللہ مدد نہ ملے۔

تراویح پر اجرت

سوال : بعض حافظ تراویح پڑھا کر پیسے لیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(سید محمد حماد - طائف)

جواب : یہ جو عام طور پر رواج ہو گیا ہے کہ لوگ اجرت متعین کر کے کسی حافظ سے تراویح میں قرآن پڑھواتے ہیں اور حفاظ اپنا گاؤں اور اپنا شہر چھوڑ کر دور دور ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں روپیہ زیادہ ملتا ہو، یہ مناسب نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ تراویح میں اجرت پر قرآن پڑھوانے کو علماء نے ناجائز لکھا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے اس کے لئے اس حیلہ کو جائز قرار دیا ہے کہ حافظ صاحب کو رمضان کے مہینے کا نائب امام مقرر کر لیا جائے، اور جو روپیہ ملتا ہے اسے امامت کی اجرت سمجھا جائے، لیکن مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس حیلہ کو ناجائز لکھا ہے فرماتے ہیں :

دیانات میں جو کہ معاملہ فی ما بین العبد و بین اللہ ہے حیلہ مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے، لہٰذا یہ ناجائز ہے۔(۱)

اس کی ناجائز ہونے کی بنیاد وہ آیات اور احادیث ہیں جن میں قرآن کو ذریعہ معاش بنانے کی مذمت کی گئی ہے، اسی لئے متقدمین احناف نے طاعات و عبادات پر اجرت لینے کو ناجائز سمجھا ہے، تاہم متاخرین احناف نے دینی ضرورت شدیدہ کی بنا پر کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو دینی تعلیم کا سلسلہ بند ہو جائے گا، اور نماز وغیرہ کی صحیح ادائیگی نہ ہو سکے گی، اور یہ چیزیں فرائض میں سے ہیں جن کو پورا کرنا ہر مسلمان پر

---

(۱) امداد الفتاوی ۱/۴۸۵

فرض ہے، اور تراویح میں پورا قرآن سننا سنانا سنت ہے، اور یہ سنت الم ترکیف پڑھ کر یا تھوڑا قرآن پڑھ کر بھی ادا ہو سکتا ہے، اس لئے تراویح پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے، (۱) اجرت لیکر قرآن خوانی کرنا درست نہیں ہے، اس کی جو بنیاد ہے وہی بنیاد تراویح پر اجرت لینے میں بھی ہے، اس لئے جیسے قرآن خوانی پر اجرت ناجائز ہے، اسی طرح اجرت لے کر تراویح بھی ناجائز ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے :

الحاصل ان ماشاع فی زماننا من قرأة الاجزاء بالاجرة لایجوز لان فیه الامر بالقرأة واعطاء الثواب لاجل المال ، فاذا لم یکمن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر ولو لا الاجرة ماقرأ احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسباً و وسیلة الی جمع الدنیا انا لله وانا الیه راجعون . (۲)

حاصل یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں قرآن پڑھ کر اجرت لینے کا جو رواج ہو گیا ہے وہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں تلاوت اور اس کا ثواب مال کی وجہ سے کو بخش دینے کا حکم ہے، اور تلاوت یہاں محض مال کے لئے ہے، تو جب پڑھنے والے کی نیت ہی صحیح نہیں ہے تو اس کا اجر بھی نہ ہو گا، تو پھر ثواب اجرت ادا کرنے والے کو کیوں کر پہنچے گا، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اجرت نہ ملے تو اس زمانے میں کوئی کسی کے لئے تلاوت نہ کرے، دراصل ان لوگوں نے قرآن کو ذریعہ معاش اور دنیا کمانے کا ایک وسیلہ بنالیا ہے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

لیکن اگر کوئی معاوضہ متعین نہ کرے اور لوگ خود ہی اپنی طرف سے کچھ پیش کر دیں تو اس کی حیثیت چونکہ اجرت اور معاوضہ کی نہیں بلکہ ہدیہ و تحفے کی ہے لہذا اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، البتہ حافظ کو چاہیئے کہ اخلاص اور رضاء الٰہی کی

---

(۱) رالمتحار ۴۶/۵، کتاب الاجارہ (۲) رد المحتار ۵۳/۵

نیت سے تراویح پڑھائے، ورنہ اس عظیم خدمت پر اجر و ثواب کے لحاظ سے اللہ کے یہاں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

زیادہ مال کی طلب

سوال: یہاں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا اپنے وطن میں اچھا خاصا گزارہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا دے رکھا ہے کہ جتنی محنت وہ یہاں کرتے ہیں ان کو اتنا اپنے وطن میں کریں تو بھی اچھی خاصی آمدنی انہیں ہو سکتی ہے، اور اچھا وقت گزر سکتا ہے، لیکن وہ لوگ پھر بھی ادھر دو دو تین تین سال تک اپنے بیوی بچوں سے دور رہتے ہیں، صرف اور صرف دنیا میں اپنی جائداد بڑھانے کے لئے وطن اور بیوی بچوں سے دور رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

(محمد یار رانجھا-الباحہ)

جواب: رزقِ حلال کمانے کے لئے اور حلال مال بڑھانے کے لئے اپنے وطن سے دور رہنا اور جائز ذرائع آمدنی اختیار کرنا جائز ہے، البتہ محض لالچ، طمع دنیا کے کی حد سے زیادہ محبت اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی دھن میں لگ کر بیوی بچوں کے حقوق پامال کرنا کسی بھی طرح جائز و مناسب نہیں ہے، شرعی عذر کے بغیر بیوی سے چھ ماہ سے زیادہ دور رہنا بھی شرعاً منع ہے کتنے وہ لوگ ہیں جو دنیا اور مال کمانے و بڑھانے کے شوق میں کئی سال تک اپنی بیوی بچوں اور وطن سے دور رہتے ہیں، یہ لوگ پیسے تو خوب کما لیتے ہیں لیکن وطن واپسی کے بعد انہیں وہ سکھ اور چین نصیب نہیں ہوتا جو ایک عام غریب شخص کو میسر ہوتا ہے، اور جو وطن میں رہنے والے (تقریباً) ہر عام شخص کو میسر ہے۔

غلط درخواست سے تنخواہ حلال نہیں

سوال : میں یہاں سعودی عرب میں ملازمت کر رہا ہوں جب پہلی مرتبہ یہاں آرہا تھا تو پاکستان میں اپنی کمپنی کو یہ غلط درخواست دی کہ تعلیم کی غرض سے باہر جارہا ہوں، اس طرح دو سال کی چھٹی لیکر روزگار کے لئے چلا آیا اور پاکستان میں کمپنی سے تنخواہ بھی وصول کرتا رہا، اگر میں ایسی درخواست نہ دیتا تو مجھے چھٹی نہ ملتی، بلکہ استعفی دینا پڑتا، کیا یہ تنخواہ میرے لئے حلال ہے اگر نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہئے میرے مسلسل دس سال سے یہاں رہنے کی وجہ سے میری وہ ملازمت ختم بھی ہوگئی ہے۔

(عرفان محمد - جدہ)

جواب : آپ نے جھوٹی درخواست اور ایک طرح سے دھوکہ دیکر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور توبہ واستغفار کریں، جھوٹی اور غلط درخواست دیکر چھٹی لینے سے تنخواہ حلال نہیں ہوتی، لہٰذا اس درخواست کی بناء پر جتنے دن بھی آپ نے تنخواہ وصول کی ہو وہ آپ کے لئے حلال نہیں اور حرام مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کے اصل مالک تک لوٹا دیا جائے، (جیسے ناجائز طریقے پر حاصل کیا تھا) اور اگر اصل مالک کا پتہ لگنا دشوار اور ناممکن ہو تو پھر اس رقم کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین اور ضرورت مندوں پر خرچ کردیا جائے، حرام مال کا ذاتی استعمال بہر حال ناجائز ہے، آپ پر ضروری ہے کہ اس رقم کو کمپنی کی طرف واپس لوٹا دیں، ہاں اگر کمپنی موجود نہ ہو، ختم ہوگئی ہو یا اس کا مالک بدل چکا ہو اور اصل مالک کا پتہ دشوار ہو تو ایسی صورتوں میں آپ اس رقم کو بلا نیت ثواب ضرورت مندوں کو دے دیں۔

کیا کمیشن لینا جائز ہے؟

سوال : ہمارے کچھ دوست عمارتوں کی رنگ سازی کا کام کرتے ہیں، بعض

دکاندار اس کو کہتے ہیں کہ جس بلڈنگ کا تم اتفاق کرو، اس کے مالک کو ہمارے پاس لے آؤ اور ہم سے رنگ خریدو، سعودی مالک جتنے بر میل ہم سے رنگ خریدے گا ہم تم کو فی بر میل پچاس ریال کمیشن دیں گے چنانچہ ہمارے دوست ایسا ہی کرتے ہیں، اس کے مالک سے کہتے ہیں کہ فلاں دکان پر رنگ اچھا ملتا ہے، اس طرح اس کو راغب کرتے ہیں کہ وہ اس دکان سے رنگ خرید لیتا ہے، بعد میں یہ دکاندار سے اپنا کمیشن وصول کر لیتے ہیں، کیا کمیشن کی یہ رقم ان کے لئے حلال ہے، اور اس طرح کا معاملہ جائز ہے۔ (مختار احمد ورک-الباحہ)

جواب : کمیشن کی جو صورت آپ نے ذکر کی ہے یہ جائز ہے اور یہ رقم ان کے لئے حلال ہے،(۱) بشر طیکہ مالک کو راغب کرنے اور کسی متعین دکان سے رنگ خرید نے کی رغبت دلانے میں جھوٹ و فریب اور دھوکہ دہی سے پرہیز کیا جائے۔

فلمی کیسٹ کا کاروبار؟

سوال : ویڈیو اور آڈیو کیسٹ (خصوصاً فلمی کیسیٹ) کے کاروبار کرنا کیسا ہے؟

جواب : فلمی آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں سے فحاشی اور آوارگی کو فروغ ملتا ہے، جو کہ انفرادی اور اجتماعی ہر اعتبار سے مضر اور نقصان دہ ہے، اس لئے یہ کاروبار جائز نہیں، (مائدہ-۲) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو لہٰذا اپنے کاروبار کے ذریعہ گناہ اور فحاشی کو فروغ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ ہاں دینی کیسیٹس (جس میں تلاوت تقاریر، نعتیں) ہوں، ان کے کاروبار بالکل جائز ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو : حلال وحرام ، ص : ۳۵۰ ط ، حیدر آباد انڈیا

دو طرفہ شرط جائز نہیں

سوال: ہم کبھی وقت گزارنے کے لئے پتے کھیلتے ہیں اور دوستوں کے باہمی اتفاق سے یہ شرط رکھی جاتی ہے کہ جو شخص پہلے ہار جائے گا وہ دس ریال ادا کریگا اور دوسرے نمبر پر ہارنے والا آٹھ ریال ادا کرے گا، اسی طرح آخر تک یہ سلسلہ چلتا ہے، پھر یہ جمع شدہ رقم آپس میں کھا پی کر خرچ کر دیتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ہم سب اس سے اتفاق رکھتے ہیں۔ (عبدالسمیع-ریاض)

جواب: باہمی اتفاق اور رضامندی سے کوئی بھی ناجائز کام جائز نہیں ہو جاتا، آپ لوگوں کی اختیار کردہ یہ صورت قمار و میسر (جوے) سے مشابہت رکھتی ہے بلکہ اس کی ایک قسم ہے اس لئے جائز نہیں، کسی بھی کھیل وغیرہ میں ہار جیت پر دو طرفہ شرط لگانا مثلاً یہ کہنا کہ اگر میں ہار گیا تو تمہیں دس ریال دونگا، اور اگر تم ہار گئے تو تم مجھے دس ریال دو گے، جائز نہیں، ہاں اگر ایک طرفہ شرط ہو مثلاً کوئی ایک شخص یہ کہے کہ اگر میں جیت گیا تو تمہیں دس ریال دونگا یا تمہاری دعوت کرونگا یا کوئی تیسرا شخص (جو کھیل وغیرہ میں شامل نہیں) یہ شرط لگائے کہ جو جیت جائے اس کو میں دس ریال دونگا تو ایسی صورت جائز ہے۔(۱)

آپ لوگوں کے لئے جواز کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہر مرتبہ ایک شخص باری باری کھلانے پلانے کی ذمہ داری لے، ہار جیت اور شرط سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، نیز کھیل وغیرہ کے سلسلے میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کھیل کود، تفریح طبع کے طور پر یا جسمانی و ذہنی تکان دور کرنے کے لئے کبھی کبھار تو جائز ہے، لیکن اس کو مشغلہ روز و شب بنانا ہرگز پسندیدہ نہیں اور کھیلوں میں بھی وہ کھیل زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے جس سے کہ کھیلنے والے کے یا جسم و ذہن و دماغ کو کچھ تقویت ملتی ہو، اس کے علاوہ کھیلوں کو بھی فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ

---

(۱) درمختار ۲۵۸/۵، حلال و حرام ص: ۲۴۱

اس میں ہار جیت کی شرط (جوا) یا کوئی اور فعل حرام نہ پایا جائے، نیز اس درجہ انہماک نہ ہو کہ اس کی وجہ سے فرائض وواجبات شرعی سے غفلت پیدا ہو جائے، اسی طرح بعض صحیح احادیث میں قدیم زمانہ کا کھیل نرد شیر (شطرنج وچوسر) کی مذمت بیان کی گئی ہے ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نرد شیر کھیلے، گویا اس نے اپنے ہاتھ کو خزیر کے گوشت اور اس کے خون میں ڈبویا، (۱) اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس نے نرد کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (۲)

بچوں کی کمائی کھانا؟

سوال: اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ چھوٹے بچوں کو کام پر لگا دیتے ہیں کیا نابالغ اولاد کی کمائی کھانا درست ہے؟

جواب: چھوٹی عمر میں ہی بچوں کو کام لگا دینا اگر چہ مناسب نہیں ہے، اس عمر میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف زیادہ توجہ دی جانی چاہئے لیکن اگر کوئی والدین بچوں کو اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے کام پر لگا دیتے ہیں تو ان کے لئے بچوں کی آمدنی کا استعمال بلا کسی کراہت کے جائز ہے، ایک حدیث میں ہے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے، تم ان کے مال خوشی سے کھاؤ، (۳) بلکہ اگر والدین ضرورت مند ہوں تو وہ اپنی بالغ اولاد کا مال بھی کھا سکتے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس کچھ مال ہے اور میری اولاد بھی ہے، میرے والد مجھ سے میرا مال لینا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اور تمہارا مال

---

(۱) ابوداؤد عن ابن بریدہ، باب فی النھی عن اللعب بالرد کتاب الادب

(۲) ابوداؤ عن ابی موسی الاشعری حوالۂ سابق

(۳) ابن ماجہ عن عائشہ، باب ماللرجل من مال ولدہ، ابواب التجارات

تمہارے باپ ہی کا ہے"(۱)

بٹائی پر کھیتی کی ناجائز صورت

سوال : میں نے اپنی اراضی پر سبزی کی کاشت کی جو کہ عموماً دو ماہ میں تیار ہو جاتی ہے، جس کی خریداری کے لئے بیوپاری سے سبزی کی تیاری سے پہلی ہی معاہدہ ہوتا ہے، مثلاً میں نے آدھا ایکڑ اراضی پر گوبھی کی کاشت کی اور میں نے کسی بیوپاری سے اس تیار ہونے والی ترکاری کا معاہدہ پانچ ہزار روپے میں کیا، اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ معاہدہ ہونے کے بعد موسلا دھار بارش یا طوفانی بارش سے فصل تباہ ہو جاتی ہے، معاہدہ میں ایک شرط ایسی بھی ہوتی ہے کہ بارش کی وجہ سے اگر فصل تباہ ہو جائے تو اس کا ذمہ دار خریدار ہوگا، نہ کہ کاشت کار، کیا ایسا معاہدہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (نواب حفظ الرحمٰن - ریاض)

جواب : شرعاً یہ معاملہ اور معاہدہ درست نہیں ہے جو چیز موجود نہ ہو اور مستقبل میں اس کا موجود ہونا نہ ہونا غیر یقینی ہو تو اٹکل اور اندازے سے ایسی چیزوں کی خرید و فروخت سے شریعت نے منع کیا ہے کیونکہ یہ دھوکہ اور میسر یعنی جوئے کی ایک قسم ہے، جس میں فائدہ اور نقصان غیر متعین، غیر یقینی اور خطرہ میں ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں :

وان يكون الخارج شائعاً بينهما ، تحقيقا لمعنى الشركة ، فان شرطالاحدهما قفزانا مسماة فهي باطلة لان به تنقطع الشركة، لان الارض عساها لاتخرج الا هذا القدر . (۲)

بلکہ مزاعت کے جواز کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پیداوار دونوں کے درمیان شائع ہو، ہر شرکت کا معنی پایا جائے، پس اگر ان میں سے

---

(۲) ابن ماجه عن جابر بن عبدالله حوالهٔ سابق (۲) هدايه ۴۲۶/۴ ، ط . دیوبند انڈیا

کسی ایک کے لئے چند قفیز متعین کر دیئے جائیں، تو یہ معاملہ باطل ہے ،اس لئے کہ اس سے شرکت ختم ہو جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے زمین سے اتنی ہی مقدار پیداوار ہو۔

درزیوں کیلئے بچے ہوئے کپڑے کا استعمال

سوال : میں سعودی عرب میں تقریباً چھ سال سے لیڈی ٹیلر کا کام کرتا ہوں کپڑا سلنے کے بعد بچ جاتا ہے، یا میں بچالیتا ہوں گاہک کو پتہ نہیں ہوتا کہ کپڑا بچا ہے یا نہیں کپڑا، ان بچے ہوئے کپڑوں کو کیا میں اپنے یا اپنے بیوی بچوں کے استعمال میں لا سکتا ہوں؟ (محمد جلیل-جیزان)

جواب : کپڑا بچنے کی اطلاع گاہک کو دے دیجائے اور پھر وہ کپڑا واپس نہ لے اور آپ کو دیدے تو اس کی طرف سے ہبہ و عطیہ سمجھا جائے گا، اس صورت میں اس کا ستعمال آپ کے لئے حلال ہو گا، گاہک کے اطلاع کے بغیر کپڑا رکھ لینا، ایک طرح کی چوری ہے، جس کے بارے میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے، لہٰذا (اس سے احتیاط کرنا چاہئے، استعمال کرنا ہی ہو تو اجازت لے لیں۔

امانت ضائع ہو جائے تو......؟

سوال : میں اپنے اپنی اہلیہ کو وطن روانہ کیا تو ان کے ہمراہ جو سامان بھیجا اس میں ایک بیگ ایسا تھا جس میں طلائی زیور اور خرید کئے ہوئے نئے کپڑے تھے اور ساتھ ہی دوستوں کے دیئے ہوئے خطوط (بند لفافے کی شکل میں) جسمیں ریال وغیرہ بھی تھے دوستوں کے پتے پر پہنچانے تھے، میری اہلیہ ائیر پورٹ پہنچ کر جب سامان کی وصولی کے لئے بیلٹ پر گئیں تو کافی انتظار کے بعد سامان بیلٹ پر آیا، جس میں ایک چھوٹا بیگ سب سے آخر میں کھلی ہوئی شکل میں دستیاب ہوا (بیلٹ پر آیا) اہلیہ

نے جب بیگ دیکھا تو اس میں سے زیورات رقم اور خطوط غائب تھے، کسٹم والوں سے شکایت کی گئی، مگر کوئی فریاد سننے والا نہ تھا چونکہ وہ اکیلی تھیں، ساتھ میں چار سالہ بچہ بھی تھا، کسی طرح سامان اکٹھا کر کے گھر پہنچ گئیں، دوسرے دن فون پر مجھے ان تفصیلات کا علم ہوا۔

اب جن دوستوں نے رقم وہاں پہنچانے کے لئے دی تھی، وہاں ان کے لوگ آکر میری اہلیہ سے تقاضہ کر رہے ہیں، اور دھمکی دے رہے ہیں کہ ہم کو ہماری رقم دیں ورنہ پولیس کیس کریں گے، اس بارے میں کافی پریشان ہوں کہ آیا مجھے ان کی رقم ادا کرنا ہوگی، یا نہیں؟ شرعی نقطہ نظر سے آگاہ کریں مہربانی ہوگی۔ (محمد کمال الدین احمد-القنفذہ)

جواب: وطن جانے والے کسی دوست کے ذریعے روپیہ پیسہ یا کوئی چیز بھیجی جائے تو اس کی حیثیت "امانت" کی ہوتی ہے اور لے جانے والا "امین" ہوتا ہے، امین کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ امانت کی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح اپنے مال یا اپنی چیز کی حفاظت کرتا ہے، لیکن اگر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے امانت ضائع ہو جائے تو شرعاً امین پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور اس پر اس کا تاوان وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

الوديعة امانة فى يدالمودع اذا هلكت لم يضمنها لقوله عليهالسلام : ليس على المستعير غير المغل ضمان ولا على المستودع غيرالمغل ضمان ، ولان بالناس حاجة الى الا ستبداع فلو ضمناه يمتنع الناس عن قبول الودائع فيتعطل مصالحهم . (۱)

مال ودیعت مودع کے ہاتھ میں امانت ہے، اگر ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: غیر

(۱) هدايه ۴/۲۲۶ ، ط : ديوبند انڈيا

خائن منگنی لینے والے پر ضمان نہیں اور نہ ہی ودیعت لینے والے غیر خائن پر ضمان ہے۔

نیز اس لئے بھی کہ لوگوں کو مال امانت رکھنے کی ضرورت در پیش ہوتی ہے، پس اگر امین کو ضامن قرار دیں تو لوگ مال امانت قبول کرنے سے کترائیں گے اور اس طرح لوگوں کی مصلحتیں معطل ہو کر رہ جائیں گی۔

ہاں اگر امین نے قصداً اسے ضائع کرنے کی کوشش کی یا اس کی حفاظت میں اپنی طرف سے غفلت اور کوتاہی کی، ایسی صورت میں ضائع ہو جانے پر اس کو اس امانت کا تاوان دینا پڑیگا، سنن ابن ماجہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس امانت رکھی جائے اس پر کوئی تاوان نہیں۔(۱)

بہر حال امانت کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ "امین" کی طرف سے امانت میں خیانت نہ ہو اس کی حفاظت میں کوئی کوتاہی اور غفلت نہ ہو پھر، وہ کسی حادثے کا شکار ہو کر ضائع ہو جائے، تو امین پر اس کا کوئی تاوان شرعاً واجب نہیں ہوگا۔

جو صورت آپ نے بیان کی ہے، اس میں آپ پر کوئی تاوان واجب نہیں اور آپ کی یہ ذمہ داری نہیں کہ رقم بھیجنے والے دوستوں کو ان کی رقم ادا کریں۔

زندگی کا بیمہ؟

سوال : میں ایک ہندوستانی شہری ہوں اور میں نے ہندوستان میں ۲۵ سال کا جیون بیمہ (لائف انشورنس) کرایا ہے کیا میرا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

(وارث علی بشیر - المدینہ المنورہ)

جواب : انشورنس میں سود اور قمار (یعنی جوا) پایا جاتا ہے، اور یہ دونوں ہی چیزیں ناجائز اور حرام ہیں جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں بلکہ سودی

---

(۱) ابن ماجه عن عمربن شعيب عن ابيه عن جده ، باب الوديعة ابواب الصدقات

کاروبار کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ ہے، (بقرہ-۲۷۹) اور حدیث پاک میں سود لینے والوں، دینے والوں یا معاملات لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر بھی لعنت بھیجی گئی ہے، لہٰذا لائف انشورنس یا کسی بھی طرح کا انشورنس حقیقۃً حرام ہی ہے۔

لیکن ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ معاملہ غور طلب ہے کہ وہاں ہندو مسلم فسادات کی کثرت اور وقتاً فوقتاً مختلف جماعتوں اور تنظیموں کی طرف سے مسلمانوں کے جان ومال کو ہلاک و برباد کرنے کی منظم کوششیں ہوتی رہیں اور فسادات کی تاریخ اسکی شاہد ہیں تو کیا اس کی وجہ سے انہیں اپنی زندگی یا دوکان وغیرہ کا انشورن کرالینا جائز ہوگا یا نہیں ؟ کیونکہ شریعت میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ شدید مجبوری کی صورت میں ناجائز چیزیں بھی عاضی طور پر جائز ہو جاتی ہیں جیسے شدید مجبوری کے وقت اگر کوئی حلال چیز نہ ملے تو جان بچانے کے لئے شراب وخنزیر جیسی حرام شئی کا استعمال بھی جائز ہے۔ (البقرہ-۱۷۳)

چنانچہ بعض علماء نے ہندوستانی مسلمانوں کو جان ومالِ تجارت اور کاروبار کے انشورنس کی اجازت دی ہے اس سلسلے میں ۱۵-۱۶، دسمبر ۱۹۶۵ء کو مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ایک نشست بلائی تھی جس میں کچھ نمائندہ اہل علم نے شرکت کی تھی اس اجتماع نے انشورنس کے سلسلہ میں جو متوازن، بصیرت افروز اور حقیقت پسندانہ رائے قائم کی تھی ، وہ یوں ہے :

> " مجلس یہ رائے رکھتی ہے کہ اگرچہ انشورنس کی سب شکلوں کے لئے رباو قمار (سود اور جوا) لازم ہے اور ایک کلمہ گو کے لئے ہر حال میں اصول پر قائم رہے، کی کوشش کرنا ہی واجب ہے، لیکن جان ومال کے تحفظ وبقاء کا جو مقام شریعت اسلامیہ میں ہے، مجلس اسے بھی وزن دیتی ہے نیز مجلس اس صورت حال سے بھی صرف نظر نہیں کرسکتی کہ موجودہ دور میں نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی

ریاستوں سے انشورنس انسانی زندگی میں اس طرح دخیل ہو گیا ہے کہ اس کے بغیر اجتماعی اور کاروباری زندگی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں، اور جان و مال کے تحفظ کے لئے بھی بعض حالت میں اس سے مفر ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ضرورت شدیدہ کے پیش نظر اگر کوئی شخص اپنی زندگی یا اپنے مال یا اپنی جائیداد کا بیمہ کرائے تو مذکورہ بالا ائمہ کے قول کی بنا پر اس کی شرعاً گنجائش ہے"۔

اوپر کی عبارت میں لفظ "ضرورت شدیدہ" سے مراد یہ ہے کہ جان یا اہل و عیال و یا مال کے ناقابلِ برداشت نقصان کا قوی اندیشہ ہو۔

"ضرورت شدیدہ" موجود ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ مجلس کے نزدیک مبتلی بہ (جو شدید دشواریوں میں مبتلا ہو کر بیمہ کرانا چاہتا ہو) کی رائے پر منحصر ہے، جو خود کو عند اللہ جواب دہ سمجھ کر علماء کے مشورے سے قائم کرے۔(۱)

لہٰذا اس سلسلے میں ہماری رائے بھی یہی ہے کہ مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر کوئی عمومی جواز کا فتوی تو نہیں دیا جا سکتا البتہ ہر شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اللہ کے یہاں جواب دہ سمجھ کر مقامی علماء سے مشورہ کر کے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہے۔

قرآن کی تعلیم پر اجرت؟

سوال : کیا بچوں اور بچیوں کو اجرت لیکر قرآن پڑھانا جائز ہے؟ کیا حافظ قرآن یا قاری کیلئے جائز ہے کہ وہ تنخواہ یا ٹیوشن مقرر کر کے قرآن پڑھائے؟

(خواجہ فریدالدین - جدہ)

جواب : قرآن و حدیث میں آیاتِ قرآنیہ کو بیچنے کے بارے میں جو شدید وعید آئی

---

(۱) دیکھئے : حلال و حرام، ص : ۳۸۴

ہے، اس کی بناء پر علماء نے فتوی دیا ہے کہ قرآن کی تعلیم کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے، ہمارے علماء سلف کے ہاں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے دین کو ذریعہ معاش بنایا ہو، بلکہ یہ لوگ کسب معاش کے لئے اپنے اپنے دور کے معروف حلال و مباح ذرائع سے معاش کماتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ دین کی خدمت بھی کرتے تھے، امام ابو حنیفہؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے، بہتر اور عمدہ بات تو یہی ہے کہ انسان حلال و مباح چیز کو ذریعہ معاش بنائے اور دین کی خدمت بلا معاوضہ کی جائے، لیکن اگر مخصوص حالات کی وجہ سے ایسا نہ ہو تو علماء متاخرین کا ایک گروہ (اسی مجبوری کی وجہ سے) اس اجرت کو جائز قرار دیتا ہے، پھر سوچنے والی بات یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص صبح سے شام تک کا پورا دن قرآن و حدیث کی تعلیم پر صرف کرتا ہے، اور اسے دنیا کمانے کا وقت نہیں ملتا تو اس کی ضروریات زندگی اور بھی زیادہ ہوگی اسی ضرورت کے پیش نظر متاخرین علماء و فقہاء نے قرآن اور دینی علوم نیز مسجد کی اذان و امامت پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے، مشہور فقیہ برہان الدین مرغینانی رقمطراز ہیں:

وبعض مشائخنا استحسنوا الا ستيجار على تعليم القران اليوم لانه ظهر التوانی فی الامور الدينية ففی الامتناع يضيع حفظ القران وعليه الفتویٰ . (۱)

ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانے میں تعلیم قرآن پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ دینی معاملات میں سستی پیدا ہو گئی، پس اگر اس کو ممنوع قرار دیا جائے تو قرآن کی تلاوت اور حفظ ضائع ہو جائے گا، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

بعض مفسرین نے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۷۳ کی تفسیر میں مجاہدین اور علماء کے بارے میں لکھا ہے کہ اسلامی حکومت اور مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ ان لوگوں کی تمام ضروریات کو پورا کیا جائے ان کی اور ان کے اہلِ و عیال کی کفالت کی

(۱) هدايه ۳/ ۳۰۳، ط: انديا

جائے تاکہ یہ لوگ یکسوئی سے دین کی خدمت کر سکیں۔

عورتوں کیلئے خادمہ کا پیشہ؟

سوال: اگر کسی عورت کو مجبوراً کسی گھر میں کام کرنا پڑ جائے یعنی نوکرانی کا پیشہ اختیار کرنا پڑ جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ (ایک بہن-جدہ)

جواب: اسلامی ریاست اور مسلم معاشرے کے بااثر طبقے کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کے مستحق افراد و خاندان کی کفالت کرے، کسی گھر یا خاندان میں بڑا مرد نہ رہے یا مرد بیمار ہو اور معذور ہو تو مجبوراً خواتین کو ملازمت اختیار کرنی پڑتی ہے، ہمارے معاشرے کے حکمراں طبقے، سیاستدانوں اور منظم دینی جماعتوں کے لئے شرم کی بات ہے کہ انھوں نے غریب اور مستحق خواتین کے لئے معاشرے میں باعزت ملازمت و روزگار کا کوئی انتظام نہیں کیا، حالانکہ حکمرانوں اور سیاسی و دینی جماعتوں کے پاس وسائل و اسباب کی کوئی کمی نہیں ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ملک میں ایسی ایک جماعت یا انجمن وغیرہ ہو جو اس قسم کی خواتین کی مدد کرے اور انہیں گھر ہی پر باعزت روزگار کے مواقع میسر کرے، لیکن اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے اور مجبوراً کسی خاتون کو ملازت کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑ رہا ہے تو یہ عمل اور یہ ملازمت جائز ہے، بشرطیکہ شرعی آداب کا خیال رکھا جائے، پردے اور حیاو عفت کے ساتھ مسلم خاتون ہر جائز و حلال کام نیز ملازمت اور نوکری کر سکتی ہے۔

فہرستِ کتابیات

قرآنیات

۱	قرآن کریم	
۲	الدر المنثور جلال الدین	جلال الدین سیوطیؒ
۳	ابن کثیر	اسماعیل بن کثیر دمشقیؒ
۴	الجامع لاحکام القرآن	محمد بن احمد انصاری قرطبیؒ
۵	تفسیر کبیر	فخر الدین رازیؒ
۶	روح المعانی	سید محمود آلوسیؒ
۷	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
۸	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۹	معارف القرآن	مفتی محمد شفیعؒ
۱۰	الاکلیل	جلال الدین سیوطیؒ

حدیث و شروحِ حدیث

۱	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۲	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج قشیریؒ
۳	سنن نسائی	
۴	سنن ابوداؤد	سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانیؒ
۵	سنن ترمذی	ابو عیسیٰ ترمذیؒ
۶	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ

۷	سنن بیہقی	ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقیؒ
۸	سنن دار قطنی	علی بن عمر دار قطنیؒ
۹	مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ
۱۰	مؤطا امام مالک	مالک بن انسؒ
۱۱	الترغیب والترہیب	عظیم بن عبد القوی منذریؒ
۱۲	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل البخاری
۱۳	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکر ہیثمیؒ
۱۴	صحیح ابن خزیمۃ	ابن خزیمہؒ
۱۵	جمع الفوائد	محمد بن محمد بن سلیمانؒ
۱۶	الجامع الصغیر	جلال الدین سیوطیؒ
۱۷	مستدرک	محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ
۱۸	مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزیؒ
۱۹	فتح الباری	ابن حجر عسقلانیؒ
۲۰	ارشاد الساری	احمد بن محمد قسطلانیؒ
۲۱	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاریؒ
۲۲	نیل الاوطار	محمد بن علی شوکانیؒ
۲۳	اعلاء السنن	ظفر احمد عثمانیؒ
۲۴	اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ
۲۵	سبل السلام	محمد بن عبد السلام صنعانیؒ

ائمہ اربعہ کی فقہ

۱	بدایۃ المجتہد	محمد بن رشد قرطبیؒ
۲	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	عبد الرحمٰن جزیریؒ
۳	حلیۃ العلماء	محمد بن احمد شاشی القفالؒ

۴	الفقہ الاسلامی و اَدلتہ	ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ

فقہِ حنفی

۱	ہدایہ	برہان الدین مرغنیانیؒ
۲	فتح القدیر	علامہ ابن ہمامؒ
۳	البحر الرائق	زین الدین بن نجیم مصریؒ
۴	بدائع الصنائع	ابو بکر مسعود کاسانیؒ
۵	درِّ مختار	علاء الدین حصکفیؒ
۶	ردّ المحتار	محمد امین بن عابدینؒ (شامی)
۷	مجمع الانہر	محمد المعروف بابن علی بن محمد المہدی الجزائریؒ
۸	اسلامی فقہ	مولانا مجیب اللہ ندویؒ
۹	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۱۰	حلال و حرام	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۱۱	اسلام کا نظامِ عشر و زکوٰۃ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۱۲	احکامِ حج	مفتی محمد شفیعؒ
۱۳	الزواج الاسلامی	
۱۴	المفصل فی احکام المرأۃ	دکتور عبد الکریم زیدانؒ

فقہِ شافعی

۱	المجموع شرح المہذب	یحییٰ بن شرف نوویؒ

فقہِ مالکی

۱	حاشیۃ دسوقی	شمس الدین دسوقیؒ
۲	الشرح الکبیر	سید احمد دردیرؒ
۳	المدوّنۃ الکبریٰ	امام مالک بن انسؒ

فقہِ حنبلی

۱	المغنی	ابن قدامہ مقدسیؒ
۲	الاقناع	شرف الدین موسیٰ الحجاوی المقدسیؒ

دیگر

۱	المحلّی	ابن حزم ظاہریؒ

قواعدِ فقہ

۱	الاشباہ والنظائر	زین الدین بن نجیمؒ
۲	القواعد الفقہیۃ	علی احمد الندوی

کتبِ فتاویٰ

۱	الفتاوی الہندیۃ	مرتبہ: عہدِ عالمگیری
۲	الفتاوی التاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاریؒ
۳	فتاویٰ قاضی خاں	فخر الدین اوزجندیؒ
۴	فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیبؒ
۵	نفع المفتی والسائل	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۶	امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ

متفرقات

۱	الاعتصام	ابو اسحاق شاطبیؒ
۲	الاکلیل	سیوطیؒ
۳	المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۴	المعجم الوسیط	